حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان کے
تمام مشائخ اور اکابر علماء و مشائخ دیوبند کے حالات
وحکایات پر نہایت مستند اور دلچسپ کتاب
ارواحِ ثلاثہ
یعنی
حکایاتِ اولیاء
حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ
www.besturdubooks.wordpress.com
مکتبہ عمر فاروق

ارواح ثلاثہ

یعنی

حکایاتِ اولیاء

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان کے تمام مشائخ اور اکابر علماء و مشائخ دیوبند کے حالات وحکایات پر نہایت مستند اور دلچسپ کتاب

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

نام کتاب .... ارواحِ ثلاثہ یعنی حکایاتِ اولیاء

مؤلف .... حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اول .... نومبر 2009ء

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

021-34594144 Cell: 0334-3432345

ملنے کے پتے

دارالاشاعت ، اردو بازار کراچی
اسلامی کتب خانہ ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
قدیمی کتب خانہ ، آرام باغ کراچی
ادارۃ الانور ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ رشیدیہ ، سرکی روڈ کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ ، راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ العارفی ، جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد
مکتبہ رحمانیہ ، اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید ، اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
وحیدی کتب خانہ ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

فہرست مضامین حکایات اولیاء

پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مد ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجربہ شاہد ہے کہ بزرگان دین کی حکایات وروایات میں بھی ایک خاص نور ہوتا ہے جو سننے والے پر کسی درجہ میں وہی اثر ڈالتا ہے جو ان بزگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ بزرگان دین نے ایسی حکایات کے جمع کرنے اور شائع کرنیکا اہتمام کیا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی مقصد کیلئے حکیم الامت حضرت سیدی مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ' کے ایما پر چند حضرات نے لکھی اور حضرت نے ان میں سے بعض پر کچھ حواشی بھی تحریر فرمائے۔ یہ مجموعہ حضرت ہی کے زمانہ میں حضرت ہی کی تجویز سے ارواح ثلاثہ کے نام سے شائع ہوا۔

مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی سابق صدر مدرس مظاہر علوم جن کو حق تعالیٰ نے پاکستان بننے کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے نظم وانتظام کا شرف عطا فرمایا ہے انہوں نے اس کتاب کی طبع ثانی میں تینوں رسالوں کے مضامین ایک نئی ترتیب اور مفید تمہید کیساتھ شائع کیا اس کے بعد اسی ترتیب و تمہید کیساتھ بار بار شائع ہوتی رہی۔

حال میں برخوردار مولوی محمد رضی سلمہ 'مالک کتب خانہ دار الاشاعت بند روڈ کراچی نے اس کتاب کے شائع کرنے کا ارادہ کیا اور مجھ سے مشورہ لیا۔ اس وقت کتاب پر نظر ڈالنے سے چند ترمیمات مناسب معلوم ہوئی ہیں۔ (۱) مذکورہ رسائل پر حواشی حضرت حکیم الامت کے لکھے ہوئے تھے گذشتہ طباعت میں ان حواشی کو بھی متن کے اندر لے لیا گیا تھا جس سے پڑھنے والوں کو الجھن پیش آتی تھی۔ اس جدید ایڈیشن میں حواشی کو حاشیہ پر ہی لکھ دیا گیا ہے۔

(۲) چونکہ اس نئی ترتیب میں تینوں رسالوں کے مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے اس لئے اب ان تمہیدات کی خاص ضرورت نہ رہی جو ہر رسالہ کے شروع میں لکھی ہوئی تھی مگر مفید معلومات

پر مشتمل ہونیکی بنا پر پہلی اشاعتوں میں مولانا ظہور الحسن صاحب کی تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہونے سے پہلے ان تمہیدات سابقہ کو بھی لکھ دیا گیا ہے جو بظاہر اس جگہ بے جوڑ نظر آتی ہے اس لئے اس جدید طباعت میں تمہیدات سابقہ کو آخر میں لگا دیا گیا ہے۔

(۳) پچھلی طباعت میں مولانا ظہور الحسن صاحب نے کچھ جدید اضافے بزرگوں کی حکایات کے اپنی طرف بھی مستند حوالوں کیساتھ کئے تھے اسی سلسلہ میں آخر کتاب میں ایک حکایت سیدی و استادی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب معروف بہ میانصاحب رحمتہ اللہ کی بھی لکھی۔ یہ بزرگ اگرچہ قرن و عمر کے اعتبار سے سب بزرگوں کے شاگرد تھے مگر بچپن ہی سے گویا ولی اللہ تھے میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین کے شاگرد تھے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کو بچپن میں بھی کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا بعض اوقات کوئی خطا ہو گئی اور کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ یہ کام کس نے کیا۔ سب کے سب ڈر کے مارے خاموش ہیں، حضرت میاں صاحب خود آگے بڑھ کر فرمادیتے یہ خطا مجھ سے ہوگئی ہے معاف کر دیجئے احقر پر موصوف کی بڑی شفقت و عنایت تھی اسلئے ان کی کچھ حکایات مجھ سے سنی ہوئی اور کچھ آپ بیتی میرے بڑے لڑکے مولوی محمد زکی نے اپنے ایک مضمون میں جمع کر دی تھیں جو ماہنامہ البلاغ کراچی میں شائع ہوئی۔ یہ حکایات بھی آخر کتاب میں شامل کر دی گئیں۔

افسوس ہے کہ اب سے ڈیڑھ ماہ پہلے یہ برخوردار دنیا سے رخصت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون اس وقت یہ مضمون مرحوم کی یادگار بھی ہے اور بہت سی عبرتوں اور نصیحتوں کا مجموعہ بھی اللہ تعالیٰ نافع و مفید فرمادے۔

بندہ محمد شفیع خادم دارالعلوم کراچی

۲۴/صفر ۱۳۹۵ھ

تمہید رسالہ ارواح ثلاثہ

مجموعہ امیر الروایات وروایات الطیب واشرف التنبیہ وغیرہ

الحمد للہ و کفی والصلوۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کازمانہ وہ زمانہ تھا کہ ہر شخص انتہادرجہ کی جہالت وضلالت کا شکار تھا خواہش پرستی اور ہوابازی ہر شخص کا شعار تھا وہ اپنی اولاد کو زندہ درگور کردینے کو اپنی عزت سمجھتے تھے حق اور ناحق کی طرفداری اور عصبیت انکاشب وروز کا شیوہ تھا قتل وفساد سے مطلقاًباک نہ کرتے تھے حق پوشی اور ناحق کوشی رات دن کا شغل تھابداطواریاں اور بداخلاقیاں یہاں تک ترقی کر گئی تھیں کہ ان کو انسان کہنا مشکل تھاباوجود اس جہالت وگمراہی کے اس کیمیاوی اثر کو دیکھئے کہ جس شخص نے ہدایت پاکر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر آقائے دوجہان فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کو دیکھ لیا' نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے سے ہی آپ کی آواز سن لی' وہ ایسا کندن بن گیا کہ نہ اب ابو حنیفہ وشافعی اسکے رتبہ کو پہنچ سکتے ہیں نہ جنید وشبلی نہ کوئی اور بڑے سے بڑا تابعی

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند　　　صاف اگر باشد ندانم چوں کند

پس ان حضرات کے مراتب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جنہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ حضور کی زیر تربیت گذارا ہو اور اپنی نشست وبرخاست 'طعام وکلام' سفر وحضر کی ہر حالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واتباع کے مدتوں زیر اثر رکھا ہو۔وہ کیا بات تھی کہ جس نے ادنی درجہ کے صحابی کو بڑے سے بڑے تابعی کا سرتاج بنادیا غور کرنے اور نصوص کی دلالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کی صحبت فیض اثر تھی پس معلوم ہوا کہ صحبت ایسی قوی التاثیر اور سریع الاثر شے ہے کہ ذراسی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچادیتی ہے کیوں نہ ہو صحبت تووہ چیز ہے کہ روحانیت سے گزر کر مادیات تک میں اپنااثر دکھلاتی ہے چنانچہ سعدی فرماتے ہیں

گلے خوشبوئے درحمام روزے　　　رسید ازدست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکے یا عبیری | کہ از بوئے دلا ویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم | ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشین در من اثر کرو | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرات صوفیہ نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اور مستفیدین و طالبین کی اصلاح کیلئے صحبت نیک کو نہایت ضروری قرار دیا ہے اور مختلف عنوان سے اس کی اہمیت کو موکد فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے۔

صحبت نیکاں اگر ایک ساعتست | بہتر ازصد سالہ زہد وطاعتست
ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا | گو نشیند درحضور اولیاء
یک زمانہ صحبت با اولیا | بہتر ازصد سالہ طاعت بے ریا
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی | چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
صحبت صالح تراصالح کند | صحبت طالح تراطالح کند

اسی بنا پر حضرات صوفیائے کرام کے یہاں صحبت کو طریق کا جزو اعظم قرار دیا گیا ہے اور مشائخ اپنی تصانیف اور ملفوظات و مکتوبات میں اس کی جا بجا تاکید فرماتے رہے ہیں چنانچہ عارف شیرازی فرماتے ہیں

مقام امن و مئے بے غش و رفیق و شفیق | گرت مدام میسّر شود زہے توفیق

اکبر الہ آبادی ان ہی بزرگوں کی ترجمانی اس طرح فرماتے ہیں

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا | دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور چونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی ناداری و کم مائیگی یا مشاغل کیوجہ سے اس پر قادر نہیں ہے کہ بال بچوں اور روزگار کو چھوڑ کر دور دراز کے سفر کی مشقت اور کرایہ وزادراہ کے اخراجات کو برداشت کر سکے بلکہ بہت لوگ اپنی بے کسی ناداری یا دور افتادگی یا دوسروں کی ملازمت و تابعداری کیوجہ سے ایسے ناچار و مجبور ہیں کہ گھر اور ملازمت وغیرہ چھوڑ کر تھوڑا وقت بھی

بزرگوں اور اللہ والوں کی صحبت کیلئے نہیں نکال سکتے یا وہ مدت نفع تام کیلئے ناکافی ہوتی ہے اسلیے بزرگان ملت نے ایسے لوگوں کیلئے بطور مکافات بزرگوں کی حکایات وملفوظات اور ایسے حضرات جو صحبت نیک سے محروم ہیں ان کیلئے ایسی کتابوں کا مطالعہ ہی صحبت نیک کا قائم مقام ہے اور مواعظ کا مطالعہ تجویز فرمایا ہے حضرت عارف شیرازی کا یہ شعر اسی حالت پر محمول ہے

[1] دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است　　　صراحی مئے ناب وسفینہ غزل است

چنانچہ زمانہ سلف سے یہ معمول جاری ہے کہ بزرگوں کی حکایات وملفوظات اور حالات کو جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب قصص الانبیاء روض الریاحین تذکرۃ الاولیاء حکایات الصالحین سب اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں اور ہمیشہ حضرات مشائخ طالبین کو ان کے مطالعہ کی ترغیب وتاکید فرماتے رہے ہیں چونکہ یہ طبعی امر ہے کہ جن بزرگوں سے انسان کو خاندانی انتساب اور محبت ہوتی ہے انکی حکایات وحالات سے خاص انس اور ان کے اعمال واقوال کے اتباع کی جانب خاص کشش ہوتی ہے لیکن ابتک کوئی کتاب ایسی شائع نہ ہوئی تھی جس میں ہمارے قریب زمانہ کے خاندان [2] ولی اللہی بزرگوں کی حکایات کا ذخیرہ موجود ہو اسلیے ضرورت تھی کہ بزرگان قریبہ کے حالات میں بھی کوئی کتاب مرتب کی جائے حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں حضرت امیر شاہ خان صاحب کو جنہوں نے باوجود علم رسمی تحصیل نہ کرنیکے بزرگوں کے فیض صحبت سے وہ درجہ حاصل کیا کہ آج اصطلاحی عالم بھی ان کے علمی وعملی مرتبہ پر رشک کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے ان کو عمر وذہن اور حافظہ بھی اسقدر وافر عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے لیکر موجودہ زمانہ کے بزرگوں کے حالات وواقعات کو روایات حدیث کی طرح بسندہ

---

[1] یعنی کتب دینیہ کا مطالعہ ۱۲

[2] خاندان ولی اللہی سے وہ حضرات مراد ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور ان کے خاندان سے عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں اور جن کے خدام کو آج کل جماعت دیوبند سے تعبیر کیا جاتا ہے ۱۲۔

وبلفظہ نقل فرماتے ہیں اور پھر حکیم الامت مرشدی و مولائی جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب دام فیوضہم کو حق تعالیٰ دوجہان میں مراتب اعلیٰ عطا فرمائیں کہ آپ نے حضرت خانصاحب موصوف سے بزرگوں کی حکایات کوبذریعہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی ضبط کرانیکا اہتمام فرمایا جنکی کوشش اور اہتمام سے یہ تمام حکایات کتابی صورت میں جمع ہوگئیں اور کتاب کا نام راوی کے نام کی مناسبت سے

<u>امیر الروایات :۔</u> تجویز ہوا اسی سلسلہ میں ہم مولانا مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دام فیوضہم کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت امیر شاہ خانصاحب سے سلسلہ بزرگوں کے حالات کا ایک مجموعہ روایات الطیب کے نام سے جمع کر کے شائع کیا ایسے ہی جناب مولوی محمد نبیہ صاحب واصل ٹانڈوی دام فیوضہم کی بھی قابل صد منت ہے کہ آپنے حضرت حکیم الامت تھانوی دام فیوضہم کے ملفوظات سے بزرگان ولی اللہی کی حکایات کو جمع کر کے بصورت رسالہ اشرف التنبیہ کے نام سے شائع کیا پس ان سب حضرات کی سعی اور کوشش سے یہ تین رسالے بزرگان سلسلہ ولی اللہی کے حالات میں جمع ہوگئے

(۱)امیر الروایات (۲)روایات الطیب (۳)اشرف التنبیہ چونکہ بزرگوں کے بعض حالات واقوال محتاج تفصیل ہوتے ہیں لہذا پہلے دو رسالوں کے بعض بعض مقامات پر حضرت حکیم الامتہ دام فیوضہم نے بغرض بیان مراد و تفصیل حواشی بھی تحریر فرمائے جنکو ہر حکایت کیساتھ حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے پہلے رسالہ کے حاشیہ کا نام شریف الدرایات اور دوسرے رسالہ کے حاشیہ کا نام سقایات الصیب رکھا گیا طبع ثانی کیوقت مولانا محمد نبیہ صاحب موصوف اور مولوی جلیل احمد علیگڑھی دامت الطافہما نے رسالہ اشرف التنبیہ کے آخر میں دو اضافے بھی فرمائے اور اس مرتبہ احقر نے بھی بعض بعض بزرگوں کا حکایات کا معتبر کتابوں سے انتخاب کر کے اضافہ کیا اور پھر چونکہ یہ مجموعہ حکایات علاوہ اضافات موصوفہ کے تین رسالوں پر منتشر تھا اور ہر رسالہ میں بھی ہر ایک بزرگ کی حکایات منتشر طور پر تھیں اس لیے ناظرین کے لیے باعث انتشار تھیں۔لہذا احقر نے

چاہا کہ تینوں رسالوں اور اضافات سے ہر ہر بزرگ کی حکایات کو انتخاب کر کے جدا جدا جمع کر لیا جائے تا کہ ناظرین کو ہر ہر بزرگ کے حالات یکجا طور پر مل سکیں چنانچہ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ رسالہ اسی صورت سے تیار ہو کر ہدیہ ناظرین ہے اور حسب تجویز حضرت حکیم الامت مد فیوضہم اس رسالہ کو ارواح ثلاثہ سے ملقب کیا جاتا ہے اور ناظرین کی آسانی کے لیے ہر جگہ رسالہ موصوف میں ماخذ کا حوالہ بھی لکھدیا گیا تا کہ ضرورت کے وقت حوالہ دیکھنے میں آسانی ہو حق تعالیٰ اس کو ناظرین اور احقر کے لیے سبب خیر بنائیں اور ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے مستفیض اور ان کے اقوال و اعمال کا متبع اور اپنی محبت کی چاشنی سے ہم سب کو بہرہ اندوز فرمائیں۔

احبّ الصالحین ولست منهم   لعل الله یرزقنی صلاحا

پس اول مزید بصیرت کے لئے تینوں رسالوں کی سابق تمہیدات کو[1] بترتیب رسائل نقل کیا جاتا ہے اس کے بعد روایات و حکایات شروع ہوں گی۔ فقط والسلام۔

(ادنی غلام آستانہ اشرفی احقر ظہور الحسن غفرلہ)

---

[1] اب اس اشاعت میں یہ تمہیدات کتاب کے آخر میں شائع ہوئی ہیں۔ بندہ محمد رضی عثمانی ۱۲ منہ

سید الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۱) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ مولانا فخر الدین صاحبؒ مرزا مظہر جان جاناں صاحبؒ کی دعوت کی تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا دوپہر ڈھلے آیا اور ایک ایک ٹکہ تینوں کے ہاتھ پر رکھدیا اور یہ کہا کہ حضرت میں ایک کام کو چلا گیا اور دعوت کا بالکل خیال نہ رہا اسوقت ناوقت ہو گیا ہے کھانیکا انتظام نہیں ہو سکتا اسلیے کھانے کے دام دیے گئے مولانا فخر الدین صاحب نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بھائی یہ بھی تمہارا احسان ہے کیونکہ اگر ہم صبح سے اسوقت تک مزدوری کرتے تب ایک ٹکہ کے مستحق ہوتے اور تم نے ہم کو آرام سے بٹھا کر ایک ٹکہ دیدیا شاہ ولی للہ صاحب نے خاموشی کیساتھ لےلیا اور کچھ نہ کہا مگر مرزا صاحب ناخوش ہوئے اور یہ کہا کہ تو نے ان حضرات کا وقت ضائع کیا کیونکہ شاہ صاحب اسوقت تک حدیث پڑھاتے اور مولانا فخر الدین صاحب اپنے مریدوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اپنی نسبت کچھ نہیں کہتا کہ میں کیا کرتا مگر تو نے ان حضرات کو ان دینی خدمتوں سے روک دیا خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا اس کے بعد تینوں حضرات اٹھ کر چلے آئے یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ مجھ سے حضرت حاجی صاحب نے بھی بیان فرمایا اور مولانا نانوتویؒ نے بھی اور مولانا گنگوہی نے بھی حضرت حاجی صاحب نے تو اس قصہ کو بیان فرما کر یہ فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحب کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے چشتیت ٹپکتی ہے اور مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی بات بڑھی ہوتی ہے کہ انکے نفس نے اصلاً حرکت نہ کی اور حضرت گنگوہی ~~ے~~ فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کی بات بہت بڑھی ہوئی ہے عدل کا اقتضا یہی ہے جو کچھ مرزا صاحبؒ نے فرمایا۔

ف۔ اس سے اپنے حضرات کا اختلاف مذاق اور اس سے اختلاف آراء صاف ظاہر ہے۔

حکایت (۲) خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولوی سراج احمد خورجوی اور مولوی محمد شاہ

ا احقر کا میلان حضرت گنگوہیؒ کی رائے کی طرف ہے (اشرف علی)

صاحب رامپوری سے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک خط میں شیخینؓ کی افضلیت پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے واذکرو انعمت اللہ علیکم اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا اور تقریر استدلال اسطرح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے صحابہ پر اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا کہ تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں کو ملا دیا اور تم اسکی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ میں آپس میں عداوت نہ تھی اور وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ برکت تھی آپ کے وجود اور آپ کی تعلیم کی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ صحابہ میں یہ صفت اخوت پورے طور پر کس وقت تک رہی سو پورے طور پر یہ صفت دو خلافتوں تک رہی اور اگر حضرۃ عثمان کی خلافت کے ابتدائی چھ برس بھی شمار کیے جائیں تو کیے جا سکتے ہیں اور اسکے بعد صحابہ میں آپس میں مخالفتیں اور جھگڑے قصے پیدا ہو گئے سو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اول کی ڈھائی خلافتیں اخیر کی ڈیڑھ خلافت سے افضل ہیں اور اس زمانہ کے خلفیوں کی برکت اور تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور تعلیم کا بہ نسبت اخیر کے خلیفوں کی برکت و تعلیم کے زیادہ حصہ لیے ہوئے تھی اور اس سے پہلے خلیفوں کی افضلیت بعد کے خلیفوں پر ظاہر ہے اور ثابت ہے کہ پہلے دو خلیفوں کی تعلیم اخیر کے دو خلیفوں سے زیادہ[1] علیٰ منہاج النبوۃ تھی۔

<u>حکایت (۳)</u> خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے شہزادہ جنات کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا اور اسکے بعد قاضی جنات کی عدالت میں بحیثیت مجرمانہ پیش ہونا اور قاضی کا حدیث من قتل فی غیر زیہ فدمہ ھدر کی بنا پر مجرم کو رہا کرنا یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو اور انہوں نے اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سنی ہیں جن کو شاہ صاحب نے جمع کر کے اسکا نام مسند جن رکھا ہے اور مولانا

[1] یہ شہادت ناقص کا نہیں اکمل کا مل ہے (اشرف علی)

عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند بھی دیکھا ہے۔ اسکے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اس قصہ کو بروایت شاہ عبد الغنی صاحب شاہ اہل اللہ صاحب کیطرف منسوب کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قصہ شاہ اہل اللہ صاحب کا ہے نہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا اپنی رائے پر قائم[1] رہے واللہ علم

حکایت (۴) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن مادر میں تھے کہ انکے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب ایکدن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور ادراک بہت تیز تھا خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے اسکا نام قطب الدین احمد رکھنا اقرار و تسلیم فرمایا اور آکر بھول گئے ایک روز شاہ صاحبؒ کی زوجہ نماز میں تھیں جب انہوں نے دعا مانگی تو انکے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے ؟ فرمایا ڈرو مت، تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے پس اسی لیے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا۔ اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے، اور مشہور ولی اللہ ہوا۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۵) حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغر سنی کا تردد تھا اسی وقت جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (توکاہے کا فکر کرے ہے جیسی تری اولاد ویسی میری) پھر آپ کو اطمینان ہو گیا مولانا نے فرمایا کہ شاہ صاحب کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی، جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔

(از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اضافہ مولوی محمد نبیہ صاحب در اشرف التنبیہ)

---

[1] مولانا کا قول اسلیے راجح ہے کہ اسکی سند معلوم ہے چنانچہ احقر کے رسالہ زیارات میں مذکور ہے اور دوسرے قول کی سند معلوم نہیں پس ترجیح ظاہر ہے۔ (اشرف علی)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ'

حکایت (۶) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے پاس ہوئے تو بمقتضائے بشریت چونکہ صغر سنی کا تردد تھا اسی وقت جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تو کاہے فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری) آپ کو اطمینان ہو گیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچے جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے آپ کے چار صاحبزادے ہوئے اب ان کی اولاد میں بجز عبدالسلام غیر تعلیم یافتہ اور کوئی بھی نہیں۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی حکایات

حکایت (۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے کسی بزرگ سے نہیں سنا صرف دیوان اللہ دیے سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کا یہ معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے اور جب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ کو جاتے جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلیٰ بچھا کر بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اسکے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور برا بھلا کہتے اور ان کے نیچے سے مصلیٰ نکالکر پھینک دیتے لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کر کے روانہ ہو جاتے لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کیخلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے مگر دریافت کرنیکی کسی کو ہمت نہ ہوتی ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرات کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ ان کیساتھ یہ برتاؤ کیوں کر رہے ہیں مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل صورت اچھی تھی ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے یہ بھی ہمارے

چاہنے والوں میں[1] سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے اسوقت ان کیساتھ یونہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے مگر ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے میں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اس کو بہت اونچا دیکھا اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپکی جگہ مگر اس نے نہ مانا میں نے بہت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو ابتک کرتے رہے ہو اسکو میں نے نہ مانا اسپر انہوں نے میری تمام کیفیت سلب کرلی[2] اور میں کورا رہ گیا اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دیدو اس نے کہا اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی　　　قربان تیرے پھر مجھے کہدے اسی طرح

(یہ شعر اس جگہ خانصاحب نے اپنی طرف سے پڑھا تھا) میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اس مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔

---

[1] ان کی محبت نفسانی نہ تھی۔ ورنہ سب کے ساتھ یہ بھی رخصت ہو جاتے۔ (اشرف علی)

[2] اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہی سے سنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قوی ادراکیہ و عملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا ہے جس سے اس میں غباوت پیدا ہو جاتی ہے باقی کمال و قرب کو کوئی زائل نہیں کر سکتا احقر کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی ذواو غیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے فی نفسہ کوئی ضرر بھی نہیں گو لذت کی کمی سے قلق ہوتا ہے البتہ بواسطہ اسلیے گاہے مضر ہو جاتا ہے کہ وہ سبب ہو جاتا ہے نشاط کی کمی کا اور وہ مفضی ہو جاتی ہے تقلیل فی الاعمال کی طرف اسی لیے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرف حرام ہے اور جہاں کیفیات نفسانیہ کا غلبہ ہو ضروریات واجبہ دینیہ یا دینیہ میں وہاں یہ تصرف طاعت ہے اور جہاں مصلحت مباحہ ہو وہاں مباح ہے جیسا اس قصہ میں ہوا (اشرف علی)

حکایت (۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا جان جانان رحمتہ اللہ علیہ شاہی خاندان سے تھے اور عالمگیر کے خالہ زاد بھائی تھے ان کے والد کا نام مرزا جانی تھا اور مرزا صاحب کا نام جان جانان عالمگیر نے رکھا تھا انکی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ وہلی میں نجف خاں رافضی کا تسلط تھا اور رافضی اسوقت زور شور پر تھے اتفاق سے دو رافضی مرزا صاحب بخدمت میں آئے اور کہا کہ آپ شیخین کی نسبت کیا کہتے ہیں مرزا صاحب نے فرمایا میرا کیا منہ ہے کہ میں انکی نسبت کچھ کہہ سکوں انکی نسبت تو خدا فرماتا ہے والسابقون الاولون الخ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ نزول آیت کے وقت بیشک ایسے ہی تھے اسلئے خدا نے ایسا فرمادیا اور بعد کو ان کی حالت بدل ہوگئی اور اس معاملہ میں خدا کو بداء ہوا ہے اس پر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ایسے احمق [1] خدا کو میں نہیں مانتا جسکو یہ بھی خبر نہ ہو کہ شیخین نعوذباللہ مرتد ہو جاوینگے اور وہ ان کو خوشنودی کا بھی پروانہ دیدے اور انسے جنت کا بھی وعدہ کرلے ایسا خدا رافضیوں کا خدا ہے اسپر انہوں نے بندوق ماردی جو مرزا صاحب کے سینہ میں لگی بندوق ایسے انداز سے لگی کہ مرزا صاحب کا فوراً انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ سخت زخمی ہوگئے شاہ عالم کو جب علم ہوا تو عیادت کیلئے آئے اور پوچھا مرزا صاحب کیسا مزاج ہے آپنے فرمایا کہ بندوق لگی ہے سو اسکی تو چنداں تکلیف نہیں کیونکہ یہ سینہ پہلے ہی سے چھلنی تھا ہاں بندوق چونکہ قریب سے لگی ہے اسلیے کچھ بارود اندر چلی گئی ہے اور اسکی بو سے دماغ سخت پریشان ہے یعقوب خاں خورجوی اور ابو بکر خورجوی بیان فرماتے تھے کہ مرزا صاحب نے اس حادثہ سے چار پانچ ہی روز پہلے یہ غزل لکھی تھی۔

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے   کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

اور یہ شعر آپ کی تربت پر علیحدہ کندہ بھی ہے

---

[1] یہ بطور الزام کے فرمایا کہ تمہارے قول پر اس صورت کا قائل ہونا لازم آتا ہے (اشرف علی)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۹) ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا فخر الدین صاحب چشتی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین تینوں کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے ایک شخص نے چاہا کہ تینوں حضرات اتفاق سے ایک شہر میں موجود ہیں ان کا امتحان لینا چاہیے کہ کس کا مرتبہ بڑا ہے یہ شخص اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت کل آپ کی میرے یہاں دعوت ہے قبول فرمادیں اور نو بجے دن غریب خانہ پر خود تشریف لاویں میرے بلانیکے منتظر نہ رہیں شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا اس کے بعد وہ شخص مولانا فخر الدین صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ ساڑھے نو بجے میرے بعد میرے بلائے بغیر مکان پر تشریف لاویں اور ماحضر تناول فرمادیں یہانسے اٹھ کر یہ شخص مرزا جان جاناں کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کاروبار کے سبب خدمت میں حاضر نہ ہوسکوں گا پورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لے آویں تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقت مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہنچ گئے اول نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے اس نے انکو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے انکو دوسرے مکان میں بٹھایا پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے ان کو تیسرے مکان میں بٹھایا غرض تینوں حضرات علیحدہ علیحدہ مکان میں بٹھائے گئے کہ ایک کو دوسرے کی اطلاع بھی نہیں ہوئی جب تینوں حضرات بیٹھ گئے تو یہ شخص پانی لیکر آیا ہاتھ دھلائے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ابھی کھانا لیکر حاضر ہوتا ہوں۔ کئی گھنٹے گذر گئے اور اس شخص نے خبر نہ لی آکر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے جب ظہر کا وقت آگیا اور اس نے سوچا کہ مہمانوں کو نماز بھی پڑھنی ہے تو اول شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا حضرت کیا کہوں گھر میں تکلیف ہوگئی تھی اسلئے کھانے کا انتظام نہ ہوسکا دو پیسہ نذر کئے اور کہا انکو قبول کر لیجئے شاہ

صاحب نے خوشی سے دو پیسے لے لئے اور فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے بھائی گھروں میں ایسا ہو ہی جاتا ہے شرمندہ ہونیکی بات نہیں یہ فرما کر چل دئے پھر یہ شخص مولانا فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا اور دو پیسے نذر کئے مولانا نے فرمایا بھائی فکر کی کیا بات ہے اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آجاتے ہیں اور کھڑے ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کیساتھ رومال پھیلا دیا' دو پیسے کی نذر قبول فرمائی اور رومال میں باندھ کر روانہ ہوئے دونوں کو رخصت کر کے یہ شخص حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں پہنچا اور وہی عذر بیان کر کے دو پیسے نذر کیے مرزا صاحب نے پیسے تو اٹھا کر جیب میں ڈال لیے اور پیشانی پر بل ڈال کر فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر ہمیں ایسی تکلیف مت دیجیئو" یہ فرما کر تشریف لے گئے اس شخص نے یہ قصہ اور بزرگوں سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب فن درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کیساتھ تعظیم سے کھڑے ہو کر قبول فرمائی اور انسے کم درجہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے کہ کھڑے تو نہیں ہوئے مگر خوشی نذر کو قبول فرمایا اور تیسرے درجہ پر مرزا صاحب ہیں کہ نذر کی قبولیت کیساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا یہ قصہ نقل فرما کر حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ کے بزرگوں کا یہی خیال تھا مگر میرے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے کہ باوجود اسقدر نازک مزاج ہونے کے اتنا صبر و تحمل فرمایا اور کچھ مضائقہ نہیں" جواب عطا فرمایا۔

<u>حکایت (۱۰)</u> مرزا جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کی لطافت طبع اور نفاست و نازک مزاجی کے بہتیرے قصے حضرت[1] ارشاد فرمایا کرتے تھے ایکدن فرمانے لگے کہ مرزا صاحب کی ایک شخص نے دعوت کی اور چونکہ وہ آپکی نازک مزاجی سے واقف تھا اسلیے گھر کو خوب صاف کیا' جھاڑو دی' کلی کرائی جب سب طرح اسکو ستھرا اور خوبصورت بنالیا تو مرزا صاحب کو بلایا مرزا صاحب تشریف لائے اور ایکطرف بیٹھ گئے جب کھانا سامنے آیا اور مرزا صاحب نے نظر اٹھائی تو سر ہاتھ سے پکڑ لیا

[1] یعنی مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ

اور فرمایا میاں وہ روڑا زمین سے کیسا اٹھا ہوا ہے جبتک یہ صاف نہ ہوگا مجھے کھانا نہ کھایا جائیگا" چنانچہ اسی وقت روڑا نکال کر زمین کو ہموار کیا تب مرزا صاحب نے نوالہ توڑا

حکایت (۱۱) بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھ کر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد اجازت حضوری ملنے پر زیارت کیلئے حاضر ہوا موسم گرما تھا باد شاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لیکر پانی پیو باد شاہ نے پانی پی لیا اور پیالہ گھڑے پر رکھدیا مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا دھرا ہوا تھا دیر تک ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا فرمایا' جناب آپ باد شاہت کیا کرتے ہونگے ابھی تک خدمتگاری تو آئی ہی نہیں دیکھو تو گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طور ہے اس کے بعد مرزا صاحب نے ترشی کیساتھ فرمایا آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیؤ

حکایت (۱۲) ایک رات مرزا صاحب کو سردی کیوجہ سے نیند کم آئی ایک بڑھیا خادمہ کو یہ حال معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کرنے لگی اجازت ہو تو رضائی بناؤں ؟ حضرت نے فرمایا بہت اچھا بعد نماز عشاء بڑھیا رضائی لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت رضائی حاضر ہے آپ اسوقت چارپائی پر لیٹ چکے تھے فرمایا مائی میں تو اب لیٹ رہا اٹھنا مشکل ہے تو ہی آکر میرے اوپر ڈالدے بڑھیا نے رضائی حضرت کو اڑھا دی چلی گئی صبح ہوئی تو مرزا صاحب نے خادم سے فرمایا غلام علی مجھے تو تمام رات نیند نہیں آئی دیکھو تو رضائی میں کوئی جوں تو نہیں ہے ؟ شاہ غلام علی صاحب نے خوب غور سے دیکھا ئی رضائی تھی جوں کا کہاں پتہ ۔ہاں جلدی میں نگندے ٹیڑھے پڑے تھے جب پرکار سے خط کھینچ کر درست کیے گئے تو مرزا صاحب کو آرام ملا۔

حکایت (۱۳) ایک روز ارشاد فرمایا کہ شاہ غلام علی مرزا صاحب کے خاص خادم تھے جب پنکھا کرنے کھڑے ہوتے تو بہت احتیاط رکھتے تھے مگر پھر بھی یہ حال تھا کہ جب ذرا سہج سہج پنکھا ہلتا تو حضرت فرماتے میاں تمہارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے ؟ اور جب ذرا تیز جھلتے تو فرماتے تو تو

مجھے اڑا دیگا آخر ایکروز شاہ غلام علی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت یوں بن پڑے نہ ڈوں بن پڑے حضرت مرزا صاحب کو غصہ آگیا اور جھڑک کر فرمایا ہمارا پنکھا چھوڑ دو" پھر شاہ غلام علی صاحب روئے اور خطا معاف کرا کر پنکھا جھلنے کی درخواست کی حضرت نے اجازت دیدی۔

حکایت (۱۴) ایک بار قاضی صاحب بلباس فاخرہ حاضر ہوئے ایک شیخ زادہ ہمراہ تھے شیخ صاحب کو پیاس معلوم ہوئی مرزا صاحب نے گھڑے سے پانی پینے کی اجازت مرحمت فرمائی شیخ جی نے پانی پی کر گلاس ڈھک دیا مرزا صاحب نے سر پکڑ لیا اور خود کھڑے ہو کر گلاس کو گھڑے پر درست کر کے رکھا اتفاق سے شیخ صاحب کا پاجامہ ایک طرف ڈھلا ہوا اور نیفہ کی چڑیا اپنی جگہ سے سرکی ہوئی تھی حضرت مرزا صاحب کی جو نظر پڑی تو پریشان ہو گئے اور قاضی صاحب سے فرمایا آپ کی ان شیخ صاحب کیساتھ کیونکر نبھتی ہو گی جنہیں پاجامہ پہننے کا بھی سلیقہ نہیں دونوں سرین ایک ہی پائجامہ میں ڈال لیے حضرت مرزا صاحب کے حجرہ سے باہر تشریف لانیکا جب وقت ہوتا تو پہلے سے شاہ غلام علی صاحب فرش کو صاف کر دیا کرتے تھے ایکدن مرزا صاحب جو حجرہ سے باہر تشریف لائے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ غلام علی تجھ کو اب تک تمیز نہ آئی دیکھ تو سہی وہ فرش پر تنکا پڑا ہوا ہے جلدی اٹھا۔

حکایت (۱۵) ایک مرتبہ کسی اور شخص نے بہت اہتمام سے لوز تیار کر کے نذر گذارے آپ نے رکھ لیے کوئی جواب نہ دیا دوسرے دن اس شخص نے دریافت کیا حضرت لوز پسند بھی آئے آپ خاموش ہو گئے پھر پوچھا پھر کچھ نہ فرمایا تیسری مرتبہ اس شخص نے پھر یہی سوال کیا اسوقت مرزا صاحب سے ضبط نہ ہو سکا فرمایا لوز تھے یا جوتے کا تلہ 'ہاتھ کی تین یا چار انگلیاں اٹھا کر فرمایا اتنے اتنے بڑے بھی لوز کہیں ہوتے ہونگے ایسے انوکھے لوز تو آپ تیار کر کے لائے اسپر طرہ یہ کہ داد بھی چاہتے ہیں میاں لوز بادام کو کہتے ہیں بادام ہی کی برابر ہونا چاہیے کہ آدمی کھانے کے بعد ایک دو منہ میں ڈال لے۔

حکایت (۱۶) پھر ایک مرتبہ کوئی شخص لوز تیار کر کے لائے تو آپ کو پسند آئے اگلے دن شام غلام علی صاحب کو بلا کر چند لوز عطا فرمائے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے مرزا صاحب نے غایت کلفت کیساتھ ہائے کی اور فرمایا میاں کاغذ لاؤ" اور اسمیں لو" شاہ صاحب جلدی سے کاغذ لائے مرزا صاحب نے اسمیں لوز رکھ دیے انہوں نے کاغذ کی پڑیہ باندھ لی پھر دوبارہ مرزا صاحب منقبض ہوئے اور سر ہاتھ سے تھام کر فرمایا غلام علی تو مجھے مار کر چھوڑیگا بندش کا بھی سلیقہ نہیں یہ لوز اسطرح بندھتے ہونگے ؟اس کے بعد خود لیکر سلیقہ کیساتھ ان کو لپیٹا اور ہر چہار گوشہ صاف ستھرے سیدھے سچے موڑ کر ان کے حوالے کئے اگلے دن دریافت فرمایا کہو غلام علی لوز کھائے انہوں نے کہا جی حضرت کھائے 'بڑے مزے کے تھے آپ نے فرمایا کتنے کھائے ؟عرض کیا حضرت سب کھالیے اتنا سنکر مرزا صاحب بے کیف ہوگئے اور تعجب سے فرمایا 'ایں سب کھالیے آدمی ہو یا ڈنگر ؟

حکایت (۱۷) حضرت مرزا صاحبؒ کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست و نزاکت طبع میں تھا ایک عورت تھی نہایت بد مزاج کج خلق اور منہ پھٹ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اسکی بد زبانی و ایذ دہی پر صبر کرو گے تو تم کو نواز لیا جائیگا حضرت نے فوراً پیام بھجدیا اور اس سے نکاح کر لیا وہ عورت اس درجہ تند خو بد خصلت سخت دل اور فحش گو تھی کہ الامان حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لیجاتے اور وہ سڑی سڑی سنانی شروع کرتی چپکے بیٹھے سنتے رہتے زبان سے اف نہ نکالتے 'اندر گھلتے آخر واپس تشریف لے آتے تھے آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہو تو انجام دیا جائے 'بموجب ارشاد خدام آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا پیغام پہنچا کر مزاج پرسی کرتا وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سناتی اور وہ وہ مغلظات بکتی تھی کہ سننے والے شرما جاتے تھے مگر مرزا صاحب کی خادم کو تاکید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں

گستاخی نہ ہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرمادیں سن لینا ایک روز کوئی ولایتی خادم اس خدمت پر مامور ہوا ہر چند اس کو تاکید تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بیچارہ ضبط نہ کر سکا جب دروازہ پر پہنچ کر حضرت کا سلام پہنچایا مزاج پرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا پیر بنا بیٹھا ہے اسے یوں کروں اور ووں کروں ہر چند کہ ولایتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک پیر کو گالیاں نہ سن سکا اور غصہ میں آکر کہا بس چپ رہ ورنہ گردن اڑادوں گا اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولا ہو گئی اب لگی ہونے تو تو میں میں غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہنچی تو گھبرا اٹھے اور جلدی سے ولایتی کو واپس بلا بھیجا اسکو بٹھایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا وہ گالیاں سنکر واپس آگیا حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا نہایت مشکور واحسانمند ہوں اسکے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اسکی شدائد اور سختیوں کو برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپ کا سب غیظ وغضب فرد ہو گیا تھا۔

حکایت (۱۸) مرزا صاحب کی نزاکت طبع کا یہ حال تھا کہ ایک شخص زیادہ کھانیوالا تھا اسکو لوگ اکول کہتے تھے مرزا صاحب کی خدمت میں جب حاضر ہوتا تو اسکی صورت دیکھ کر زیادہ کھانیکے تصور سے سر میں درد ہو جاتا اور کتنی کتنی دیر تک سر تھامے بیٹھے رہتے فرش کے نیچے کوئی سنگریزہ ہوتا اور بچھونا ابھرا رہتا اسپر اگر نظر پڑ جاتی تو بے چین اور متاذی ہو جاتے تھے۔

حکایت (۱۹) ایک شخص نے مرزا صاحب کے کھانے کو لوز تیار کر کے بھیجے اس بیچارے نے اپنی دانست میں اچھے ہی بھیجے تھے مگر مرزا صاحب نے دیکھا تو فرمایا کیسے لوز ہیں جیسے گھوڑے کے نعل ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ مرزا صاحب کسی کی خدمت اور کسی کا تحفہ پسند نہیں فرماتے تھے اس سے طالبین کی اصلاح منظور تھی یہی سبب ہے کہ شاہ غلام علی صاحب کی بہت اصلاح ہوئی تھی فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب میں عجز وانکسار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سید نے

شاہ صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا حضرت آپ مجھے اپنا خادم بنالیں شاہ صاحب گھبرا اٹھے اور فرمایا بابا بابا یہ لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالنا' تم فرزند علی ہو اور میں غلام علی ہوں"

(منقول از تذکرۃ الرشید حصہ دوم)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۲۰) خان صاحب نے فرمایا مجھ سے قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی اعلم علی صاحب مراد آبادی نے بیان فرمایا کہ میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق صاحب کا لقب ہے) فرماتے تھے ان العبد لیعمل بعمل اھل النار ثم یسبق علیه القدر فیعمل بعمل اھل الجنته ویدخل الجنة کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا واقعہ اسکا یہ ہے کہ نانا صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحب) کے دربار میں ایک پنڈت حاضر ہوا کرتے تھے جو کہ لڑکپن کے زمانہ سے ان کے دوست تھے ہم ان کو نانا کہا کرتے تھے ان کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح کو مدرسہ میں آتے اور کنویں پر نہاتے اور سورج پر جل چڑھاتے یہ بات ہمکو گراں تھی مگر ادب کیوجہ [1] سے ہم کچھ نہ کہہ سکتے اب نانا صاحب کا انتقال ہو گیا اور مدرسہ کا اہتمام ہمارے ہاتھ میں آیا اور ان کا پنڈت کا وہی معمول رہا مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ [2] سکے ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ کنویں پر سورج کی طرف منہ کیے اور ہاتھ میں لٹیا لیے سورج پر جل چڑھانے کے لیے کھڑا تھا مگر چڑھایا نہ تھا اتفاق سے میں پہنچ گیا میں نے اسوقت کے قاعدے سے اسے سلام ؎ کیا اس نے مجھے دعا دی اور کہا بیٹا یہاں آؤ میں گیا تو اس نے

[1] یعنی حضرت شاہ صاحب کے ادب کی وجہ سے ؎ یہ بھی اسی ادب حیات کا غلبہ تھا جس کا اثر بعد وفات بھی رہا اور اس کا ادراک اہل وجدان کو ہوتا ہے اور چونکہ اس فعل میں حضرت میاں صاحب کا کوئی دخل نہیں نہ نسبتاً نہ رضاءً اسلیے کوئی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا رہا یہ کہ نہی عن المنکر تو کر سکتے تھے سو یہ نہی توقع قبول کے وقت واجب ہوتی ہے ورنہ نہیں رہا استحباب سو عجب نہیں حضرت بڑے شاہ صاحب کے سکوت کو کسی حکمت پر اجمالاً محمول فرمالینا یہ مانع ہوا ہو ایتان مستحب ہے اور تعیین اس حکمت کی واقع کے اخیر جزو سے کہ اس پنڈت کا مسلمان ہو جانا ہے ہو سکتی ہے یعنی حضرت شاہ صاحب کو مکشوف ہو گیا ہو کہ اگر اس کے ساتھ سختی نہ کی جاوے تو ممکن ہے کہ اس نرمی سے اس کے قلب میں اسلام کی الفت پیدا ہو جاوے چنانچہ آخر وہ اس دولت سے مشرف ہوا [2] کافر کو سلام ضرورت یا معتد بہا مصلحت سے یا کسی حال محمود کے غلبہ سے جائز ہے اور احتمال ثالث پر وہ غلبہ حال ادب تھا حضرت شاہ صاحب کا

کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہماری تمہارے نانا سے بچپن کی دوستی ہے اور وہ دوستی ان کے انتقال کیوقت تک برابر قائم رہی اور آنا جانا اٹھنا بیٹھنا میل ملاپ بہت کچھ رہا مگر نہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم مسلمان ہو[1] جاؤ اور نہ مجھے کبھی اسکا خیال ہوا لیکن آج آپ ہی آپ میرا دل بے چین ہے اور بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں کیونکہ میں ہمیشہ سے سورج کی پرستش کر رہا ہوں لیکن آج مجھے خیال آیا کہ جب ہم چاہتے ہیں چلتے ہیں اور جب چاہتے ہیں آرام کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نہیں جاتے مگر سورج ہے کہ رات دن مارا مارا پھرتا ہے نہ وہ ایکدم کیلئے ٹھہر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی معینہ چال کیخلاف چل سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی زیادہ مجبور اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ہرگز قابل پرستش نہیں نیز معلوم ہوا کہ دین اسلام دین حق ہے بس بیٹا تم مجھے مسلمان کر لو گو میں اسلام کی باتیں جانتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ پر اسلام لاؤں تاکہ تم میرے اسلام کے گواہ رہو میں نے کہا آپ کو ختنہ[2] کرانی پڑے گی اس نے کہا جو کچھ تم کہو گے میں سب کچھ کرونگا الحاصل میں نے اسے مسلمان کیا اور اس کی ختنہ کرائیں اس نے یہ بھی کہا کہ میرے بیٹا بیٹی نہیں ہاں پوتے نواسے ہیں مگر جب میں مسلمان ہو جاؤنگا وہ سب میرے مخالف ہو جائینگے اسلیے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے یہاں رہنے کیلئے جگہ دیدو کھانے پینے کیلئے میرے پاس بہت کچھ ہے میں نے کہا کہ اگر آپ کا جی چاہے تو مال بھی اپنے پوتوں وغیرہ ہی کو دیجیے میں آپکی اپنے نانا کی طرح خدمت کروں گا الغرض میں نے ان کو رہنے کیلئے جگہ دی اور ان کی خدمت کرتا رہا وہ چالیس روز زندہ رہے اور اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

---

[1] مکشوف ہوا ہو گا کہ اس کے اسلام کا فلاں وقت معین ہے اب اس سے پہلے توقع قبول نہ تھی اور عدم توقع کے وقت امر بالمعروف کا ضروری ہونا بھی مذکور ہوا ہے۔

[2] یہ بطور شرط اسلام کے نہیں فرمایابلکہ حکم اسلام کے طور پر فرمایا یعنی اگر کوئی اس عمل پر آمادہ نہ ہو اسلام کی تو اس کو بھی تلقین کر دی جاوے گی لیکن اسلام کا یہ حکم پھر بھی بتلایا جاوے گا۔ اور بالغ کے بدن کو ختنہ کی ضرورت سے دیکھنا اس میں گو اختلاف ہے مگر فقہاء نے اس کے جواز کو بھی راجح کہا ہے (اشرف علی)

حکایت (۲۱) خانصاحب نے فرمایا کہ لوگ شاہ عبدالعزیز صاحب کو متساہل[1] کہتے ہیں مگر یہ لوگ ان مشکلات سے واقف نہیں ہیں جو شاہ صاحب کے سامنے تھیں شاہ صاحب کا زمانہ ایک نہایت سخت فتنہ کا زمانہ تھا جس میں اظہار حق نہایت دشوار تھا اسلیے شاہ صاحب ترویج دین نہایت حزم و تدبیر کیساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے احتراز فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے جتنے بزرگوں کو دیکھا ہے وہ سب جتنے شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقد تھے اسقدر نہ مولوی اسمعیل صاحب کے معتقد تھے اور نہ کسی اور کے حالانکہ ان حضرات نے نہایت آزادی اور جانفروشی کیساتھ دین کو رائج کیا ہے وجہ اسکی یہ تھی کہ شاہ صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ دین سے بالکل آشنا نہ تھے ایسے لوگوں کو راہ پر لگانا سخت دشوار تھا اور شاہ صاحب نے ان کو راہ پر لگایا یہ دلیل ہے ان کے کمال عقل اور حکیم کامل ہونیکی اور جن لوگوں سے مولوی اسمعیل صاحب وغیرہ کو واسطہ پڑا ہے یہ وہ لوگ تھے جو یا تو راہ راست پر آچکے تھے یا کم از کم دین سے بہت زیادہ بعد نہ رہا تھا اب میں اس زمانہ کے حالات دکھلاتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ زمانہ کسقدر سخت فتنہ کا تھا اور اسمیں اظہار حق کتنا مشکل تھا اس زمانہ میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا چنانچہ دہلی میں نجف علیخاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں اور مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کو شہید کرا دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکالدیا تھا اور یہ ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے اسکے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ

---

[1] اس حکایت میں تو کوئی بات موہم تساہل مذکور نہیں بعض قصے جو اس طرز کے مشہور ہیں اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کا استعمال دفع مضرت دنیویہ کے لیے ہو یا مخاطب کے لیے جلب مصلحت دینیہ کے لیے ہو تو محمود ہے اور اگر اپنے جلب منفعت دنیویہ مالیہ یا جاہیہ کے لیے ہو تو مذموم ہے خوب سمجھ لو اس میں اکثر دھوکہ ہو جاتا ہے گاہے بزرگوں پر بدگمانی کا گاہے اپنے پر تقلید بزرگان کی نیک گمانی کا۔ (اشرف علی)

ملی تھی اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنو چلے گئے تھے اور شاہ عبد العزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ نہ ان دونوں کو سوار ہونیکا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے اور دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ پر اور شہزادوں' شہزادیوں پر اور عوام پر تھا اور اس وجہ سے ان کی جرأت اور گستاخی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ علماء کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ او مسجد کے مینڈھے کچھ دلوا ہم رنڈی رکھیں گے شراب پئیں گے بھنگ پئیں گے علماء کو مجبوراً دینا پڑتا تھا حتی کہ شاہ عبد القادر صاحب بھی دیتے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ میانصاحب لو کھانا کھالینا لیکن شاہ عبد الغریز صاحب نے کبھی کسی کو نہیں دیا اور ہمیشہ لطائف الحیل سے پیچھا چھڑایا چنانچہ اس پر ایک قصہ سناتا ہوں یہ قصہ میں نے مولوی عبد القیوم صاحب' مولانا گنگوہی صاحب اور دوسرے بہت سے اشخاص سے سنا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ قطب صاحب کا ایک مجاور دہلی میں آیا اور علماء کے پاس گیا وہ جس عالم کے پاس جاتا اس سے یہ کہتا کہ مجھ سے قطب صاحب نے فرمایا ہے کہ تم فلاں کے پاس جاؤ اور ان کو ایک ٹکہ دو اور کلاوہ انکے سر پر باندھ آؤ لہذا میں تعمیل حکم کیلئے آیا ہوں اور یہ کہہ وہ ٹکہ پیش کرتا اور کلاوہ باندھ دیتا اور کچھ نذرانہ لیکر چلتا ہوتا یہ شخص شاہ صاحب کے پاس بھی آیا اور آکر ان سے بھی یہی کہا مگر شاہ صاحب نے حکمت عملی سے کام لیا اور فرمایا کہ کہدو اسوقت مجھے وضو نہیں ہے اس نے وہ کلاوہ اور ٹکہ رکھدیا اور منتظر ہوا کہ شاہ صاحب کچھ دینگے مگر شاہ صاحب نے کچھ نہ دیا جب اس نے دیکھا کہ یہ کچھ نہیں دیتے تو اس نے کہا کہ حضرت مجھے کچھ تبرک ملجاوے شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ قطب صاحب کے فرستادہ تھے آپ نے تعمیل حکم کر دی جب قطب صاحب مجھے حکم دینگے میں بھی خدمت میں پیش کردونگا وہ مجبوراً رخصت ہو گیا اب ایک اور قصہ سنئے اس زمانہ میں ایک صاحب مولوی نصیر الدین صاحب تھے جو مدنی الاصل قوم

کے سید اور شاہ صاحب کے شاگرد تھے یہ صاحب خانم کے بازار میں رہتے تھے اور نہایت خوش بیان اور ذہین عالم تھے ایک مرتبہ صاحب اور شاہ صاحب چاندنی چوک گئے شاہ صاحب چونکہ نابینا تھے اسلیے انکے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہاں پہنچ کر شاہ صاحب کو معلوم ہوا ایک شور مچ رہا ہے انہوں نے مولوی نصیر الدین صاحب نے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ کیا شور ہے۔ وہ گئے اور واپس آکر شاہ صاحب سے کہدیا کہ حضرت کوئی بات نہیں یونہی بے ہودہ شور ہے شاہ صاحب نے فرمایا کہ علم شے بہ از جہل شے تم جاکر اس شور کا اصل منشاء معلوم کرو جب شاہ صاحب نے اصرار فرمایا تو انہوں نے مجبوراً عرض کیا کہ حضرت ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے عضو تناسل کو تانے ہوئے اور اس میں ڈورا باندھے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ نعوذباللہ یہ الف ہے اللہ کا شاہ صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اور اسکی کمر میں اتنی زور سے لات مارو کہ وہ گر پڑے اور کہو 'او بے وحدت خود منڈے کیا بکتا ہے (خود منڈے 'بے پیرے 'خودرو) الف خالی ہوتا ہے اور اسکے نیچے دو نقطے ہیں چنانچہ مولوی نصیر الدین صاحب نے ایسا ہی کیا اور اسکا اثر یہ ہوا کہ اس فقیر کے پیچھے تالی بج گئی اور وہ نہایت خفیف ہو کر چلدیا غرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست دی ہے ایک اور قصہ سنو اس زمانہ میں بد دین صوفیوں کا ایک فرقہ امام شاہی تھا جو چار ابرو کا صفایا کرتا تھا اور بے ہودہ باتیں کیا کرتا تھا اس فرقہ کا موجد ایک شخص امام شاہ تھا یہ فرقہ شکار پور سے نکلا تھا چونکہ امام شاہ کی قبر ایک باغیچہ میں تھی اسلیے اسکے سلسلہ والے اپنا نام باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے اور کسی کا نام گلاب شاہ تھا کسی کا چنبیلی شاہ 'کسی کا بہار شاہ وغیرہ وغیرہ۔ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت ہوئی تو فوجیوں کی بہت قدر تھی اور رسالداروں وغیرہ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور اختیارات بھی وسیع ہوتے تھے اس زمانہ میں ایک شخص نسیم خاں نام شاہجہانپور کے رہنے والے تھے جو بہت خوبصورت اور تنومند تھے اور شاعر بھی تھے چنانچہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں یہ نسیم خاں انگریزی فوج میں رسالدار تھے اور رخصت لے کر شاہجہانپور جارہے تھے راستہ میں شکار پور میں قیام کیا جس سرائے میں یہ مقیم تھے اس کے سامنے

ایک باغ تھا جس میں امام شاہ مدفون تھا اتفاق سے نسیم خاں ٹہلنے کو نکلے اور اس باغ میں پہنچ گئے اس باغ میں ایک مکان تھا جس میں امام شاہ کا سجادہ نشین رہتا تھا اور اس مکان کو اس زمانہ کے محاورہ کے مطابق منذف (بمعنی کٹی) کہا جاتا تھا اس زمانہ میں جو سجادہ نشین اس مکان میں رہتا تھا اس کا نام گلزار شاہ تھا نسیم خاں ٹہلتے ٹہلتے جب اس مکان کے قریب پہنچے تو گلزار شاہ کو ان کے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور اس نے اندر سے آواز دی 'کون؟ چونکہ ان کا نام نسیم خاں تھا اور اس زمانہ میں یہ عادت تھی کہ اپنا پورا نام نہ لیتے تھے اسلیے انہوں نے جواب دیا کہ 'نسیم! گلزار شاہ نے اندر سے کہا' نسیم ہے تو گلزار سے نہ جائیگی یہ سنتے ہی نسیم خاں پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ گلزار شاہ کے مرید ہو گئے اور چار ابرو کا صفایا کر کے فقیری اختیار کر لی اور اپنے ہمراہیوں کو بلا کر انسے کہہ دیا کہ یہ جس قدر ساز و سامان ہے اس کا تم کو اختیار ہے چاہے تم میرے گھر دے دینا اور چاہے خود رکھ لینا مجھے اب نہ گھر بار سے کوئی تعلق ہے اور نہ تم سے کچھ سروکار، تم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ میں تو یہاں رہونگا اور بیوی کو طلاق لکھ کر اس پر گواہیاں کرا کر ان کے حوالہ کر دی اور یہ کہ دیا کہ یہ طلاق نامہ میری بیوی کے پاس پہنچا دینا الغرض ان کے ہمراہی روانہ ہو گئے اور وہ گلزار شاہ کے پاس رہ پڑے گلزار شاہ کا یہ تصرف چونکہ ایک عجیب تصرف تھا اسلیے عوام پر اس کا بہت اثر ہوا اور امام شاہی سلسلہ کو بہت ترقی ہوگئی تھوڑے دنوں بعد گلزار شاہ کا انتقال ہو گیا اور اسکی جگہ نسیم خاں سجادہ نشین ہو گئے اور ان کی طرف بہت کچھ رجوعات ہوئی کچھ زمانہ کے بعد انہوں نے سیر کی غرض سے دلی کا سفر کیا اور دلی پہنچ کر شاہ صاحب کی خدمت میں بھی پہنچے مخلوقات کی رجوعات سے نسیم خاں کا دماغ آسمان پر پہنچ چکا تھا اس لیے انہوں نے شاہ صاحب کی کوئی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ آزادانہ ان کے پاس گئے اور جا کر اپنے محاورہ کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ شاہ صاحب شریعت کی قید میں کب تک رہو گے نکلو اس قید سے اور چھوڑ دو شریعت کو شاہ صاحب نے نہایت اخلاق سے فرمایا آیئے شاہ صاحب تشریف لایئے اور اپنے پاس بٹھالیا اور بہت دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے اسکے بعد باتوں میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ میانصاحب آپنے قرآن بھی

پڑھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اسکے بعد پوچھا کچھ فارسی بھی پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں پھر پوچھا کچھ عربی بھی پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میر قطبی تک پڑھی ہے اسکے بعد پوچھا کچھ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے؟ کہا جی ہاں پھر پوچھا فنون سپاہ گری بھی سیکھے ہیں انہوں نے کہا جی ہاں پھکیتی بکیتی اور تیر اندازی وغیرہ سب سیکھے ہیں۔ پھر پوچھا پہلے آپ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا فوج میں رسالدار تھا پھر پوچھا کہ قرآن کتنے زمانہ میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانہ میں اور عربی کتنے زمانہ میں اور فنون سپاہ گری کتنے عرصہ میں سیکھے اور ملازمت کتنا زمانہ کی اس نے ان تمام باتوں کا بھی جواب دیا پھر پوچھا کہا اس سلسلہ میں کب سے داخل ہوئے اس نے اسکا بھی جواب دیا جب شاہ صاحب نے ان تمام باتونکا اقرار لے لیا تو للکار کر فرمایا کہ فقیر سنبھل کر بیٹھ اور سن، تو نو مہینے تو ماں کے پیٹ کی قید میں رہا اوس سے باختیار خود نہ نکل سکا اور اتنے دنوں تو ماں کے پستانوں کی قید میں رہا اور اس سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تک تو انگلی پکڑنیکی قید میں رہا اور اتنے دن موہنڈوں کی قید میں رہا اور اتنے دن تو قرآن کی قید میں رہا استاد نے تھپڑ بھی لگائے ہونگے قمچیاں بھی لگائی ہونگی مگر تو اس قید سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تو فارسی کی قید میں رہا اور اتنے دن عربی کی قید میں رہا اور اتنے دن تو کشتی کی قید میں رہا اور اتنے دن پھکیتی کی قید میں رہا اتنے دن بکیتی کی قید میں رہا اتنے دن سواری کی قید میں رہا اتنے دن تیر اندازی کی قید میں رہا اتنے دن انگریزوں کی قید میں رہا اور اب چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے پھر تو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے الحاصل اس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو تو چار ابرو کی صفائی کی قید میں ہے اور ہم شریعت کی قید میں ہیں مگر یاد رہے کہ تمہاری قید کچی چاندی ہے تم اسکی قیمت مانگو گے تو اسکو پتا یا جائیگا اور بغیر پتائے کوئی نہ لیگا اور ہماری قید پر سکہ شاہی لگا ہوا ہے جہاں چاہینگے بھنا لینگے وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اٹھ کر چلا گیا اس قسم کے اور قصے بہت ہیں جن سے اس زمانہ کی حالت معلوم ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس زمانہ میں کتنی ہوشیاری سے دین کو سنبھالا ہے۔

حکایت (۲۲) خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس قصہ کو بہت لوگوں سے سنا ہے لیکن کسی نے خواب دیکھنے والے کا نام نہیں لیا مگر جب میں نے مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے اسکو بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ خواب مولوی فضل امام صاحب کا تھا مولوی فضل امام صاحب نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم میرے مکان میں تشریف لائے ہیں اور مکان کے فلاں کمرے میں بیٹھے ہیں اسکی تعبیر میں [1] شاہ عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ تم فوراً جا کر اپنا تمام سامان اس کمرہ سے نکال لو اور اسکو بالکل خالی کر دو انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد وہ کمرہ فوراً گر گیا (جس سے تعبیر کا صحیح ہونا معلوم ہو گیا) مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خواب کی یہ تعبیر کیونکر ہوئی کیونکہ ہزاروں لوگ جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا آپ نے فرمایا کہ اسوقت بے اختیار یہ آیت ذہن میں آگئی تھی ان الملوك اذادخلوا قرية افسدوها۔

حکایت (۲۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ میرے پھوپھا کا انتقال اکیسو پانچ برس کی عمر میں ہوا ہے اور بتیس برس کی عمر میں انہوں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک کشتی بالکل پاخانہ سے بھری ہے اور اس کشتی کے کنارے پر میں کھڑا ہوں اور اپنے پاؤں کی حرکت سے اس کشتی کو کنارے کی طرف لیجا رہا ہوں مگر اپنے جسم اور کپڑوں کو نہایت احتیاط کیساتھ اس پاخانہ سے بچاتا ہوں اور بہت کچھ بچ گیا ہوں مگر کسی قدر پاخانہ پاؤں میں لگ گیا ہے جب کشتی کنارہ پر آگئی تو میں اس سے کود گیا اس خواب کو انہوں نے شاہ عبد الغیریز صاحب کی خدمت میں بیان کیا شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم بہت جلد

---

[1] میں نے کسی ثقہ سے یہی نام سنا ہے مگر راوی یاد نہیں ہے میں نے ان راوی سے یہ بھی سنا ہے کہ انہوں نے مولوی فضل حق صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں تعبیر پوچھنے بھیجا تھا **[2]** عجب نہیں شاہانہ لباس میں زیارت ہونا بیان کیا ہو اس پر یہ آیت ذہن میں آئی اور عام طور سے جو زیارت ہوئی ہے تو لباس انبیاء میں اور ہر تعبیر کا اطراد ضروری نہیں اس میں خصوصیات مقام کو دخل ہوتا ہے۔ غالباً یہ تعبیر اس پر مبنی ہے کہ دنیا کی صورت مثالیہ یہ ہے اور اس سے دنیائے مباحہ کا حرام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ پاخانہ سے ہر قسم کا **انتفاع** تو حرام نہیں ہے مثلاً کھیت ہی میں ڈالنا اس کا جائز ہے اسی طرح دنیائے مباحہ کے بھی قیود ہیں اور اصل اور مثال میں اتنا تناسب کافی ہے جو کہ بنا ہوتی ہے تعبیر کی۔ (اشرف علی)

کسی اچھی ریاست میں نوکر ہو جاؤ گے اور اسکا پورا انتظام تمہارے متعلق ہو گا چنانچہ اسی سال پھوپھا صاحب مالا گڈھ کی ریاست میں نواب ولی داد خاں کے یہاں ملازم ہو گئے اور تابغدر ملازم رہے اور نہایت دیانت کیساتھ کام کیا یہ واقعہ خود میرے پھوپھا نے مجھ سے بیان کیا ہے۔

حکایت (۲۴) خان صاحب نے فرمایا کہ پھوپھا صاحب نے مذکورہ بالا اپنا خواب بیان کر کے فرمایا کہ ایک شخص اکثر یہ خواب دیکھتا تھا کہ میرے گھر میں چھپکلیاں لڑتی ہیں۔ اس خواب کو اس نے شاہ صاحب سے بیان کیا شاہ صاحب نے اس خواب کو سنکر فرمایا کہ تیری بیوی موئے زہار[1] قینچی سے کترتی ہے اس نے آکر بیوی سے دریافت کیا بیوی نے تصدیق کی[2]

حکایت (۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب کے صاحبزادے مولوی یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حکماء کے ہاتھ میں آگئی ہے ان کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے یہ روایت میں نے مولوی یوسف سے بلاواسطہ بھی سنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خاں صاحب مرادآبادی سے بھی سنی ہے۔

حکایت (۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ چار شخص شاہ صاحب کے خاندان میں بہت سخی تھے ایک شاہ رفیع الدین صاحب انکی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ان کا کیسہ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا یہ مکان سے باہر چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے اور اسپر فرش نہ ہوتا تھا صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دیدیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے سارے محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سودا خریدنے گئے چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے اسلیے اول انہوں نے سودے رومال میں باندھے جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کرتے میں رکھے جب اسمیں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہ گیا تو اسے ٹوپی

---

[1] مناسبت ظاہر ہے اور اس میں اس فعل کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

[2] اس پیشین گوئی مبنی کرامت و فراست دونوں ہو سکتے ہیں انفرادا یا اجتماعا (اشرف علی)

میں لے لیا میں نے عرض کیا کہ حضرت ڈال مجھے دیدیجئے اور ٹوپی خالی کر کے اوڑھ لیجئے تو آپنے فرمایا نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیے دوسرے سخی مولانا شاہ اسحٰق صاحب تھے جب یہ اجمیر پہنچے اور مجاور انکے پیچھے لگے تو آپنے فرمایا اسوقت تم ہمارے پاس نہ آؤ ہم پہلے زیارت کر لیں جب زیارت کر کے اپنی قیامگاہ پر پہنچیں ہمارے پاس آنا مجاوروں نے ایسا ہی کیا اور آپکی قیامگاہ پر پہنچے اسوقت آپنے مجاوروں کو بلا گنے ہوئے اور لپیں بھر بھر کے روپے دیے یہ دیکھ کر مجاوروں نے کہا کہ ان کو کون وہابی کہتا ہے ایسا تو اب تک کوئی بھی نہیں آیا صرف فلاں بیگم آئی تھی سو اس نے بھی اتنا نہیں دیا تھا یہ تو انکا اپنے ذاتی روپے کیساتھ برتاؤ تھا اور اگر کوئی درخواست کرتا کہ حضرت فلاں شخص سے میری سفارش کر دیجئے تو آپ بے تکلف سفارش کرتے تھے چنانچہ فرخ آباد والے نواب کو ایک سال میں ایک ہزار سفارشی خط لکھے اور اس نے ہر خط کی تعمیل کی۔ آخر مجبور ہو کہ عرض کیا کہ حضرت کے سفارشی والا نامے اس سال ایک ہزار پہنچے ہیں اسپر آپنے فرمایا کہ واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی مگر میں سفارش کے بغیر رہ نہیں سکتا تم میری تحریروں پر عمل نہ کیا کرو مولانا گنگوہیؒ نے یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ اپنی اپنی طبیعت ہے چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب کی طبیعت اس کے خلاف تھی اور وہ کبھی کسی کو سفارشی خط نہ لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسمیں دو تکلیفیں ہوتی ہیں اگر سفارش نہ کیجاوے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے جو خواہانٔ سفارش ہے اور سفارش کیجاوے تو اسکو تکلیف ہوتی ہے جس سے سفارش کیجاتی ہے لیکن چونکہ طالب سفارش کی تکلیف کا منشا خود اسکی طلب ہے اور جس سے سفارش کیجاتی ہے اسکی تکلیف محض بلاوجہ اسلیے میں طالب سفارش کی تکلیف کو اسکی تکلیف پر ترجیح دیتا ہوں جس سے سفارش کی جاوے اور یہ بیان فرما کر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ میرا مذاق بھی وہی ہے جو مولانا محمد یعقوب صاحب کا تھا اور میں بھی سفارش نہیں کرتا[1] تیسرے سخی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید تھے مگر انمیں بہ نسبت شاہ

[1] احقر بھی اسی مذاق کا متبع ہے یعنی بشاشت سے سفارش نہیں کرتا۔ کیونکہ جو سفارش مسنون ہے وہ اس وقت نہیں رہی جبر و کراہت رہ گئی جو کہ ناجائز ہے (اشرف علی)

محمد اسحاق صاحب کے کچھ انتظامی شان تھی چوتھے سخی مولانا اسمعیل صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد عمر صاحب تھے یہ پورے کھوج کھوؤ اور گھر کھوؤ تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ٹوپی مانگتا تو ٹوپی دیدیتے اسکے بعد یہ کہتے کہ لو یہ عمامہ بھی لیجاؤ' پھر کہتے کہ اچھا یہ کرتہ بھی لیلو حتی کہ پاجامہ بھی دیدیتے تھے۔

حکایت (۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا تحفہ لکھنؤ پہنچا ہے تو لکھنو کے نواب نے جو اسوقت برسر حکومت تھا مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ اسکا جواب لکھا جاوے مجتہدین میں سے دلدار علیخاں نے جواب کا بیڑا اٹھایا لیکن تحفہ کی زبان چونکہ بینظیر تھی اسلیے مرزا قتیل سے درخواست کی گئی کہ مضامین قبلہ وکعبہ لکھیں اور آپ اپنی عبارت میں ادا کردیں تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہو جاوے مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں اور اسکی تائید میں اس نے بیان کیا کہ دلی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی ہے اور میں نے نہایت دماغ سوزی سے اور اپنی پوری قابلیت صرف کرکے اسے ایک خط لکھا تھا وہ رنڈی خط کو دلی کے تمام لائق فائق لوگونکے پاس لے گئی اور درخواست کی کہ اسکا جواب لکھدیا جاوے مگر اس کے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا مجبور ہو کر وہ اس خط کو شاہ صاحب کے خدمت میں لے گئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں حضور اسکا جواب لکھدیں شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فی البدیہہ اسکا جواب لکھوادیا[1] وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اسکا جواب لکھوں مگر ابتک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہو سکا اب آپ غور فرمالیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کسطرح دے سکتا ہوں جب قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ وکعبہ نے خود ہی جواب لکھا اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے

[1] اگر کسی کو وسوسہ ہو کہ ظاہر افسق ہی کا علاقہ تھا تو اس کی تقویت واعانت کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قاتلہ اور قتیل دونوں اس قابل نہ رہے ہوں صرف اظہار لیاقت ہی کے لیے مکاتبت ہوئی ہو تو معین پر بدگمانی کا کچھ حق نہیں۔

الحذر از ظن خطائے بدگمان ان بعض الظن اثم راخواں (اشرف علی)

سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ بتلایئے کیسا جواب ہے مرزا قتیل نے اسکو دیکھ کر کہا کہ ''اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمایئے مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ وکعبہ سے تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ وکعبہ تحفہ کا جواب تلوار سے دیتے ہیں (مرزا قتیل کے اس اعتراض کا منشاء یہ تھا کہ قبلہ وکعبہ نے اپنی کتاب کا نام ذوالفقار رکھا تھا) اسکے بعد قبلہ وکعبہ نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ فرمایئے'' قتیل نے کہا کہ حضور! کہاں جائس کا جولاہا اور کہاں دلی کی سیڑھیوں کا بیٹھا ہوا شہدہ۔ (یہ قتیل نے اس لئے کہا کہ قبلہ وکعبہ جائس کے تھے اور جائس کے جولاہے حضور ہیں۔)

حکایت (۲۸) خاں صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے درمیان جناب رسول اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تھا شاہ عبدالعزیز صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو خواہ کسی شکل میں دیکھے اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا اور شاہ رفیع الدین صاحب یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپکی واقعی تھی اگر اسمیں بال برابر بھی تفاوت ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا مثلاً اگر آپ کے بیس بال سفید تھے اور دیکھنے والے نے اکیس دیکھے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور اسکی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہ کے زمانہ میں کوئی شخص جناب ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو صحابہ اس سے حلیہ دریافت کرتے[1] اور بغیر اسکے تصدیق نہ کرتے اور اس بارہ میں دونوں بھائیوں میں تحریریں ہوئی ہیں لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوئی بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اسکا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب بالکل خاموش سنتے

[1] اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ خاص ان صحابہ کا یہی مسلک ہو گا سب سے ایسا سوال منقول نہیں یا اس زمانہ کی استعداد کا یہی مقتضا کہ تمثل بعید ہو تا ہو تو اس سے ضعیف الاستعداد کے لیے تمثل بعید کا بطلان لازم نہیں آتا۔

رہتے تھے اور اصلاً نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہیں ایک دفعہ دونوں بیٹھ کر زبانی گفتگو کیوں نہیں کر لیتے تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاؤں کا جواب نہیں اگر شاہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اسکا جواب نہیں ہے یہ فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنیکی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس سے سنی ہے) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب کا اس مسئلہ میں ایک تیسرا مسلک تھا وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر دیکھنے والے نے آپکو اس زمانہ کے اتقیاء کی وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور اگر اس وضع کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حکایت (۲۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایک مرتبہ تشریف لیجاتے، آپ کے متعلقین بھی آپ کیساتھ جاتے اور وہاں جاکر فاتحہ پڑھتے فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرمادیتے مگر شاہ اسحاق صاحب بھی آپ کے ہمراہ جاتے لیکن جسوقت فاتحہ پڑھ لیتے تھے تو شاہ صاحب شاہ اسحاق صاحب سے فرماتے کہ میاں اسحاق بیٹھو گے یا جاؤ گے اس پر شاہ صاحب فرماتے کہ حضور جاؤں گا، اور یہ کہہ کر واپس تشریف لے آتے یہ کبھی جلسہ میں شریک نہیں ہوئے [1] اور نہ شاہ صاحب نے ان کے عدم شرکت پر ان سے کبھی کچھ تعرض فرمایا۔

حکایت (۳۰) خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ایک مرتبہ کھانا کھانے کے لئے زنانہ مکان میں تشریف لے گئے تھے اور

---

[1] اختلاف مسلک اسی اختلاف نظر سے تھا جو حکایات سابقہ کے حاشیہ میں مذکور ہوا اور شاگرد و استاد دونوں کا کس درجہ انصاد و حسن ظن ثابت ہوتا ہے۔ (اشرف علی)

کچھ لوگ آپ کے انتظار میں مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے عبدالوہاب نجدی کا ذکر چھڑ گیا ان میں سے دو آدمیوں میں اس کے متعلق مناظرہ ہونے لگا ایک نے عبدالوہاب کی مذمت اور تفسیق و تکفیر شروع کی دوسرے نے اسکی تعریف و تحسین اور خوب گفتگو ہوئی ان میں سے ایک مذمت کرنیوالے نے یہ بھی کہا کہ عبدالوہاب بد دین تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن قیم مردودوں اور بد دینوں کے دین کو چمکانا چاہا اتنے میں اتفاق سے شاہ صاحب بھی مکان سے تشریف لے آئے شاہ صاحب ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس شخص نے جو عبدالوہاب کا مخالف تھا شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت میں تو کہتا ہوں کہ عبدالوہاب کافر تھا اور ایسا تھا ویسا تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے بد دینوں کے دین کو رواج دینا چاہا شاہ صاحب نے اسکے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی منہ پر انگلی رکھی اور فرمایا ہاہا اور دیر تک ایسا ہی کیا (مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہایت نہایت بری ہے تم ایسا نہ کہو) اسکے بعد بیٹھ کر فرمایا کہ عبدالوہاب بھی نہایت سچا اور پکا مسلمان اور متبع سنت تھا مگر بد عقل اور ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے مگر بشر تھے ان سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بنا پر ان کو برا بھلا کہنا ہرگز نہیں چاہیے اسکے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعال طواف تھی اور اس حالت میں آپکی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگیناں کیں اور نہ پیشاب کیا پس حرمت مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصود تعلیم بھی حاصل ہو گیا عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گیا اور اسنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا جس سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی سو گو یہ اسکی غلطی تھی، مگر اسکا منشاء اتباع سنت تھا[1] اس لیے اس کو برا کہنا نہ چاہیے۔

(منقول از امیر الروایات)

---

[1] یہی فرق ہے اہل صورت وہال معانی ہیں کہ وہ افعال کو دیکھتے ہیں اور یہ افعال کے مناشی کو اسلیے کبھی ایسے امر پر مواخذہ کرتے ہیں جو ظاہراً موجب مواخذہ نہیں ہوتا اور کبھی ایسے امر پر تسامح کرتے ہیں جو ظاہر قابل تسامح نہیں ہوتا

(اشرف علی)

حکایت (۳۱) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ایک جہاز ران انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو ہر فن میں دخل ہے جہاز رانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے؟ شاہ صاحب نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کیے تو وہ اسکو بھی یاد نہ تھے اسکو حیرت ہو گئی پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی اسمیں سے ہی کچھ یاد ہو گیا ہو گا۔

حکایت (۳۲) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس دو قوال آئے ان میں کسی راگنی میں اختلاف تھا اور شاہ صاحب کو حکم بنایا دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ' اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے انکو بڑا تعجب ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستہ میں ایک ڈوم نے بالاخانہ کرایہ پر لے رکھا تھا ہم آتے جاتے سنا کرتے تھے اسی سے ہم نے کچھ معلوم کیا تھا جو ہمیں یاد ہے۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ کسولوی

حکایت (۳۳) ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحب نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ' کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کون مذہب آپکے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا کوئی بھی نہیں پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا اسکی بابت بھی وہی ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں جب اس خواب کی خبر مرزا جانان جان رحمتہ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اسکے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر المومنین کے موافق نہ ہو؟ شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ خواب رویائے صالحہ ہے اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپکے مذہب کے مطابق نہیں ہے اس لیے کہ ہر ایک مذہب مذاہب صحابہ کا مجموعہ ہے کوئی مسئلہ حضرت صدیق کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علی کے اور کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور یہی حال سلاسل مشائخ کا ہے۔ (منقول از تذکرہ الرشید)

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کی حکایات

حکایت (۳۴) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو میں اسوقت لکھوانا چاہتا ہوں میں نے صدہا آدمیوں سے سنی ہے اور اسکے آخر میں مولوی محمود الحسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اسکو بھی آخر میں لکھواؤنگا اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونیوالا ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحب اول روز تراویح میں ایک سیپارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا چاند ہونیوالا ہوتا تو اول روز دو سیپارے پڑھتے چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا اسلیے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں اگر آدمی آکر یہ کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا یہ دوسری بات ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونیکی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں [1] اس میں مولوی محمود الحسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلی میں اسقدر مشہور ہو گئی تھی کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہو گئے تھے مثلاً اگر شاہ عبدالقادر صاحب پہلے روز دو سیپارے سناتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب کے عید کا چاند انتیس کا ہوگا اور درزی دھوبی وغیرہ انتیس رمضان تک کپڑوں کی تیاری کیلئے کوشش کرتے تھے اور انتیس کو حتی الامکان کام پورا کر دیتے تھے 'اور اگر اول روز ایک سیپارہ سناتے تو سمجھ لیتے کہ چاند تیس کا ہوگا اور تیس تاریخ تک تیاری کا اہتمام فرماتے۔

حکایت (۳۵) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ بات بھی میں نے صدہا لوگوں سے سنی ہے اور اپنے سب بزرگوں سے بھی سنی ہے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری اور مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے بھی سنی ہے کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جس روز خود کتاب لیکر جاتے اس روز شاہ عبدلقادر صاحب سبق پڑھاتے تھے اور

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کسی کشف کا واقعیت سے کبھی مخالف نہ ہونا بھی کاملین کے نزدیک شرع کے مقابلہ میں حجت نہیں (اشرف علی)

جس روز کتاب خدمت گار کے ہاتھ لوا کر لاتے اس روز سبق نہ پڑھاتے۔[1]

حکایت (۳۶) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی بیان فرماتے تھے 'میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر صاحب کو اور فلاں بزرگ کو دیکھا ہے اسوقت سے میں اس سلسلہ کا معتقد ہو گیا کیوں کہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے[2] (خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے ان دوسرے بزرگ کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے وہ نام یاد نہیں رہا) مولوی فیض الحسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادر صاحب سے کرامات کا اس زور شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خزاں کے زمانہ میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہوں۔

حکایت (۳۷) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے صدہا سے سنی ہے مگر خاص یہ بات میں نے مولانا نانوتوی سے سنی ہے وہ فرماتے تھے کہ اس خاندان کے دو غبی ہیں ایک شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک مولانا اسحٰق صاحب' مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھنے جا رہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈالدو اور ایک مسجد کے اندر' اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو انکو وہیں بٹھلادو بوریے حسب الحکم بچھادیے گئے[3] اور جب وہ دونوں آگئے تو ان کو وہیں بٹھلادیا گیا جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو

---

[1] دو کمال پر دلالت ہوئی ایک کمال کشف کیونکہ خدمتگار کو استاد کے سامنے تک تھوڑا ہی آنے دیتے تھے دوسرا کمال تربیت کہ ذمیمہ کبر کا کیسا لطیف علاج فرماتے تھے جو قولی سے انفع ہے (اشرف علی)[2] مطلب یہ ہے کہ اس داخل ہونے کا استمرار نہ ہوتا یعنی اگر غلطی سے داخل ہو جاتے تو داخل رہتے نہیں (اشرف علی)[3] کتنا دقیق تقویٰ ہے کہ دونوں بوریے معقولات ہی کی گفتگو کیلئے بچھائے گئے تھے مگر مدعیان معقول کی نیت تقویت معقول کی تھی ان کا فعل طاعت نہ تھا اس کے لیے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں رکھا گیا اور حضرت شاہ صاحب کی نیت تزئیف معقول کی تھی یہ فعل طاعت تھا اس کیلئے مسجد میں بیٹھنا جائز رکھا گیا۔ (اشرف علی)

اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آکر اپنے بوریے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو انہوں نے فرمایا کہ حضرت جیسے حضرت کی خوشی ہو اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں، مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمینؒ کا، اور گفتگو کریں انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اسپر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب یہ بتلاؤ کہ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ کمزور ہے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی انکو چلنے نہیں دیا جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم یہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی، بلکہ ہم نے انکو ناقص اور واہیات سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا ہے مگر انہوں نے ہمیں ابتک نہیں چھوڑا وہ اب تک ہماری قدمبوسی کیے جاتے ہیں یہ قصہ بیان فرما کر خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سنا ہے کہ یہ گفتگو مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی مگر مولوی احمد علی خیر آبادی اور مولوی ماجد علی یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے اور مولوی فضل حق صاحب سے گفتگو نہ ہوئی تھی۔

حکایت (۳۸) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبد القادر صاحب نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد حصص شرعیہ کے موافق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کر دی تھی اور چونکہ مولوی محمد اسماعیل صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی اور آپ نے ان کو متبنی بھی بنایا تھا[1]

[1] اور متبنی کی جو نفی آئی ہے وہ وہ جس میں احکام ابناء کے جاری کیے جاویں مثل میراث وغیرہ

اسلئے آپ نے بیٹی اور بھائیوں کی [1] اجازت سے کچھ حصہ ان کے نام بھی کر دیا تھا اور خود بالکل متوکل [2] ہو کر بیٹھ گئے تھے' اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ نہ لیتے تھے [3] شاہ عبدالعزیز سے ان کو محبت تھی اسلئے دونوں وقت شاہ صاحب نہایت اہتمام کے ساتھ انکے لئے کھانا بھجوایا کرتے تھے اور جب کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب ہی بنادیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز ایک بھنگ فروش عورت آئی اور اس نے نہایت سماجت سے عرض کیا کہ حضرت میں مجبور ہو گئی ہوں اور میری دکان نہیں چلتی آپ نے اس کو ایک تعویذ لکھ دیا۔ اور فرمایا کہ اس کو بھنگ گھوٹنے کے لوٹے پر باندھ دینا اور فرمایا کہ جب تیری دکان چل جائے تو مجھے تعویذ واپس دے جانا چونکہ آپ کی خدمت میں بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ اسحاق صاحب مولوی عبدالحی صاحب وغیرہم بیٹھتے تھے اس لیے ان کو شاہ صاحب کے اس فعل سے بہت خلجان ہوا کہ شاہ صاحب اور بھنگ کی بکری کا تعویذ مگر اس کو دل ہی میں رکھا اور ظاہر نہیں کیا چند روز کے بعد وہ عورت دو بھنگیاں مٹھائی کی لائی آپ نے خلاف معمول (کہ یہ ہدیہ نہ لیتے تھے) بھنگیاں قبول فرمالیں اب تو ان حضرات کا خلجان اور ترقی کر گیا جب وہ عورت چلی گئی تو آپ نے وہ تعویذ ان لوگوں کو دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ لو اس میں کیا لکھا ہے انہوں نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ دہلی کے بھنگ پینے والو تمہارا بھنگ پینا مقدر ہو چکا ہے تم اور جگہ نہ پیا کرو اسی کی دکان پر پی لیا کرو اور اسی

---

[1] یہ اجازت لینا تبرع تھا ورنہ وقت مصلحت مالک کو اس کی اجازت ہے [2] ترک اسباب ظیہا قویاء کو جائز ہے اور کسی مصلحت سے اسکو ترجیح دنیا بھی خلاف طریق نہیں۔ حاجت نہ ہونے کے وقت بمصلحت اس طور سے عذر کر دینا کہ مہدی کی دل شکی نہ ہو خلاف طریق نہیں اور عدم حاجت بڑے شاہ صاحب کی کفالت کے سبب تھی اور مصلحت کا علم خود صاحب معاملہ کو ہونا کافی ہے [3] اس تعویذ کی حقیقت تو آگے مذکور ہے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ کوئی تعویذ ہی نہ تھا جس کے اثر سے بکری ہوتی ہو تو اعانت علی المعصیت کا شبہ تو متوجہ ہو ہی نہیں سکتا باقی یہ شبہ کہ اس کو نہی عن المنکر کیوں نہیں کیا' اسطرح مدفوع ہے کہ توقع قبول کی نہ ہوگی رہا یہ کہ اگر نہی نہیں فرمائی تو کم از کم تقریر تو نہ فرماتے جس سے شبہ موافقت و عدم نکیر کا ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انکشاف قدرے مغلوب ہو گئے ہوں اور مغلوب معذور ہوتا ہے اور یہی انکشاف بدرجہ غلبہ سبب ہوا ہو قبول ہدیہ کا۔ باقی قبول کے بعد اس کا مصرف اہل حاجت ہونا یہ تو قواعد شرعیہ کا مقتضا ہے باقی اس مصرف کا کافی ہونا یہ مزید رعایت ہے مال کے خبث کی۔ (اشرف علی)

روز آپ نے حکم دیا کہ چار بوریے مسجد سے باہر [1] بچھا دیے جائیں اور ایک مسجد کے اندر بچھا دیا جاوے خدام نے اس حکم کی تعمیل کر دی تھوڑی دیر میں چار جوگی آئے اور شاہ صاحب نے ان کو چاروں بوریوں پر مٹھایا اور خود مسجد کے اندر ڈالے ہوئے بوریے پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر باتیں کر کے ان کو رخصت کر دیا اور چاروں چھبڑے مٹھائیوں کے ان کے ساتھ کر دیے اور جن لوگوں کو شبہ ہوا تھا ان کو سناتے ہوئے فرمایا' مال حرام بود بجائے حرام رفت خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔

حکایت (۳۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کی تعظیم دیتے تھے خواہ سنی ہو یا شیعہ ایک رئیس تھا شیعی' اس کے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس عادت کا تذکرہ ہوا جن لوگوں نے ذکر کیا وہ سنی تھے اس پر وہ رئیس بولا کہ میں شاہ صاحب کی خدمت میں چلتا ہوں اگر انہوں نے میری تعظیم دیدی تو میں سنی ہو جاؤ نگا اور اس سے میرے سید ہونیکی بھی تصدیق ہو جائے گی یہ کہہ کر وہ شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ ہو گیا اور جو لوگ اس وقت اس کے یہاں موجود تھے وہ بھی اس کے ساتھ ہو لئے اس رئیس نے سب سے کہدیا کہ سب لوگ میرے ساتھ چلیں کوئی شخص میرے آگے نہ جاوے جب وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حسب عادت شاہ صاحب نے اس کی تعظیم دی اس نے کہا حضرت آپ نے میری تعظیم کیوں دی آپ نے فرمایا کہ تمہارے سید ہونے کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں تو شیعی ہوں آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے اس نے کہا کہ آپ شیعوں کی بھی تعظیم دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ سید اگر شیعی [2] بھی ہوتا ہے تو اس کی تعظیم دیتا ہوں اس نے کہا اس کی کیا وجہ ؟ آپ نے فرمایا اگر قرآن شریف کاتب کی غلطی

---

[1] یہ ضروری نہیں کہ بوریے مسجد کے ہوں کیونکہ ان کا استعمال غیر مصالح مسجد میں ناجائز ہے۔ خود شاہ صاحب کے ہوں گے۔ (اشرف علی) [2] توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ یہ توقیر من حیث البدعت نہ تھی کسی دوسرے مقتضی سے تو کافر کا اکرام بھی وارد ہے

سے لکھا جاوے تو اس کو قرآن کہیں گے گو یہ بھی کہیں گے کہ غلط ہے اس پر وہ سنی ہو گیا اور جتنے اس کے ساتھ شیعہ تھے وہ بھی سنی ہو گئے اور جب اس کی خبر اور شیعوں کو ہوئی تو اور بھی چند شیعہ سنی ہو گئے اور اس رئیس نے بہت دھوم کے ساتھ مٹھائی بانٹی۔

حکایت (۴۰) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ اور قصہ سناتا ہوں اکبری مسجد جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے اس کے دونوں طرف بازار تھا اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں ان میں سے ایک سہ دری میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھا کرتے تھے بازار کے آنے جانیوالے آپکو سلام کیا کرتے تھے سو اگر سنی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے تھے اور اگر شیعی سلام کرتا تو الٹے ہاتھ سے جواب [1] دیتے تھے یہ بیان کر کے مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا میں کیا کہدوں المومن ینظر بنور اللہ

حکایت (۴۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی محمود پھُلتی مولوی اعلم علی صاحب فرماتے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں کسی شخص پر جن آیا اس کے قرابتدار اس کو شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے پاس لے گئے اور سب نے جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کیے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا اتفاق سے شاہ عبدالقادر صاحب اس وقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے جب شاہ صاحب تشریف لائے تو ان کی طرف بھی رجوع کیا شاہ صاحب نے جھاڑ دیا وہ اسی روز اچھا ہو گیا جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھا میاں عبدالقادر تم نے کون سا عمل کیا تھا انہوں نے فرمایا کہ حضرت

---

[1] اس تفاوت کی بنا کرامت ہونا تو ظاہر ہے باقی کرامت میں جو دوام نہ ہونا مقرر ہے سو مراد دوام اختیاری کی نفی ہے نہ۔ اور ہاتھ سے سلام کے منہی عنہ ہونے کا اگر شبہ ہو تو وہ غیر ضرورت میں ہے اور یہاں ضرورت ہوگی، مثلاً سلام کرنے والا دور ہوتا ہوگا کہ جواب سنانے میں تکلف ہوتا ہوگا ایسی حالت میں خود حضور اقدس ﷺ سے اشارہ بالید ثابت ہے اور یا نہی کا محمل اکتفا بالاشارہ ہے اور جمع میں اجازت ہو (اشرف علی)

نے شاہ صاحب سے پوچھا میاں عبدالقادر تم نے کون سا عمل کیا تھا انہوں نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو صرف الحمد پڑھ دی تھی اس پر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ خاص ترکیب سے؟ انہوں نے فرمایا کہ ترکیب کوئی نہیں فقط یا جبار کی شان میں پڑھ دی تھی اھ (میں نے خان صاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا انہوں نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا[1] راویوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے)

حکایت (۴۲) فرمایا کہ شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا آپ نے بعد وعظ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جایئے' مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ وعیدیں آئی ہیں اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کے لیے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ غور سے دیکھنا' کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا' البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریق سے آج تک کسی نے مجھے سمجھایا نہیں تھا' اب میں تائب ہوتا ہوں ان شاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے نہایت احترام سے اس کو نصیحت کرتے ہیں تشدد نہیں کرتے اور بعض میں جو اس کا شبہ ہوتا ہے وہ حدت ہے شدت نہیں ہے حدت کے باب میں تو حدیث میں آیا ہے لیس احداولیٰ من صاحب القران من القران فی جونه (کما فی المقاصد السنه) جسکی حقیقت غیرت ہے لوگ حدت اور شدت میں فرق نہیں کرتے حدت اور ہے شدت اور ہے حدت لوازم ایمان سے ہے مومن بہت غیر تمند ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے' اب اگر دیکھنے

[1] احقر کے ذہن میں جو بے تکلف مطلب آیا اس کو بسبیل احتمال عرض کرتا ہوں کہ کاملین میں ایک درجہ ابو الوقت ہوتا ہے وہ جس وقت جس تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کرلیں کذا سمعت مرشدی' پس عجب نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اس وقت جبار کی تجلی کو وارد کیا ہو اور اس کی مظہریت کی حیثیت سے اس کو توجہ سے دفع فرمایا ہو (اشرف علی)

والا یہ کہے کہ یہ تو بہت تیز مزاج ہے تو اس سے یہ کہا جائیگا کہ کمجنت کچھ نہ کہنا تو بے غیرتی ہے اسلئیے دیندار کو خلاف دین پر تحمل نہیں ہوتا۔

حکایت (۴۳) فرمایا مولوی فضل حق صاحب شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے شاہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں آپ کا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا جس روز مولوی فضل حق صاحب کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لیجاتے گو پہنچنے سے پہلے خود لے لیتے ' شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو جاتا تھا اسی روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لیجاتے تو حضرت کو کشف ہو جاتا اور اس روز سبق پڑھاتے (جامع کہتا ہے)۔

پیش اہل دل نگہدارید دل تا نباشید از گمان بد خجل (منقول از اشرف التنبیہ)

مولانا شاہ محمد اسمعیل شہید کی حکایات

حکایت (۴۴) جناب خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی محمد اسمعٰیل صاحب شہید وعظ فرمارہے تھے اثنا وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا[1] کہ میاں تم نے غلط سنا ہے 'میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ 'پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں اور فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا

حکایت (۴۵) خان صاحب نے فرمایا حکیم ضیاء الدین رامپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے ان کے بہت سے حالات سنے ہیں مولوی صاحب موصوف مولوی اسمعٰیل صاحب شہید اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے ان کا قصہ حضرت گنگوہی سے سنا ہے کہ جب سید صاحب کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارنپور پہنچا تو مولوی محمد حسن صاحب ان سے سہارنپور آکر ملے

[1] اس سے طالب حق کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مولانا شہیدؒ کی تیزی وغیرہ سب دین کیلئے تھی 'ورنہ ہیجان نفس کا اس سے بڑھ کر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے۔ (اشرف علی)

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ اسکا خیال رکھا جاوے کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب کے مکان پر یا کسی دکان پر کھانا نہ کھائیں میں ان کو اپنے ساتھ کھلاؤنگا مولوی محمد حسن نہایت نازک مزاج اور نازک طبع تھے جب کھانیکا وقت آیا اور مولوی صاحب مولانا شہید کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک ہی نوالہ لینے پائے تھے کہ مولانا شہید نے زور سے ناک سنکی مولوی صاحب کھانیسے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے مولانا شہید نے انکے اٹھ جانیکی مطلق پروانہ کی اور اپنے خدام سے فرمایا کہ اب اس کا زیادہ خیال رکھا جاوے کہ یہ کہیں کھانا نہ کھا سکیں، خدام نے ایسا ہی کیا جب دوسرا وقت ہوا اور کھانا کھانے بیٹھے تو مولانا نے پھر زور سے سنکا مگر مولوی محمد حسن اس وقت نہ اٹھے جب وہ اٹھے تو مولانا نے رینٹ کو ان کے سامنے انگلیوں سے ملا اس پر ان سے نہ رہا گیا اور یہ کہہ کر کہ مولانا کیا کرتے ہو فوراً اٹھ کر چلے گئے مولانا نے اپنے خدام کو پھر ہدایت کی کہ دیکھو ان کو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا جب تیسرا وقت ہو تو پھر کھانا کھانے بیٹھے مولانا شہید نے پھر زور سے سنکا اور ہاتھ سے رینٹ کو ملتے ہوئے ان کے کھانے کی طرف کو لیگئے انہوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کر دیا اور کہا کہ اب تو اگر آپ اس میں ملا بھی دینگے تب بھی کھالونگا مولانا نے فرمایا کہ بس اب علاج ہو گیا خدام سے کہا کہ پانی لاؤ اور پانی منگا کر ہاتھ دھو ڈالے اس کے بعد فرمایا کہ میں نے یہ اسلیے کیا تھا کہ تم جہاد کو جا رہے ہو اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔[1]

<u>حکایت (۴۶)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں اٹھیے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی تعظیم دیجئے مولانا اس پر بھی نہ اٹھے اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور

[1] او کما قال العارف الشیرازی ؎ ناز پرورده تنعم نبرد راه بدوست : عاشقی شیوه رندان بلا کش باشد حکمائے امت اخلاق وملکات کی اصلاح اس طرح کرتے ہیں (اشرف علی)

انہوں نے اور سختی سے کہا اس پر مولانا نے فرمایا کہ اول تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ ﷺ فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہذا میں نہیں اٹھ سکتا اس جواب کو سن کر اور شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچی مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے اسلیے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہگیا یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا لوگوں نے جاکر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکایتیں کیں اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں 'شاہ عالم کے وقت میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا اس میں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اسکے اطراف اور قطب صاحب اور اسکے اطراف تک محدود تھے لیکن اکبر شاہ کے وقت میں یہ اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہ گئے تھے اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر قصہ بیان کرتا ہوں جب مولانا کی بادشاہ تک شکایتیں پہنچیں تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور ان سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی مولانا نے پورا واقعہ بیان فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے اکبر شاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ ان کو مصنوعی کہتے ہیں مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں کہا کہ میں تو کہتا ہی ہوں 'مگر آپ ان کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں اکبر شاہ نے تعجب سے کہا کہ 'یہ کیسے' مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے گئے یہ سن کر اکبر شاہ چپ رہ گیا اس کے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے اور آپ نے ان کو ہاتھ میں لیکر واپس کرایا اور اسکے بعد یہ تقریر فرمائی کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جاوے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبیس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن مجید کے کلام اللہ

ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، علی ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے اسلیے اسکا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے اور کلام اللہ وکلام رسول کے جناب رسول اللہ ﷺ کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے کلام خدا وکلام رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے ان کی کوئی تعظیم نہ دی بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں اس مضمون کو مولیناؒ شہید نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا جب مولیناؒ تقریر فرما رہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے پاس ایک شہزادہ بیٹھا ہوا تھا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، مجھے اس شہزادہ کا نام بھی یاد تھا مگر اب یاد نہیں رہا حضرت مولانا نے فرمایا کہ شہزادہ تو چکنا گھڑا ہے کہ پچاس برس شاہ عبدالعزیز کا وعظ سنا مگر اب تک داڑھی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھ فرمایا جو مجھے یاد نہیں رہا اس کا اثر یہ ہوا[1] کہ شہزادے نے داڑھی رکھ لی اور بادشاہ نے کڑے اتار دیے۔

<u>حکایت (۴۷)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور آپ کے ساتھی جن میں میں بھی تھا شکار کے لیے چلے قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلے پر ایک گشائیں رہتا تھا جو کہ مرتاض تھا اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے اس کی کٹی کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے مولانا نے بندوق سے ایک مور کا شکار کر لیا اس پر اس گشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچایا گیا اور گوشائیں سمیت سب کے سب مولانا اور ان کے ہمرائیوں سے لڑنے کے لئے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر ادھر کو چلے

[1] یہ بھی بڑی اہلیت ہے ان سلاطین کی نیز اثر ہے مولانا کے خلوص و للّٰہیت کا بھی (اشرف علی)

مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جب تک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا تم ذرا نرمی کرو ان شاء اللہ ہم مور اس کو کھلا کر چلیں گے اور یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گشائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا ہماری بات سن لیجئے اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجئے ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں ہیں غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اس کو نرم کیا اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اسے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے اس معاملہ میں گفتگو رہی اسکے بعد وہ گوشائیں اور اسکے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے[1] اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی برا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے مولانا نے رات کو گشائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر اسکو کھلایا خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بھی اس وقت مولانا کے ساتھ تھا۔

حکایت (۴۸) خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب نے فرمایا کہ ایک مجذوب دلی کی جامع مسجد کے پیچھے کی دکانوں میں سے ایک دکان میں رہتا تھا اور اس زمانہ کے لوگ اس کے نہایت معتقد تھے اور وہ مجذوب کبھی کبھی جامع مسجد کی ان سیڑھیوں پر بھی شیر کی طرح غرایا کرتا تھا رات کے وقت تو اسکی کوٹھڑی میں کبھی کوئی گیا ہی نہیں اگر کسی کو کچھ عرض معروض کرنے ہوتی تو بہت ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں ہی پر کچھ کہہ لیتا تھا وہ مجذوب لوگوں کو مارتا بھی تھا اور اینٹیں بھی پھینکتا تھا مولانا اسمعیل شہید نے ایکروز اسکی دکان میں جانیکا ارادہ کیا احباب نے منع کیا مگر انہوں نے کسی کی نہ سنی اور دکان میں پہنچ گئے مجذوب مولانا کو دیکھ کر اسقدر زور سے غرایا کہ کبھی اسقدر نہ غرایا تھا مخالفین تو بہت خوش ہوئے کہ آج ان پر مجذوب کی مار[2] پڑیگی 'اور یا تو مر جائینگے یا دیوانہ ہو جائینگے 'یا اور کوئی بلا نازل ہو گی 'مگر کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ مجذوب تھوڑی دیر تو غرایا لیکن اس کے بعد اس کا غرانا موقوف ہو گیا اور دونوں کی باتوں کی آواز آنے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ دو گھنٹہ کے

---

[1] اس پر شعر یاد آگیا۔ آہن کہ بپارس آشنا شد : فی الحال بصورت طلا شد (اشرف علی) [2] یعنی اس کے تصرف باطنی سے کوئی سخت گزند پہنچے گا۔ (فائدہ) مگر ہر شخص کا یہ کام نہیں ناقص کو کبھی دنیوی ضرر اور کبھی دینی ضرر پہنچ جانا محتمل ہے (اشرف علی)

بعد مولانا اس کو نکال لائے اور باہر لا کر نماز پڑھادی اس کے بعد سے اس کی یہ حالت ہوئی کہ برابر نماز پڑھنے لگا اور غرانا وغیرہ سب موقوف ہو گیا مگر کسی قدر دیوانگی باقی رہی۔

حکایت (۴۹) خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص بڑے لوگوں میں سے جنکا نام تو یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ انکو منشی صاحب کہتے تھے انہوں نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید سے آپنے یہاں مردانہ میں وعظ کہلایا وعظ میں مولانا کی یہ حالت تھی کہ جو تڑاق پڑاق ان کے وعظ میں ہوتی تھی اس وعظ میں نہ تھی بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا مولوی رستم خاں بریلوی جو مولانا کے خازن اور نہایت جاں نثار تھے ان سے ان منشی صاحب نے دریافت کیا کہ آج مولانا کی آواز ابھرتی کیوں نہیں اسکا کیا سبب ہے چونکہ منشی صاحب مخلص تھے اور پوچھا بھی اصرار سے اسلیے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس ضعف لہجہ کا سبب یہ ہے کہ مولانا پر تین وقت سے فاقہ ہے اور انہوں نے تین وقت سے کچھ نہیں کھایا ہے منشی صاحب یہ سن کر اٹھے اور مولانا سے کہا کہ مولانا اب وعظ کو موقوف فرما دیجئے مجھے اور بھی ضروری کام ہیں وعظ موقوف ہو گیا اور وہ مولانا کو الگ ایک مکان میں لے گئے وہاں ان کے سامنے کھانا رکھا مولانا یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا منشی جی تم سے کسی نے کہدیا ہے مگر میں کھانا نہیں کھاؤنگا انہوں نے پوچھا حضرت کیوں آپنے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ نہیں کھانا کھا[1] سکتا انہوں نے ساتھیوں کو بھی بلالیا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی۔

حکایت (۵۰) خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے میاں جی محمدی صاحب اور حکیم خادم علی صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی اور میانجی رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب کے وعظوں کا زور شور ہوا تو اس زمانہ میں فدا حسین رسول شاہی کا بھی زور شور تھا (فدا حسین مذکور سرسید کی نانی کا بھائی تھا) اور بددین صوفی تھا اور

[1] یہ ادائے حقوق موافقت ان حضرات کے ادنیٰ کمالات سے ہے (اشرف علی)

اسقدر بااثر تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک لائق شاگرد مولوی عبداللہ کو اور شاہ غلام علی صاحب کے ایک خاص مرید کو بھی تباہ کر چکا تھا مولانا نے فدا حسین مذکور کے فتنہ کو دور کرنیکی کوشش کی اور اس کے مریدوں کے پاس پہنچ کر اور انکو پکڑ پکڑ کر اور فدا حسین کے جلسوں میں جاجا کر امر بالمعروف کرنا شروع کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ فدا حسین کے کئی مرید تائب ہو کر مولانا کے حلقہ بگوش ہو گئے اس پر فدا حسین کے مریدوں کو بہت صدمہ ہوا اور وہ سب اکٹھے ہو کر فدا حسین کے پاس آئے اور فدا حسین سے یہ کہا کہ آپ مولانا پر تصرف کیوں نہیں کرتے فدا حسین نے اپنے سارے مجمع کو بٹھا کر ان سے یہ بات کہی کہ خبردار مولانا سے کبھی نہ الجھنا دیکھو اگر بادشاہ یہ حکم دے کہ میرے قلمرو میں رات کے دس بجے کوئی شخص تنہا یا بلاروشنی کے نہ نکلے اور پولیس کو حکم کر دے کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اسے گرفتار کر لو تو پولیس والے اس حکم کی تعمیل میں ہر ایسے شخص کو گرفتار کر کے حوالات کر دینگے جو خلاف حکم شاہی رات کے وقت تنہا یا بلاروشنی کے جارہا ہو' خواہ وہ بادشاہ کا دوست ہو یا کوئی اور اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ نمک حرام اور شاہی مجرم ہیں اب اگر وہ شخص بادشاہ کا مقرب ہونے کے زعم میں ان پولیس والونکی مزاحمت کرے تو اسکی یہ مزاحمت بادشاہ سے مقابلہ سمجھی جائیگی پس ایسی حالت میں اسکا فرض ہے کہ وہ پولیس والوں کی اطاعت کرے اور ان سے مزاحمت نہ کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوگا بادشاہ اسے خود رہا کر دیگا تو جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ مولانا حق تعالیٰ کے مامور ہیں ان سے مزاحمت کرنا حق تعالیٰ سے مزاحمت کرنا ہے اسلیے تم ان کی مزاحمت [1] نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے آشنائی پیدا کر لو جب تم اس کے سامنے پیش ہو گے وہ خود تم کو رہا کر دے گا پس تم خبردار مولانا سے کبھی نہ الجھنا۔

---

[1] اس شخص کی تقریر مرکب ہے 'ایک اقرار ایک دعویٰ سے 'اقرار یہ کہ مولانا سے مزاحمت جائز نہیں یہ اقرار مقرر پر حجت ہے اور دعویٰ یہ کہ ہم موجودہ حالت میں خدا تعالیٰ کے دوست ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل غیر مسموع ہے (اشرف علی)

حکایت (۵۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے میرے استاد میانجی محمدی صاحب نے اور خادم علی صاحب نے اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے اور ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ فدا حسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا تھا لوگوں نے اسکا سبب پوچھا تو ان سے کہا کہ جب میں اس مسجد کے نیچے آتا ہوں تو جو کچھ میرے قلب [1] میں ہوتا ہے سب سلب ہو جاتا ہے اور جب مسجد کی حد سے خارج ہوتا ہوں پھر آ جاتا ہے۔

حکایت (۵۲) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبدالقیوم صاحب داماد جناب مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے بیان فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد ضلع بلند شہر میں جو شاہ صاحب کے خاندان کے گاؤں تھے انکی تحصیل کیلئے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید جایا کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب بیمار ہو گئے اسلیے اس مرتبہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے چھوٹے بیٹے کو بھیجنا چاہا اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحب کو دیہات کے حالات معلوم تھے کیونکہ وہی تحصیل کے لئے جایا کرتے تھے اس لیے ان سے دیہات کے حالات پوچھے تاکہ تحصیل میں آسانی ہو مولانا نے تمام واقعات وحالات بتلا دیے اور یہ بھی بتلا دیا کہ میں آتے جاتے غازی آباد میں فلاں بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتا ہوں (اور بھٹیاری کا پورا پتہ بتلا دیا) اور اس کو اسقدر دیا کرتا ہوں تم بھی وہیں ٹھہرنا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ میں اسمٰعیل کا بڑا بھائی ہوں۔ مولوی موسیٰ یہ ہدایت لیکر روانہ ہو گئے اور بھٹیاری کے یہاں پہنچے اس نے ان کی بھی اسی طرح خاطر کی جس طرح وہ مولانا کی کیا کرتی تھی رات کے وقت اس نے مولوی موسیٰ کی چارپائی کے نیچے دو لوٹے پانی کے اور ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھدی مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم یہ سامان کیوں کرتی ہو نہ لوٹوں کی ضرورت ہے اور نہ چٹائی کی اور نہ جانماز کی جب صبح ہو گی مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیں گے بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ میں تو تمہاری صورت دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم مولوی اسمٰعیل کے

[1] جاء الحق وزھق الباطل کا یہ ایک ظہور ہے (اشرف علی)

بھائی نہیں ہو (کیونکہ یہ شاہ صاحب کے خاندان میں سیاہ فام تھے) اور اب تو تمہارے کہنے سے یقین ہو گیا[1] مولوی اسمٰعیل بھی صبح کی نماز مسجد ہی میں پڑھتے تھے مگر وہ تھوڑی دیر سو کر اٹھ بیٹھتے اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے رہتے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے پانی وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں ان کا بڑا بھائی ہوں میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو تو ان سے عابد[2] بھی زیادہ ہو گے مگر کچھ بھی نہ نکلے مولوی موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری سے یہ باتیں سن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور مجھے کوئی جواب نہ بن آیا۔

<u>حکایت (۵۳)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سنی مگر حکیم عبدالسلام صاحب فرماتے تھے کہ میرے عقیقہ میں سید صاحب[3] مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب بھی شریک تھے مولوی عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اوقات میں بھی برکت عطا فرماتا ہے اور جو کام کئی روز میں نہیں ہو سکتا وہ چند گھنٹوں میں کر لیتے ہیں چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت حاصل ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق تو صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں اس بناء پر لوگ مولوی اسمٰعیل صاحب کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت ہم کو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے چنانچہ گومتی کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر دیا[4]

یہ قصہ بیان فرما کر خان صاحب نے بیان فرمایا کہ میرے زمانہ میں سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے دیکھنے والوں میں سے کوئی شخص زندہ نہیں تھا جس سے میں

---

[1] یعنی یہ کہ تم انکے بھائی نہیں ہو[2] یعنی اصل یہی ہے کہ عمر کی زیادتی کے ساتھ کمالات دین میں بھی ساتھ ساتھ ترقی ہوتی رہے[3] خاص عقیقہ کا وقت مراد ہونا لازم نہیں دعوت کا وقت مراد ہونا ممکن ہے (اشرف علی)[4] اس کرامت کا اختیاری ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے اس وقت ماذون ہوں (اشرف علی)

اس واقعہ کی تصدیق کرتا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب بیشک زندہ تھے اور اس عاجز پر عنایت بھی بے حد کرتے تھے مگر ان سے اس کی تصدیق کا موقع نہیں ملا مگر مولوی محمود علی پھلتی نے اس قصہ کی تصدیق کی

حکایت (۵۴) خان صاحب نے فرمایا کہ جو قصہ میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں یہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے اور غالباً ان بیان کرنے والوں کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی اسلیے میں سب کے نام تو نہیں لکھواتا صرف چند آدمیوں کے لکھواتا ہوں حکیم خادم علی صاحب 'مولوی سراج احمد صاحب 'قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی 'مولانا گنگوہی 'مولانا نانوتوی 'ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری 'مولوی عبدالقیوم صاحب 'میاں جی محمدی صاحب ان سب سے میں نے سنا ہے مگر جو مجھے بسند متصل یہ قصہ پہنچا ہے تو اس میں اور دوسرے لوگوں کی روایت میں اخیر میں ذرا سا فرق ہے اب میں قصہ سناتا ہوں (یہ تمہید ہے قصہ کی) حاجی منیر خاں صاحب رئیس خانپور ان لوگوں میں سے ہیں جنکی ولایت پر خود انکی صورت شاہد تھی اور اس کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ تھی یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب (مولوی محمد اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی) سے بیعت تھے جب مولانا اسحٰق صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے ہجرت کی ہے تو یہ سانڈنی پر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ردیف ہو کر قطب صاحب تک ساتھ گئے تھے یہ فرماتے تھے کہ میں نے راستہ میں مولوی محمد یعقوب سے ان کے خاندان کے بزرگوں کے حالات پوچھے انہوں نے ان کے حالات بیان فرمائے اور فرمایا کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے مولانا اسحٰق صاحب کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا ہے تاکہ لوگ ان سے مل کر فرشتوں کی قدر کریں اور مولوی اسمٰعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا ان کے وعظوں کی وجہ سے دلی کے شہدے اور بدمعاش آپ کے یہاں تک دشمن ہوگئے تھے کہ ان کے قتل کی فکر میں تھے اسلیئے ہم لوگ انکی بہت حفاظت کرتے تھے۔ (اصل قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے) ایک مرتبہ وہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس

دروازے کو چلدیے جو قلعہ کی جانب ہے میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں اس وقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گا مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جارہا ہوں، تم مجھے جانے دو اور میرے ساتھ نہ آؤ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چلدیے میں بھی ذرا فاصلہ سے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا خانم کے بازار میں ایک بڑی مال دار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اس کا نام موتی تھا مولانا اس مکان پر پہنچے اور آواز دی تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں وہ لونڈی یہ سن کر چلی گئی اور جا کر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے رنڈی نے کچھ پیسے دیے اور کہا کہ جا کر دیدے وہ لڑکی پیسے لے کر آئی اور مولانا کو دینا چاہا مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کے لینا میری عادت نہیں تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سن لے اس نے جا کر کہدیا رنڈی نے کہا کہ اچھا بلا لے وہ بلا کر لے گئی مولانا جا کر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور آپ نے سورہ والتین ثم رددناہ اسفل سافلین تک تلاوت فرمائی میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جا کر مولانا کے پیچھے کھڑا ہو گیا مولانا نے اس قدر بلیغ اور موثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرا دیا اس رنڈی کے یہاں بہت سی اور رنڈیاں بھی تھیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی بہت تھے ان پر اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا اور انہوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کیے اور موتی اور اس کے علاوہ کئی رنڈیاں تائب ہو گئیں اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھکر چلدیے میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا یہاں تک تو باستثناء مضمون تمہیدی تمام روایت کرنے والوں کا اتفاق ہے یہاں سے خاص حاجی منیر خاں کی روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسمٰعیل تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا

اور کھڑے ہو کر مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں، میں تو اس روز سمجھوں [1] گا کہ آج میری عزت ہوئی ہے جس روز دلی کے شہدے میرا منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں نکالیں گے اور میں کہتا ہوں گا قال اللہ کذا وقال رسول اللہ کذا ۔ یہ سن کر میری یہ حالت ہوئی کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور زبان بند ہو گئی اور اس کے بعد کبھی مجھے ان سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حکایت (۵۵) خان صاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنو میں ٹھہرا علی نقی خان اس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خاں اس کا میر منشی علی نقی خاں نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کے لئے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا [2] اس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بھی مدعو تھے جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، علی نقی خاں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کھانے میں ابھی ذرا دیر ہے بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کچھ بیان فرمائیں مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اس جلسہ میں تقریر نہ کرتے تھے اس لیے سید صاحب نے مولانا عبدالحیؒ صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ کچھ فرمادیجئے مولانا عبدالحی صاحب نہائت ہی کم گو تھے اور جب تک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جاوے اس وقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے اس لیے خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اس پر سید صاحب نے پھر مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا اس مرتبہ بھی انہوں نے کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا

---

[1] اللہ اکبر مدعیان فنا آئیں اور دیکھیں فنا اس کو کہتے ہیں۔ ایک عاشق نے اسی منظر سے عارف شیرازی کے اس شعر کی تفسیر کی ہے۔
من حال دل اے زاہد با خلق نہ خواہم گفت ۔۔ کہ ایں نغمہ اگر گویم با چنگ ورباب اولے

[2] شیعی کی دعوت قبول کرنے پر شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مصلحت دیکھا موقع مستثنیٰ ہے باقی کسی چیز کے مالا دینے کی ممانعت سو ایسی حرکت کمینہ طبع لوگ کر سکتے ہیں شرفاء اور عالی رتبہ لوگ نہیں کر سکتے بالخصوص جب اس جماعت والے شریک ہوں۔ (اشرف علی)

اور سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے پھر فرمایا' مولانا پھر بھی خاموش رہے اس پر سبحان علی خاں بولا کہ جناب اس مجمع میں علماء فریقین موجود ہیں ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے اس لیے یا جناب خود فرمائیں یا مولوی اسمٰعیل صاحب کو حکم فرمائیں یہ سن کر مولانا عبدالحی صاحب کو حکم فرمائیں یہ سن کر مولانا عبدالحی صاحب نے زور سے ہوں کر کے (کیونکہ ان کو عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے اول ہوں کرتے) فرمایا الحیاء شعبة من الایمان' اور یہ فرما کر سلسلہ تقریر شروع فرمایا اور اول ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیاء تھے اور ابلیس بے حیاء اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیا ہونا اور ان کی قوم کا بے حیا ہونا ثابت فرمایا اور اخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیاء ہونا ثابت کیا اس کے بعد صحابہ کا باحیاء ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت کیا اور خاتمہ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا الحمد للہ سنت انبیاء اور ان کے متبعین کے مطابق عبدالحی باحیاء ہے اور روافض بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق بے حیاء اور اس پر تقریر کو ختم فرمادیا یہ مضمون تو ختم ہوا اثناء تقریر میں سبحان علی خاں مولوی عبدالحی صاحب سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس کا جواب دیتے تھے وہ سوالات و جوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر یاد ہیں لکھواتا ہوں مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر میں حضرت عمر کی فتوحات کا اور ان منافع کا بھی ذکر آگیا جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہنچے اس پر سبحان علی خاں نے باآواز بلند حدیث پڑھی ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر اس پر مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھے اور مولوی عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور سبحان علی خان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ سبحان علی خاں تم اس کو تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عمر کی ذات سے دین کو مدد پہنچی اس نے اقرار کیا کہ ہاں آپ نے پھر یہی سوال کیا اس نے پھر وہی جواب دیا جب سب کے سامنے کئی بار اس سے اقرار کرالیا تب فرمایا کہ یہ بحث تو پھر ہوگی کہ حضرت عمر فاجر تھے یا نہ تھے لیکن اس وقت آپنے اتنا تسلیم کر لیا کہ حضرت عمر کی ذات

سے دین کو مدد پہنچی اب اتنا ذرا اور بتادو کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچایا یا اصول سنت کے مطابق اس کے جواب میں سبحان علی خاں بالکل خاموش ہو گیا جب وہ جواب نہ دے سکا تو خود مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا اس لیے ضرور یہی کہا جاویگا کہ اصول اہل سنت کے مطابق نفع پہنچا پس ثابت ہو کہ دین حق مذہب اہل سنت ہے ایک موقع پر مولوی عبدالحی صاحب نے حضرت علی کے متعلق کچھ بیان فرمایا اسی موقع پر سبحان علی خاں نے حدیث لحمك لحمی ودمك دمی پڑھی اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مولانا ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا جواب بھی میں دوں گا اور اس کے بعد سبحان علی خاں سے فرمایا کہ سبحان علی خاں سنو! اول تو یہ حدیث ثابت نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر اس کے جواب میں سبحان علی خاں نے کہا کہ حقیقی معنی پر اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہ سے صحیح نہ ہوا سبحان علی خاں سے کچھ جواب نہ بن آیا اور خاموش ہو گیا ایک موقع پر سبحان علی خاں نے مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ نہ لیں گے بلکہ ان کے زمانہ میں یا اسلام ہو گا یا قتل اور جناب رسول اللہ ﷺ جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں اس کے جواب میں بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ان کا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہو گا پس یہ تعمیل حکم ہے رسول اللہ ﷺ کی نہ کہ نسخ حکم نبوی اس کے جواب میں بھی سبحان علی خاں خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن آیا غرض کہ اسی طرح کے اور بھی کئی سوال وجواب ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہے اور سبحان علی خاں ہر مرتبہ ساکت ہوا آخر میں ایک موقع پر پھر اس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا کہا تھا کہ مولانا کہ اتنے میں علی نقی خاں نے سبحان علی خاں سے کہا کہ بس کرو بہت گالیاں سنوا چکے ہو اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔

حکایت (۵۶) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں لکھوانا چاہتا ہوں اپنے استاد میاں جی صاحب، حکیم خادم علی صاحب، حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی، قاضی عبدالرزاق جبوری اور مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے قصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب نے لکھنو میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے اس اعلان کو اطلاع عام طور پر چکی تھے اسلیے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا مولانا منبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی عبدالحی صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اڑائیں اس وعظ میں دونوں نوعمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا تھا اور دوسرے کا نام محمد مرتضٰی' مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے' ان پر اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بے باکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دبلا پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب' نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار' پھر باوجود اس بیکسی و بے بسی کے جو یہ اس قدر جرات دکھلا رہا ہے تو وہ کون سی بات جو اس کو اس بے باکی اور سر فروشی پر آمادہ کر رہی ہے وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں' ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی شجاع تھے کہ ان کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی' اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیونکہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا ان کے تقیہ کی کہانی غلط ہے اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہل سنت و جماعت' جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور نہایت باایمان تھے اور ان کی شان لا یخافون فی اللہ لومۃ لائمۃ

تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں شیعہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ انکا افترا ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہل سنت کے مذہب کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے مذہب اہل سنت اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے اس کو سن کر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے جب دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا منبر پر سے اتر جایئے مجھے کچھ عرض کرنا ہے مولانا سمجھے کہ شاید میری تردید کریگا اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لائے اس لڑکے نے منبر پر جاکر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ صاحب جو آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرات سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے تھے نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا نہ ارکان دولت کا اور نہ عام رعایا کا' محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ ان کو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بیکسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرات دکھلا رہے تھے اس کا سبب کیا ہے اور وہ کون سی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جانباز اور جری بنا دیا ہے میرے نزدیک وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتی کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے اگر اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی اول تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی صورت میں بھی کم نہ ہوں گے پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسمٰعیل کی سی جرات نہ تھی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہل سنت اور یا تو ائمہ (نعوذباللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا وہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب

ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا آخر وہ منبر پر سے اترا اور اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا اب آپ وعظ فرمائیں مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا اس لیے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی[1] یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب یہ سنی ہوگئے تو انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور مولانا کے ساتھ ہوگئے اور انہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہوگئے۔

<u>حکایت (۵۷)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اس لیے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے بلکہ الگ جگہ ٹھہرا کرتے تھے اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھہرتے تھے جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد تھے اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا رنگت کالی تھی۔ ابتداء میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے اور انہوں نے تقویت الایمان کا رد بھی لکھا تھا اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور قوم کے ارائیں تھے نہایت ذہین اور بڑے

---

[1] یہ تھا اخلاص فی النیت والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا جب دوسرے شخص کے واسطے سے حاصل ہو گیا گو وہ عامی ہی تھا تو وعظ کے منقطع فرما دینے میں کوئی تردد نہ ہوا ورنہ طالبان جاہ اس سبکی کو کب گوارا کر سکتے ہیں یہی حقیقت ہے حضرت علی خواص کے ارشاد کی 'علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعت تلقین کرتا ہو اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنے والا آجائے تو یہ طالبوں کو اس کی طرف متوجہ کر دے اھ یہ وہی کر سکتا ہے جس کو قصد و تقدا اور ترفع مقصود نہ ہو۔ (اشرف علی)

عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویت الایمان میں شرک کی دو قسمیں کی ہیں ایک جلی دوسرے خفی مولوی وجیہ الدین صاحب اس کو تسلیم نہ کرتے تھے اس پر ان سے اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آئے اس پر مولوی وجیہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انہوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جا کر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے یہ مولانا وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں مل کر حجاج کے لئے آٹا پیسا کرتے تھے آٹا پیستے ہوئے مولانا شہید ان کو چھیڑا کرتے تھے کبھی آٹا ان کے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے [1] ان کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے تھے۔ میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب) اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اس لیے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا اتفاق سے ہوا ناموافق ہو گئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا اس لیے جہاز والوں نے اعلان کر دیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو جہاز والوں نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے اس لیے ہم پانی نہیں دے سکتے سب لوگ نہایت پریشان ہوئے اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے اب ان لوگوں میں یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہذا اس کو روکنا چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں اس کی اطلاع مولوی وجیہ الدین اور دوسرے لوگوں کو ہوئی مولوی

---

[1] لا یسخر قوم من قوم کے خلاف کا شبہ نہ کیا جاوے۔ اس کا محمل یہ ہے کہ جس سے مزاح کیا جاتا ہے اس کو حقیر سمجھے چنانچہ اسکی علت میں عسیٰ ان یکونوا خیر منھم ارشاد فرمانا اس کی قطعی دلیل ہے اور معنائی کی شرط یہ بھی اس مزاح کا ایک شعبہ ہے

وجیہ الدین مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہید کی عظمت وشان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بد گمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو تم کو چاہیے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی چاہو اور ان سے دعا کی درخواست کرو چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی مولانا نے فرمایا ـــ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مسقطی حلوا کھلاؤں گا اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر دعا کی جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمباؤ چوڑاؤ میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا مولانا نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو دیکھو کیسا ہے لوگوں نے چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لیے جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا اور اسکے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی جہاز کا لنگر کھولدیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

حکایت (۵۸) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور ان کے ساتھی ننگی تلواریں لے کر خانہ کعبہ پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کے ساتھ عورتیں داخل ہوں گی تو ہم تلوار سے سر اڑا دیں

گے اس پر بہت شور و شغب ہوا مگر مولانا اور ان کے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترکہ داخلہ کو بند کرا کے چھوڑا یہ قصہ میں نے یہیں تک سنا تھا جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سنا ہے اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ ملا جیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا ہے اس وقت بھی مردوں عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملا جیون نے اس کو روکا تھا مگر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہو گیا جس کو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حکایت (۵۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب' شاہ اسحاق صاحب' مولانا محمد یعقوب صاحب' مولوی فرید الدین صاحب مراد آبادی' مومن خاں' عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور ان کے سامنے تقویت الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے[1] مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے جلی لکھ دیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائیگا نہیں اس لیے میں نے یہ کتاب لکھدی ہے گو اس سے شورش ہو گی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائینگے یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کیجاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے[2] اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے

---

[1] یہ تشدید تھی مراد نہ تھی۔ (اشرف علی) [2] اس تشدد فی العلاج کا سبب مرض کا شدید ہونا ہے ایسے بزرگ پر تشدد یا اصرار یا استبداد کا شبہ اگر ظلم نہیں تو کیا ہے۔ (اشرف علی)

اس پر مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحاق صاحب اور عبداللہ خاں علوی اور مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں! اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہوگئی اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحی صاحب مساجد میں چھ مہینے کے بعد جہاد کے لیے تشریف لے گئے یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میاں جی صاحب وغیرہ سے سنا ہے۔

حکایت (۶۰) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تقویت الایمان کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا[1] اس کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حکایات (۶۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی تبارک اللہ صاحب اُلدھن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے انہوں نے ایک مرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا وعظ کے بعد ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ تقویت الایمان کی نسبت کیا فرماتے ہیں میں اس جلسہ میں موجود تھا میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب تقویت الایمان شائع ہو کر اُلدھن میں آئی ہے تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا کچھ لوگ مخالف ہو گئے اور کچھ موافق اور آپس میں بحث مباحثہ اور گفتگو ہونے لگیں اس وقت میرے چچا حیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایک مرتبہ فرمایا کہ لڑکو میں چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ میں لیے ہوئے بحث مباحثہ کرتے ہو ہمیں تو بتلاؤ کیا بات ہے ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک

---

[1] اس پر مولانا رومی کا ارشاد یاد آگیا

[illegible] ------------ ایں از اخلاصات ابراہیم بود

کتاب شائع ہوئی ہے اس پر یہ بحث مباحثہ ہوتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ ہم نے تقویت الایمان اول سے آخر تک سنائی اس کو سن کر آپنے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں جو جمع کر لو اس وقت میں اپنی رائے ظاہر کروں گا ہم لوگوں نے لوگوں کو جمع کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپنے فرمایا کہ میں اب تک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے ان کی باتیں بالکل میرے جی کو اچھی نہ لگتی تھیں اور میں سمجھتا تھا کہ دنیا اس وقت گمراہی میں مبتلا ہے اور میرا جی ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا مگر کنویں بھانگ پڑی ہوئی تھی نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا مولوی اسمٰعیل صاحب کا احسان ہے کہ انہوں نے پانی اور بھانگ کو الگ کر دیا[1] اور سیدھا راستہ بتلا دیا اب تمہیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ ہی پئے جاؤ۔

حکایت (۶۲) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ اطراف لکھنو میں ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے (مولانا نے انکا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی اس میں پڑھایا کرتے تھے مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کو وہ اپنی تحریرات سنائیں جو انہوں نے مولانا شہید کے رد میں لکھی تھیں اور ان سے انکی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی اتنے میں جماعت تیار ہو گئی مولوی صاحب نے فرمایا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کریں گے مولوی فضل رسول کے ساتھ ایک شخص بھی تھا مولوی صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ انکا ساتھی نہیں اٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا جب مولوی صاحب نماز پڑھ کر تشریف لائے تو اسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا اس پر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں انہوں نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کتنے دنوں سے ہیں انہوں نے مدت بتائی اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تکفیر کا میرا ارادہ پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپ کے موافق

[1] کیا اچھا فیصلہ ہے (اشرف علی)

لکھدوں گا مگر الحمد للہ کہ اس وقت نماز کی برکت سے مجھ پر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اس کے مسلمان (نمازی) بھی نہ بنا سکے اور مولوی اسمٰعیل جس طرف کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دیانت دار بنا گیا ہے پس قابل تکفیر تم ہو[1] نہ کہ مولوی اسمٰعیل لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ میں کچھ نہ کہوں گا اس پر وہ بے نیل ومرام واپس ہو گئے یہ قصہ بیان کر کے خان صاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص سے ملا ہوں جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا حالانکہ وہ بڈھا ہو گیا مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا اور دنیا کی تمام بازیوں مثل کبوتر بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

<u>حکایت (۶۳)</u>خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب نے بروایت مولانا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رام پور جانے کا ارادہ ہوا یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا جب علماء رام پور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جاوے اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کے لئے منتخب بھی کر لیا گیا اس زمانہ میں رام پور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے جو رام پور ہی کے رہنے والے تھے جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رام پور سے پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چل کر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات کی اور ان لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کا رام پور تشریف لے جانا مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علما نے آپ لوگوں سے مناظرہ کا مشورہ کیا ہے اور وہ مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اور اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا جانا کسی طرح مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء ان کے خاص طور پر درپے ہیں اس کے بعد وہ خاص طور پر مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور ان سے خصوصیت کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا اور درخواست کی کہ

---

[1] اس بنا پر نہیں کہ تمہارا اثر ساتھی پر نہ ہوا بلکہ اس بنا پر کہ اتنے بڑے خادم اسلام کی تکفیر کی جو بروئے حدیث موجب تکفیر ہے پس حدیث کے جو معنی بھی ہیں اسی معنی کو یہ قابلیت بھی ہے تکفیر کی (اشرف علی)

آپ ہر گز رام پور تشریف نہ لے جاویں مولانا نے فرمایا کہ یہ آپ کا احسان ہے[1] کہ آپ نے ہم لوگوں کی وجہ سے اس قدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپ کے ممنون ہیں لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اتنی پریشانی ہو کیونکہ وہ لوگ یا معقول میں گفتگو کریں گے یا منقول میں 'تو جوبات ہمیں معلوم ہو گی ہم اس کا جواب دیں گے اور جو نہ معلوم ہو گی ہم صاف کہہ دیں گے کہ ہم نہیں جانتے[2] اور اگر وہ معقول میں گفتگو کریں گے تو خدا نے عقل ہمیں بھی وہی ہے وہ اشراقیہ اور مشائیہ کا جمع کیا ہوا گوہ اچھالیں گے اس کے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے گوہ اچھالیں گے دیکھیں وہ کہاں تک چلتے ہیں غرض مولانا نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ مولانا رام پور پہنچے جب وہ رام پور پہنچے ہیں 'تو حسب قرار داد باہمی علماء رام پور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرے کے لئے بھیجا اس نے پہنچ کر مولانا سے سوالات شروع کیے اور مولانا نے تمام سوالات کا جواب دیا یہ گفتگو تین روز تک رہی جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کے سوالات تو ختم ہوئے اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی کروں انہوں نے اجازت دی مولانا نے صرف چار سوال کیے 'دو معقول کے اور دو منقول کے 'مگر ان کو جواب نہ بن آیا اسلیے انہوں نے مہلت چاہی کہ میں کل جواب دوں گا آپ نے اجازت دیدی اگلے دن صبح کی نماز کے وقت ان کا حجرہ نہ کھلا لوگوں نے نماز کیلئے اٹھانا چاہا مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا تب لوگوں کو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ اتار کر اندر داخل ہوئے دیکھا تو وہ عالم صاحب مرے پڑے ہیں اور انہوں نے سر میں پتھر مار کر خودکشی کرلی ہے۔[3]

---

[1] یہ ہے ادب مشیر کا کہ اگر اسکے مشورہ پر عمل نہ بھی کیا جاوے تب بھی اس کی شکر گذاری کرے یہ نہیں کہ اس کو رد کرنا شروع کردے جیسا آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے [2] یہ ہے ادب علم دین کا کہ جوبات معلوم نہ ہو بے تکلف لاادری کہدے یہ نہیں کہ اپنے جہل کو مختلف انچ پیچ سے چھپادے جیسا کہ آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے [3] ایسا رسوائی کا خوف کیا مگر اس رسوائی سے نہ بچے جبکہ اس قصے کی شہرت عام ہو گئی یہ تو دنیا کا خسارہ ہوا کہ جان اور جاہ دونوں برباد ہو گئے اور آخرت کا خسارہ کہ خودکشی پر استحقاق مواخذہ ہے یہ جدا رہا۔ احقر کے وجدان میں خسارہ دارین سزا ہے اہل اللہ کے ساتھ عداوت اور آویزش کی بقول عارف شیرازی ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ۔۔۔ بادرد کشاں ہر کہ درافتاد وبرافتاد

حکایت (۶۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے بہت گہرے دوست تھے اتفاق سے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں سے جارہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا اور وہ تلوار نکال کر اس کے مارنے کو دوڑے مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو وہ گالیاں بیجا نہیں دیتا بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے[1] کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے کہ یہ بڑا بددین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے سو اس میں وہ کیا بیجا کہتا ہے میری باتیں اس کیلئے تو واقعی نئی ہیں علماء نے یہ باتیں ان بیچاروں کہاں سنائی ہیں پھر اسکو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے اس کا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے مولانا کا دوست ہو گیا

حکایت (۶۵) خان صاحب نے فرمایا کہ اکبری مسجد کے صحن میں پہلی صف میں کسی وجہ سے ایک پتھر نیچا ہو گیا تھا اور برسات کے موسم میں اس میں گارا کیچڑ ہو جاتا تھا سب نمازی اپنے کپڑوں کو بچانے کیلئے اس کو چھوڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور اس وجہ سے صف میں فرجہ رہتا تھا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب شہید خوش پوشاک تھے ایک روز عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اکبری مسجد میں تشریف لائے آپ نے صف اول میں فرجہ دیکھا آپ اسی جگہ گارے کیچڑ میں بیٹھ گئے[2] اور کپڑوں کا ذرا خیال نہ فرمایا۔

---

[1] آپ نے کبری کے صدق پر نظر فرمائی جو دینی مسئلہ ہے کہ جو نئی بات نکالے بددین ہے اور صغری ایک واقعہ ہے خود ان کی ذات سے متعلق اس میں کوئی دین کا ضرور نہیں اسلیے اس پر نظر نہیں فرمائی رہا یہ کہ یہاں ایک صغری اور بھی ہے کہ فلاں عمل جو واقع میں سنت ہے) نئی بات ہے اور یہ تغیر ہے شرع کی سو یہ ایک فرعی غلطی ہے جو کہ اعمال میں سے ہے اصولی غلطی تو نہیں جو کہ عقاید میں سے ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ جو نئی بات دین میں ہو وہ اچھی ہے اور فرعی غلطی سہل ہے اور اسکی اصلاح بھی قریب ہے (اشرف علی) [2] ایسے شخص کو تزئین کا حق ہے

حکایت (۶۶) خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب کے صاحبزادے حافظ عبدالعزیز ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطباء نے جواب دیدیا ان کے والدین کو اس وجہ سے تشویش تھی اتفاق سے میاں جی نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرمارہے ہیں اور میں مسجد کے اندر ہوں اور میرے پاس عبدالعزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے اور طرف کو راستہ نہ تھا اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی تھی اسلیے میں اسے مولوی اسمٰعیل صاحب کی طرف کو لے گیا جب عبدالعزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انہوں نے تین مرتبہ یاشافی پڑھ کر اس پر دم کردیا اس خواب کے بعد جب آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبدالعزیز اچھا ہو گیا[1] اطباء غلط کہتے ہیں کہ یہ نہ بچے گا میں نے اس وقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے صبح ہوئی تو میاں عبدالعزیز بالکل تندرست تھے۔

حکایت (۶۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمود پھلتی بیان فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ ہوئی تھی مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل شہید قصبہ پھلت میں منبر پر کھڑے ہو کر نکاح ثانی کی ترغیب دلا رہے تھے پھلت کے صاحبوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو پھر پوچھنا اور یہ فرما کر وعظ بند کر دیا اور منبر پر سے اتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہو گئے اور دہلی پہنچ کر بہن کے پاس پہنچے ان کی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں اور دمہ کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تھیں آپ نے اپنا عمامہ بہن کے قدموں پر ڈالدیا اور فرمایا بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ

---

[1] اس سے خواب کو موثر نہ سمجھا جاوے بلکہ وہ مبشر تھا جیسا حدیث میں ہے۔ (اشرف علی)

سکتا انہوں نے کہا کیا بات ہے فرمایا کہ تم نکاح کر لو انہوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں لیکن میں نکاح کے قابل ہی نہیں مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اس پر وہ رضامند ہو گئیں اور ان کا نکاح مولوی عبدالحی صاحب سے کر دیا گیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے نکاح ہونے کے بعد بھی وہ بیماری رہیں اور میرے والد کو ان سے صحبت کا کبھی اتفاق نہیں ہوا[1] اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اس وقت سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاح ثانی تھا۔

<u>حکایت (۶۸)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب تم پر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہوا انہوں نے کہا میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوۃ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کر لے لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دے کر ان کا نکاح کروا دیا اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں۔[2]

<u>حکایت (۶۹)</u> خان صاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتداء میں نہایت آزاد تھے کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کا کھیلتے تھے کنکوا بھی اڑاتے تھے شطرنج بھی کھیلتے تھے مگر

---

[1] یعنی اس دین یہ ہے جوان زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظ نفسانی کے محض احیاء سنت کیلئے نکاح کیا۔ [2] اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گاہے افضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ

باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے ، جی حضور! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔[1]

حکایت (۷۰) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے سید صاحب اس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ گئے جب یہ دونوں میلہ میں پہنچے سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپنے کس لیے پڑھا تھا کیا سواد کفار بڑھانے کے لیے آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا کفار کے میلے کی رونق بڑھائے کس قدر شرم کی بات ہے مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ سید صاحب آپ بجا فرماتے ہیں[2] واقعی میری غلطی ہے اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حکایت (۷۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مرزا ثریا جاہ بیان فرماتے تھے کہ اکبر شاہ بادشاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا اسلیے بادشاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے اور تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں اور اس کیلئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا جس

[1] یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا۔ [2] شاگرد کی نصیحت کو تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کس قدر مجاہدہ عظیمہ ہے

میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے ان کی بھی دعوت کی گئی اور جو شہزادے وغیرہ ان کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا اور اس عرصہ میں یہ کاروائی کی گئی کے مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسماعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارھویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیے تو جلسہ منعقد کیا گیا سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسماعیل صاحب کو ذرا دیر ہوگئی اس پر اور انکو موقع ملا اور انہوں نے بی چھکو سے کہا دیکھئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا اس پر وہ اور بھی برہم ہوگئیں غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے ہیں اسوقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے ان کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا اخاہ یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے اماں سلام[1] جب انہوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کافور ہوگیا اور انہوں نے بڑوں کے قاعدے سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا۔ بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط ہے بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں اس پر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں پوچھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں؟ مولانا نے فرمایا جی ہاں چنانچہ وہ فرماتے ہیں من احدث فی دیننا هذا مالیس منه فهورد اور حدیث پڑھ کر اس کی

---

[1] اس پر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ اسمیں بھی ہو سکتی ہے باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ بے ادب اور متشدد ہیں (اشرف علی)

تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت کرے گی تو اس حرام زدگی کی ناک چٹیا کاٹ لونگی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حکایت (۷۲) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی (مولوی یحیٰی صاحب کے والد) اور مولوی عبدالرحیم صاحب (رانڈونکی شادی والے) بیان کرتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلہ ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ کہتے اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے۔ آپ حضرات نظام الدین اولیاء میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا۔ جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا۔ اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیے اس پر ایک بڈھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں اس کو قتل کروں غرض یہ امر طے پا گیا ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرمارہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے لگی اور ان کا شانہ زخمی ہو گیا خان صاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اس پر مولانا کے دوست اس بڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے مولانا نے اس بڈھے کو چھڑا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔[1]

[1] حیلولة بین المظلوم والانتقام کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ یہ انتقام اپنی مظلومیت کا نہ تھا مولانا کے لیے تھا۔ اور تیقن تھا یہ کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کریں گے۔ (اشرف علی)

حکایت (۳۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے اور ان کے کاتب تھے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا آپ ان کو روک دیجئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کر لو اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا اور وہ غالب آگیا تو اس کے ساتھ ہو جاؤں گا مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوا اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرمادی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہو گی شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں مگر وہ مانیگا نہیں اور حدیثیں پیش کریگا اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اس وقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے من تمسك سنتي عندفساد امتي فله اجرمائة شهيد کیونکہ جو کوئی سنت متر دکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہو گی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں

سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے [1] جبکہ سنت کی مقابل خلاف سنت ہو اور مانحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حکایت (۴۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیدیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچی آپ نے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھ دیا ایک مرتبہ ایسا اتفاق کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے ہی میں آدمی واپس چلا گیا اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا اور کہا کہ فلاں وقت دوں گا چونکہ یہ بات مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی اس لیے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب مولوی اسمٰعیل عاجز آگئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ بس دے لیا جواب یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی انہوں نے کہا وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسمٰعیل صاحب نہیں دے سکتے اس پر ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خاں مناظرہ میں غالب رہا چنانچہ گفتگو میں مزاج مکدر ہو گیا تھا اسلیے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چل دیے۔ لے نام آرزو کا تو دل کو نکالدیں مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم (آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے) جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا کہ مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ [2] ان کو منانے کے لیے گئے کچھ گفتگو ہو کر صلح ہو گئی اس وقت مومن خاں نے

---

[1] اس وقت بے ساختہ زبان پر آتا ہے فوق کل ذی علم علیم (اشرف علی) [2] مومن خاں کا بھی کمال ہے کہ حق پر اتنی پرانی دوستی قطع کر دی اور مولوی صاحب کا بھی کمال کہ باوجود اتنی بڑی شان کے ان سے صلح کی ابتداء فرمائی۔

یہ شعر پڑھا ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ یہ قصہ میں نے متعدد ثقات سے سنا ہے مگر نام یاد نہیں رہے۔

حکایت (۷۵) حاجی امیر شاہ خان صاحب خادم خاص حضرت نانوتوی نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے ملا نواب صاحب نے (جو شاگرد ہیں حافظ دراز محشی صدرا کے اور شاگرد ہیں مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی کے اور مجاز ہیں شاہ احمد سعید صاحب برادر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے اور استاد ہیں مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری کے) روایت کی (نیز مولوی اسمٰعیل صاحب ابن ملا نواب صاحب نے بھی اس واقعہ کی روایت کی) کہ میں یعنی ملا نواب صاحب) پندرہ برس کا تھا اور اپنے استاد حافظ دراز صاحب کی انگلی تھامے ہوئے (جو نابینا تھے) مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کی خدمت میں حاضر ہوا (یہ وہ وقت تھا کہ مولانا شہید پشاور میں قیام پذیر تھے اور اپنے گھوڑے پر کھرکھرہ کر رہے تھے) حافظ دراز صاحب نے اسی حالت میں چند معقولی سوالات کیے جن کا جواب حضرت شہید نے نہایت سادگی اور متانت سے اسی وقت دیدیا حافظ دراز صاحب شافی جوابات لیکر واپس ہونے لگے تو مولانا شہید نے فرمایا کہ حافظ صاحب ایک سوال میرا بھی ہے حافظ صاحب ٹھہر گئے اور مولانا کا سوال سنا اور جواب دیا اس پر مولانا نے شبہ فرمایا اس کا جواب پھر حافظ صاحب نے دیا مولانا نے اس پر پھر شبہ پیش فرمایا حافظ صاحب نے اس کا بھی جواب دیا مولانا نے پھر تیسری دفعہ خدشہ پیش فرمایا تو حافظ صاحب کو غصہ آگیا اور طیش میں آکر بجائے جواب کے غیر مہذب عربدہ شروع کر دیا[1] جس سے مولانا کی پگڑی زمین پر گر پڑی مولانا نے اسی سادگی سے خاک آلود پگڑی اٹھا کر پھر سر پر رکھ لی اور فرمایا کہ حافظ صاحب میں نے تو آپ کے کتنے سوالات کے جواب عرض کیے مگر آپ تو ایک ہی سوال پر خفا ہو گئے۔

حکایت (۷۶) اس کتاب کی حکایت نمبر (۵۴) میں بذیل مکالمہ حضرت شہید اور سبحان علی خاں میر منشی علی نقی خاں وزیر شاہ اودھ تین سوال سبحان علی خاں کے نقل کیے گئے ہیں جن کا

---

[1] اس عربدہ پر ایک شعر یاد آگیا چو حجت نماند جفا جوئے را بہ پرخاش در ہم کشد روئے را

جواب مولانا شہید نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ روک کر دیا انہی میں سے ایک مسئلہ اور ہے جو خان صاحب نے مجھ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے فرمایا اور وہ یہ کہ اثناوعظ میں ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا ذکر آیا تو سبحان علی خاں پھر بولا اور اس نے حضرت علی کی شان میں زبان مدح اور حضرت امیر معاویہ نیز اور دوسرے صحابہ کی شان میں زبان تنقیص کھولی تو مولانا شہید پھر کھڑے ہو گئے اور مولینٰا عبدالحی صاحب کو روک کر سبحان علی خاں سے استفسار کیا کہ بتاؤ حضرت علی کے دربار میں امیر معاویہ پر تبرا ہوتا تھا؟ اس نے کہا کہ نہیں حضرت علی کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا پھر پوچھا کہ حضرت معاویہ کے یہاں حضرت علی پر تبرا ہوتا تھا؟ کہا کہ بیشک ہوتا تھا اس پر مولانا شہید نے فرمایا کہ اہل سنت الحمد اللہ حضرت علی کے مقلد ہیں اور روافض حضرت امیر معاویہ کے اور پھر خود ہی اپنے امام کے حق میں زبان تنقیص بھی کھولتے ہیں اور ہم اپنے امام کے مقلد ہیں کہ انکو اور انکے سوا سب صحابہ کو اپنا مقتداء جانتے ہیں۔

<u>حکایت (۷۷)</u> مولانا اسمٰعیل شہید جب سید صاحب کے قافلہ میں حج سے واپس ہوئے ہیں تو راستہ میں لکھنو میں بھی قیام ہوا اور وہیں حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات کی خبر معلوم ہوئی سید صاحب نے فرمایا کہ آپ دہلی ابھی چلے جائیں اور وہاں پہنچ کر تحقیقی اطلاع دیں کہ وفات ہوئی یا نہیں اور مولانا شہید کو خاص اپنی سواری کا نقرئی رنگ کا گھوڑا سواری کیلئے دیا مولانا شہید ادب کی وجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے کہ سید صاحب کا خاص گھوڑا ہے اور لکھنو سے دہلی تک اس کی لگام تھام کر آئے۔

<u>حکایت (۷۸)</u> مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمتہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا شہید کا ذہن اس درجہ سریع الانتقال تھا کہ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھلا کر پانچ مختلف مضامین لکھاتے تھے اور اس طرح بتلاتے اور املا کراتے کہ کسی کا قلم نہ رکتا تھا۔

<u>حکایت (۷۹)</u> مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ

فرماتے تھے کہ مولانا رشید الدین خاں صاحب (جو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت واستعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کیے جاتے تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبہ سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو دینیات کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے (مطلب یہ تھا کہ مولیٰنا شہید معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں رکھتے) اتفاقاً مولانا شہید کو ایک دن بخار آگیا اور مولانا رشید الدین خان صاحب عیادت کیلئے تشریف لے گئے مولانا شہید فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اور اسی پریشانی میں انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے مولانا رشید الدین خان صاحب بالکل ساکن رہے واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو معقولات کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمایا کہ بیشک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جوب نہیں دے سکتے۔ (منقول روایات الطیب)

حکایت (۸۰) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی جس کا نام بی چھکو تھا بڑی تیز مزاج تھی ان سے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں انہوں نے کہا بلاؤ مولانا اسمٰعیل کو وعظ کے حیلے سے بلایا گیا مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور بالکل خالی الذہن تھے آنے کے بعد معلوم ہوا کہ بی چھکو سے کسی نے اس طرح سے لگایا ہے مولانا نے بی چھکو کو اس طرح سے سلام کیا کہ اماں سلام انہوں نے کہا کہ اسمٰعیل میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو فرمایا کہ اسمٰعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں کہا یہ کیسے آپ نے کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار (حدیث پڑھ کر اس پر ایک مبسوط بحث کی جس سے وہ تائب ہو گئی اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو ان کی ہی رضا مندی کیلئے

کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

حکایت (۸۱) فرمایا کہ بی بی کی صحنک شاہ عبدالقادر صاحب کے گھر میں بھی ہوتی تھی اس کے خاص آداب ہیں یہ کہ کھانے والی کوئی دو خصمی نہ ہو اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔ ایک مرتبہ جب شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی تو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وہاں پہنچ گئے۔ مولانا نے منع فرمایا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصال ثواب ہے اس میں کیا حرج ہے: مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس کے کیا معنی ہیں آیۃ **وقالو اھذہ انعام وحرث وحجر لا یطعمھا الامن نشاء بز عمھم** (ولو اننا پارہ ۸ رکوع ۳ سورۂ انعام) ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ واقعی درست ہے۔ ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار آئندہ اس کو ہرگز نہ کرنا۔

حکایت (۸۲) فرمایا کہ میر پنجہ کش بہت خوش خط تھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب لکھنے میں مہارت نہ رکھتے تھے ایک دفعہ میر پنجہ کش نے مولانا اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم نے لکھنا کیوں نہیں سیکھا مولانا شہید نے ایک جیم خود لکھا اور ایک ان سے لکھایا اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے کہا جیم اور پھر اپنے لکھے کو پوچھا تو انہوں نے اس کو بھی جیم بتلایا فرمایا کہ بس لکھنا اتنا ہی کافی ہے کہ لکھا ہوا سمجھ میں آجاوے باقی فضول ہے۔

حکایت (۸۳) فرمایا کہ ایک شخص کا نام محمد کالے تھا اور وہ اپنا سجع کہلانا چاہتا تھا۔ اکثر نے انکار کر دیا کہ محمد ﷺ تو گورے تھے کالے کہاں تھے اسمیں جوڑ کیسے ملائیں۔ وہ مولانا اسمٰعیل شہید کے پاس پہنچا تو آپ نے فوراً سجع کہدیا کہ (ہر دم نام محمد کالے)۔

حکایت (۸۴) فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل شہید بچپن میں بہت شوخ اور تیز طبیعت تھے شاہ عبدالعزیز ہر چند چاہتے تھے کہ یہ وعظ میں آیا کریں مگر یہ بھاگتے تھے ایک روز لڑکوں کیساتھ کھیلتے ہوئے آئے شاہ صاحب اس وقت بیت الخلاء میں تھے انکو خبر نہ تھی انہوں نے لڑکوں سے کہا

کہ میں وعظ کہتا ہوں سنو اور درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر چڑھ گئے اور شاہ صاحب کے وعظ کی بعینہ نقل کر دی بلکہ اور اپنی طرف سے نفیس افاوات زیادہ کر دیے شاہ صاحب جب اندر سے نکلے تو سب کود کود کر بھاگ گئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تم کو وعظ میں آنے کی ضرورت نہیں۔

حکایت (۸۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز کا وعظ ہو رہا تھا کہ مولانا اسمٰعیل آئے اور سب کی جوتیاں لے کر سقایا میں ڈال دیں۔ بعد وعظ لوگوں کو تلاش ہوئی۔ شاہ صاحب کو اطلاع کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ اسمٰعیل کی شرارت ہو گی کہیں سقایا میں نہ ڈال دی ہوں۔ لوگوں نے سقایا کو جا کر دیکھا تو اس میں ابل رہی تھیں۔ بچپن تھا اور بوجہ محبت کسی ناگواری بھی نہ تھی۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ ازاحقر ظہورالحسن کسولوی

حکایت (۸۶) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ایک بار فرمایا کہ لکھنو میں شیعوں کا مجتہد لباس بدل کر سید صاحب کے پاس آیا مولوی اسمٰعیل صاحب موجود نہ تھے کہیں سیر سپاٹے کو گئے ہوئے تھے مجتہد نے کہا کہ مجھے چند مسئلے دریافت کرنے ہیں سید صاحب نے فرمایا پوچھو مولوی عبدالحی صاحب کا قاعدہ تھا کہ سائل کا سوال سن کر ذرا سکوت فرماتے پھر جواب دیتے تھے چنانچہ حسب عادت مولوی صاحب نے مجتہد کو جواب دیا مجتہد نے کہا اس بیان سے تو کچھ تسکین نہ ہوئی چلتے ہیں مجتہد صاحب سے دریافت کریں گے۔ کیونکہ وہاں پورے طور سے تسکین ہو جاتی ہے یہ کہ کر فوراً اٹھ کر چلدیا گویا الزام دے گیا کچھ دیر بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب آئے اور معاملہ معلوم کیا تو افسوس کرنے لگے کہ ہم نہ ہوئے مولوی اسمٰعیل صاحب کشیدہ قامت سپاہیانہ وضع پر رہتے تھے ایک دن بلا اطلاع مجتہد صاحب کی مجلس میں جا پہنچے اور کہا "چونکہ سنیوں کی صحبت اکثر رہتی ہے اور وہ لوگ مختلف سوالات پوچھا کرتے ہیں چانچہ چند سوالات دقت طلب تھے انکا جواب دریافت کرنا چاہتا ہوں" مجتہد صاحب نے نہ پہچانا اور کہا کہ

پوچھو مولوی اسمٰعیل صاحب نے سوال شروع کیے مجتہد بیچارا جو جواب دیتا اس کو رد کر دیتے حتیٰ کہ وہ ساکت ہو رہا مولوی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ چلیں سید صاحب سے ہی دریافت کریں وہ پورے طور سے تسکین کر دینگے اور تسلی وہیں جا کر ہوتی ہے" اتنا کہ کر چلدیے جب باہر نکل آئے تو مجتہد کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی اسمٰعیل تھے سخت افسوس کیا اور اپنے لاجواب ہونے پر کمال نادم ہوا۔

حکایت (۸۷) ایک بار ارشاد فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید اور حضرت سید صاحب کا یہ مشرب تھا کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کے مقابلہ میں کسی کے قول پر عمل نہ کرے اور جہاں حدیث صحیح غیر منسوخ نہ ملے تو مذہب حنفی سے بڑھ کر کوئی مذہب محقق نہیں" ایک بار یہ دونوں حضرات لکھنو تشریف لے گئے تھے وہاں پہنچ کر اہل ہند پر حج کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا لکھنو کے علماء ان کے مخالف ہو گئے اور دلیل پکڑی ان ضعیف فقہی روایتوں کی کہ جن میں دریائے شور (کہ ہند و حجاز کے درمیان حائل ہے) مخل امن طریق لکھا ہے۔ غرض یہ بات ٹھہری کہ شاہ عبد العزیز صاحب کا قول دونوں فریق فیصل سمجھیں۔ چنانچہ اہل لکھنؤ نے شاہ صاحب کو لکھا وہاں سے جواب آیا کہ دونوں فریق کو میرا قائم مقام سمجھو اور فقیر کی رائے بھی یہی ہے کہ اہل ہند پر حج فرض ہے۔

(منقول از تذکرہ الرشید)

مولانا شاہ محمد اسحاق کی حکایات

حکایت (۸۸) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جسکو میں بیان کرنا چاہتا ہوں، میں نے مولوی عبد القیوم صاحب سے بھی سنا ہے اور مولانا گنگوہی سے بھی اور مولانا نانوتوی سے بھی اور اپنے استاد میانجی محمدی صاحب اورنگ آبادی سے بھی اور آخر میں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بھی سنا ہے بڑے میاں (مولوی محمد اسحاق صاحب اور چھوٹے میاں مولوی محمد یعقوب) صاحب جب مکہ حرم میں داخل ہوتے تو دروازے پر جوتے چھوڑ جاتے مگر باوجود اس کے کہ وہاں

جوتے کا محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے اور سینہ کے سامنے سے اور سر کے سامنے سے خاص حرم کے اندر سے جوتا اٹھ جاتا ہے' انکا جوتا کبھی چوری نہیں گیا یہ واقعہ دیکھ کر لوگ متعجب ہوتے اور ان حضرات سے پوچھتے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات کا جوتا چوری نہیں جاتا وہ فرماتے کہ جب ہم جوتا اتارتے ہیں تو چور کیلئے اس کو حلال کر جاتے ہیں اور چور کی قسمت میں حلال مال نہیں اسلئے وہ انہیں نہیں لے سکتا یہ قصہ بیان فرما کر خان صاحب نے فرمایا کہ میں یہ قصہ مولوی محمود الحسن صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اصل میں تعلیم تھی شاہ عبدالقادر صاحب کی کہ جب شاہ صاحب کے زمانہ میں اکبری مسجد میں سے جوتے چوری جانے لگے تو شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے جوتے چوروں کے لئے حلال کر دیا کرو پھر وہ انہیں نہ لیں گے۔

<u>حکایت (۸۹)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد میں ایک گاؤں ہے حسن پور، جس کو میں نے بھی دیکھا ہے بہت بڑا گاؤں ہے یہ ایک وقت میں مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا مولوی مظفر حسین صاحب فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے کچھ ملول سے رہتے تھے لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش ہیں اور خوشی میں ادھر سے ادھر آتے جاتے اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کر رہے ہیں میں یہ دیکھ کر سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آئی ہے جس سے یہ اس قدر خوش ہیں یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں مگر بڑے میاں صاحب سے تو پوچھنے کی جرات نہ ہوئی چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ بہت خوش نظر آتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے انہوں نے متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سنا میں نے کہا نہیں' فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا ہے یہ خوشی اس کی ہے کیونکہ جب تک وہ تھا ہم کو خدا پر پورا توکل نہ تھا اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا ہے[1] جب خان صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو احقر کو مومن خاں کی

---

[1] اس سے جو کچھ کمال توکل و توحید و معرفت ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے

خوشی یاد آگئی[1] اور میں نے یہ شعر پڑھا :-

کیایار کے آنے کی سنی یا اجل کی   کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جان حزیں یہ

حکایت (۹۰) خان صاحب نے فرمایا کہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی کے بڑے بھائی بالکل غیر مقلد تھے مگر مولانا نانوتوی کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے حافظ عبدالرحمٰن بھی کسی قدر غیر مقلدی کی طرف مائل اور مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حافظ عبدالرحمٰن مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی حسین خاں صاحب خورجوی کے شاگرد اور بہت سمجھدار اور اردو شاعری کے بڑے استاد تھے مگر خدا کی شان کہ نہ ان کا فارسی کا دیوان مرتب ہوا اور نہ اردو کا دو شعر ان کی مجھے یاد ہیں صرف ان کی قابلیت دکھلانے کیلئے ان کے شعر لکھواتا ہوں غالب اور شہیدی کے جانی دشمن تھے اسلئے ان کے کلاموں کو پلٹ دیا کرتے تھے چنانچہ غالب کہتا ہے :-

ہے خبر گرم ان کے آنے کی :: آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس کو حافظ صاحب نے یوں پلٹا ہے :-

بچھ گیا میں جو گھر میں وہ (یا تم) آئے :: زہے قسمت کہ بوریا نہ ہوا

شہیدی قصیدے کا شعر ہ :-

ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے میرا ہے یہی ایمان   نہ مانو مسئلہ ہر گز کسی زندیق و مرتد کا

حافظ صاحب نے اسے یوں پلٹا ہے :-

ترا ثانی بامکان وقوعی[2] ہو نہیں سکتا   نفی امکان[3] مطلق کی مگر ہے قول مرتد کا

غرض اسی طرح اسکے پورے قصیدے کو رد کیا ہے۔ یہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب بیان کرتے تھے

---

[1] اور مجھ کو حضرت غوث پاکؒ کی خوشی یاد آگئی جس وقت خادم نے ایک قیمتی چینی آئینہ کے ٹوٹ جانے کی ڈرتے ڈرتے اس مصرعہ سے اطلاع کی کہ ع از قضا آئینہ چینی شکست ' آپ نے فی البدیہہ فرمایا ع خوب شد اسباب خود بینی شکست [2] یعنی ایسا امکان جو جس کے موصوف کے وقوع سے کوئی استحالہ لازم نہ آئے نہ بالذات نہ بالغیر [3] فاء کی حرکت بضرورت شعر ہے

کہ نواب میر خاں سے جب انگریزوں کی صلح ہو گئی تو اس صلح کے اندر یہ امر طے ہوا تھا کہ وزیر الدولہ کو ہم اپنے زیر نگرانی رکھیں گے مگر یہ انہیں اختیار ہو گا کہ وہ جہاں چاہیں وہاں رہیں۔ انہوں دہلی کو پسند کیا اور وہ دہلی رہنے لگے بچپن سے صالح تھے مولوی غلام جیلانی رامپوری انکے استاد تھے مولوی صاحب موصوف مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی کے ماموں تھے چونکہ نواب وزیر الدولہ بچپن سے نیک تھے اسلئے ان کے پاس دہلی کے لڑکے جو انکے ہم عمر تھے' بے تکلف آنے جانے لگے ان میں ایک لڑکا وہ تھا جو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور حق گو بھی تھا چونکہ عام طور پر اپنے استاد کی طرف خاص میلان ہوتا ہے۔ اسلئے وزیر الدولہ اپنے استاد کی اکثر تعریف کیا کرتے اور کبھی کبھی دہلی والوں کی تنقیص بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر وہ لڑکا برابر ان کی تردید کرتا رہتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ آپ کے استاد ایسا عمامہ[1] باندھتے ہیں ایسا انگرکھا پہنتے ہیں ایسا پاجامہ پہنتے ہیں ایسا جوتا پہنتے ہیں مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں دہلی والے بیچارے بوریوں پر بیٹھتے ہیں دھوتر کا کرتہ پہنتے ہیں گاڑھے کا پاجامہ پہنتے ہیں اھوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں' مگر باوجود اس کے آپ کے استاد کے علم کو ان کے علم سے کیا نسبت' انکے علوم بہت گہرے ہیں خدا کی شان کہ ایک روز کسی نے مولوی غلام جیلانی صاحب سے یہ سوال کیا کہ حضرت تعزیہ کا بنانا کیسا ہے؟ مولوی غلام جیلانی نے جواب دیا کہ برا ہے ہرگز نہیں بنانا چاہیے اس نے کہا کہ بنے ہوئے تعزیہ کی توہین کرنا مثلاً اسکو توڑنا پھوڑنا اسپر پاخانہ پیشاب پھرنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں چاہیے ہاں اسے دفن کر دے اسلئے کہ اسپر امام حسین کا نام آگیا ہے لہذا اس کا احترام کرنا چاہئے یہ سن کر وہ لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے بہت ادب سے یہ کہا کہ مولانا گوسالہ پر کس کا نام آگیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا اسپر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا۔ اس لڑکے نے اسی جلسہ میں نواب وزیر الدولہ کو سلام کیا اور کہا کہ حضور میں نہ کہتا تھا کہ دہلی والوں کے علوم بڑے گہرے ہیں میں صرف کبھی کبھی صرف میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق

[1] یعنی عمدہ اور قیمتی۔ (اشرف علی)

صاحب) کے پاس بیٹھتا ہوں اس کا اثر یہ ہوا کہ وزیر الدولہ اس خاندان کے گرویدہ ہو گئے اور سید صاحب سے بیعت بھی ہوئے۔

حکایت (۹۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحاق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب یہ حضرات سب کے سب متحد اور یکجان اور قوالب متعددہ تھے جب شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہو گیا تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحب کا جانشین کسی کو بنایا جائے مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ اسحاق صاحب سے تیرہ برس بڑے تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب دس[1] برس اور سید صاحب آٹھ برس ان سب کی رائے ہوئی کہ شاہ اسحاق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے[2] اور یہ طے ہو گیا کہ مدرسہ کے اندر صدر پر شاہ محمد اسحاق صاحب بیٹھیں اور کوئی نہ بیٹھے اور مدرسہ سے باہر جس طرح چاہیں بیٹھیں پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسہ میں صدر پر شاہ صاحب بیٹھتے اور دوسرے لوگ خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبدالحی صاحب سب آپ کے سامنے باادب بیٹھتے اور مدرسہ سے باہر سید صاحب صدر پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبدالحی صاحب صدر پر ہوتے تھے اور شاہ اسحاق صاحب اور دوسرے لوگ ان کے سامنے باادب[3] بیٹھتے تھے اور مولوی اسماعیل صاحب نہ مدرسہ میں صدر[4] ہوتے تھے نہ مدرسہ سے باہر۔

---

[1] حکایت نمبر ۸۸ میں القاب سے اور حکایات (۵۴) میں صریح الفاظ سے شاہ محمد اسحاق صاحب کا بڑا ہونا مذکور ہے اور یہاں اس کا عکس ذہن میں امر اول ہی تھا پھر اس تعارض کو دیکھ کر مکرمی عبدالعلی صاحب سے بواسطہ حافظ محمد عثمان تحقیق کیا گیا امر اول ہی صحیح ہے اس مقام پر کچھ سہو ہوا ہے خواہ اصل راوی کو خواہ کاتب کو چونکہ دوسرے سب حضرات مذکورین مقام بڑے تھے تغلیباً ان کا بھی شمار ان میں بلا قصد ہو گیا مراد یہ ہو گی باوجودیکہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھی کسی دوسری وجہ سے ترجیح ہو گی مثلاً ان کا مصلحت اندیش ہونا جیسا ایک حکایت سے سفارش نہ کرنے کی مصلحت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے، مگر پھر بھی ان کو منتخب نہیں کیا گیا ۱۲ [2] اس وقت اس میں مصالح دینیہ ہونگے اور اب تو محض رسم مفاسد سے پر رہ گئی ہے اسلیے نہ اول کو ثانی پر عدم جواز میں اور نہ ثانی کو اول پر جواز میں قیاس کیا جاوے۔ [3] کیا انتہا ہے اس بے نفسی کا[4] اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد (اشرف علی)

حکایت (۹۲) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ محمد اسحاق صاحب کو بہت زور کی بواسیر تھی اور اس کی وجہ سے آپ کو بہت تکلیف تھی کسی شخص نے بواسیر کا عمل بتلایا کہ صبح کی سنتوں میں الم نشرح اور لایلاف پڑھ لیا کرو مگر شاہ صاحب نے اسکو پسند نہ فرمایا اس پر مولوی مظفر حسین صاحب اور نواب قطب الدین خاں صاحب وغیرہ نے زور دیا کہ آپ یہ عمل ضرور کیجئے آپ نے فرمایا کہ اول تو ہم نیک عمل ہی نہیں کرتے صرف ٹوٹے پھوٹے فرض اور سنتیں پڑھ لیتے ہیں ان میں بھی ہم خواہش نفسانی (اور دنیوی غرض) کو داخل کر دیں اور عبادت کو (دنیوی) عمل بنالیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔[1]

حکایت (۹۳) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میں نے بہت سے لوگوں سے سنی منجملہ ان کے مولوی سراج احمد صاحب خورجوی، میاں جی عظیم اللہ صاحب خورجوی اور میاں جی رحیم داد صاحب خورجوی ہیں یہ حضرات فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ قلعہ میں کسی شہزادے نے مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور ان کے خاص لوگوں کی دعوت کی اور اس کے ساتھ ہی ان کے مخالفین جیسے حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو بھی مدعو کیا جب یہ سب لوگ دستر خوان پر بیٹھے اور کھانا سامنے رکھا گیا اور ان لوگوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے تو اس شہزادے نے کہا کہ صاحبو! میں آپ صاحبوں کو اطلاع کرتا ہوں کہ میراں کا بکرا ہے اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے اس پر مولوی محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور آپ کی جماعت نے ہاتھ کھینچ لیے جب مخالف پارٹی نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیے اس پر اس شہزادے نے کہا کہ مولوی اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب تو اس کو حرام کہتے ہیں انہوں نے تو اسلیے ہاتھ کھینچے، آپ لوگ تو اسے

---

[1] کس قدر دقیق اخلاص و تقویٰ ہے۔ (اشرف علی)

جائز کہتے ہیں آپ نے کیوں ہاتھ کھینچے 'آپ صاحب کھائیں مگر کسی نے نہ کھایا[1] اس پر شہزادے نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میراں کا بکرا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ صرف امتحان کے لئے کہا تھا کہ دیکھوں کون اپنے خیال میں سچا ہے اور کون جھوٹا اب مجھے معلوم ہو گیا میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ صاحبان بے تکلف کھائیں مگر حکم دیا کہ جو جو شخص اس کو حلال کہتا ہے اس کو دستر خوان سے اٹھا دیا جاوے اس پر حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ کی جماعت کو اٹھا دیا گیا اور شاہ اسحاق صاحب کی جماعت نے کھانا کھایا۔

حکایت (۹۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبدالجلیل صاحب علی گڑھی کے صاحبزادے مولوی اسمٰعیل صاحب نے بیان فرمایا کہ میرے والد مولوی عبدالجلیل صاحب اپنے زمانہ طالب علمی میں شاہ اسحٰق صاحب کی مسجد میں رہتے تھے اور اس زمانہ میں فتح پوری کی مسجد میں ایک عالم رہتے تھے جن کا نام آخون شیر محمد تھا میرے والد سے تعلیم حاصل کرتے تھے اتفاق سے ایک روز شمس بازغہ کی ایک عبارت کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور وہ جس مسجد میں رہتے تھے اسی مسجد میں ایک مقام پر بیٹھے ہوئے اس عبارت میں غور کر رہے تھے۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب بھی اسی وقت مسجد میں ٹہل رہے[2] تھے شاہ صاحب نے ان کے پاس آکر دریافت کیا کہ میاں صاحبزادے بڑے مصروف ہو کون سی کتاب دیکھ رہے ہو والد صاحب نے اس پر کچھ التفات نہیں کیا اور ہوں ہاں کر کے ٹال دیا شاہ صاحب نے دوسری مرتبہ پھر پوچھا کہ میاں صاحبزادے ہمیں تو بتاؤ کون سی کتاب دیکھ رہے ہو والد صاحب نے پھر ٹال دیا شاہ صاحب پھر چلے گئے تیسری مرتبہ شاہ صاحب پھر ٹہلتے ہوئے آئے اور والد صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ذرا اصرار

---

[1] یہ ہاتھ کھینچنا جیسا حق کے رعب کی دلیل ہے اسی طرح اس کی بھی دلیل ہے کہ اس زمانہ کے اہل ہوا پھر غنیمت تھے کہ عملی تقویٰ کو اپنی بات کی پچ کیلئے نہیں چھوڑا۔ یہ بات بھی قابل قدر ہے اور احقر نے استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس قصہ میں اتنا اور سنا تھا کہ ان صاحبوں نے یہ بھی کہا کہ حرام تو ہم بھی سمجھتے ہیں مگر ان کی ضد میں حلال کہہ دیا کرتے ہیں

[2] احیاناً اس کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ خاص اسی غرض سے مسجد میں داخل نہ ہوا ہو اور عادت کرنا یا اسی قصد سے داخل ہونا مکروہ ہے جیسے دوسرے مباحات جن کیلئے مسجد موضوع نہیں (اشرف علی)

سے پوچھا کہ میاں بتاؤ تو سہی کہ یہ کیا کتاب ہے اور تم اس میں اتنے مصروف کیوں ہو تب والد صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ یہ کتاب شمس بازغہ ہے' میں ایک مقام میں الجھا ہوا ہوں اسے سوچ رہا ہوں اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ کونسا مقام ہے انہوں نے اس کا جواب بھی لاپروائی سے دیا جب کئی مرتبہ شاہ صاحب نے اصرار کیا تب انہوں نے انکو وہ مقام دکھلایا (وجہ ان کی بے التفاتیوں کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب اور ان کے خاندان والے لوگ معقول نہیں جانتے) شاہ صاحب نے اس مقام کو ملاحظ فرما کر فرمایا کہ تمہارے استاد نے یہ بتلایا ہوگا اور تم یہ کہتے ہوگے انہوں نے اقرار کیا اس پر شاہ صاحب نے اسکا صحیح مطلب بتلایا اور عبارت پر اس کو منطبق فرمادیا۔

حکایت (۹۵) خان صاحب نے فرمایا کہ میاں جی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہ ہم بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا کہ میاں عبدالقادر اسحٰق کی طرف بھی توجہ فرماؤ نا اس کا جواب شاہ عبدالقادر صاحب نے یہ دیا کہ حضرت اسحٰق کو ضرورت نہیں[1] ہے وہ بلا ذکر و شغل بوجہ اپنی ریاضت ہی کے ان لوگوں سے بڑھا ہوا ہے جو باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں غرض شاہ صاحب نے چند مرتبہ فرمایا مگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

حکایت (۹۶) خان صاحب نے فرمایا کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں دلی میں ایک عرب عالم تشریف لائے ایک امیر نے ان سے مولود پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے منظور فرمالیا اس کے بعد وہ امیر شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر عرض کیا کہ میرے یہاں میلاد ہے حضور بھی تشریف لائیں اگر حضور تشریف لائینگے تو میں ان عالم مولود خواں کو سات سو روپے دوں گا ورنہ کچھ نہ دوں

[1] اس جواب کی حقیقت وہی ہے جو محققین فرماتے ہیں کہ مقصود اصلی نسبت احسان ہے خواہ اعمال شرعی سے حاصل ہو جاوے خواہ اشغال صوفیہ سے رہا یہ کہ پھر بڑے شاہ صاحب نے توجہ کا کیوں مشورہ دیا سو یا تو حضرت شاہ صاحب کو کمال نسبت احسان کی اطلاع نہ ہوگی یا اسکی تقویت دوسرے طریق سے بھی تجویز فرمائی ہوگی۔ (اشرف علی)

گا جب مولود کا وقت ہوا شاہ اسحاق صاحب اس محفل میں شریک ہوئے محفل سادہ تھی روشنی وغیرہ حد اسراف تک نہ تھی اور قیام بھی نہیں کیا گیا تھا ذکر میلاد منبر پر پڑھا گیا تھا اس کے بعد جب شاہ صاحب حج کو تشریف لیجاتے ہوئے بمبئی پہنچے ہیں تو وہاں ان کے ایک شاگرد نے جس کا نام غالباً عبدالرحمٰن تھا ذکر میلاد کروایا اور اس نے بھی شاہ صاحب کو شرکت کی دعوت دی شاہ صاحب اس میں بھی شریک ہوئے اس محفل کا رنگ بھی اس امیر کی محفل کے قریب قریب تھا اور یہاں بھی نہ قیام ہوا تھا اور نہ روشنی وغیرہ زیادہ تھی جب جلسہ ختم ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم نے بدعت کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ (یہ قصہ بیان فرما کر خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ صرف اتنا ہی سنا ہے' نہ کسی نے یہ بیان کیا کہ [1] شاہ صاحب کیوں شریک ہوئے اور نہ یہ کہ ایک جگہ نکیر فرمایا اور دوسری جگہ خاموش رہے اس کا کیا سبب ہے۔

<u>حکایت (۹۷)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمود پھلتی اور نواب محمود علی خاں سے سنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں ایک انگریز پادری دلی میں آیا یہ بہت قابل اور لسّان اور مشہور پادری تھا اس نے دلی میں علماء کو عام طور پر مناظرہ کی دعوت دی اس وقت کے مولوی جو خاندان عزیزی کے مخالف تھے ان کو شاہ اسحاق صاحب سے بہت کاوش تھی انہوں نے اس پادری کو پٹی پڑھائی [2] کہ تم شاہ اسحٰق صاحب سے خاص طور پر مناظرہ کی درخواست کرو' کیونکہ شاہ صاحب بہت سیدھے اور بہت کم گو تھے اور زبان میں لکنت تھی اسلیے انکو خیال تھا کہ یہ لسان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دیگا اور انکی ذلت ہو گی اس پادری نے شاہ صاحب کو دعوت مناظرہ دی شاہ صاحب نے بے تکلف منظور فرمالی اس پر شاہ صاحب

---

[1] احقر یہ سمجھا کر محفل تو اس رنگ سے فی نفسہ بدعت نہ تھی مگر ایسی ہی محفل کا اگر رواج ہو جائے تو شدہ شدہ مفضی الی البدعت ہو سکتی ہے تو شاگرد کی اس محفل میں تو کوئی ضرورت نہ تھی اسلیے اس افضاء پر نظر فرما کر نکیر فرمایا اور شرکت لباحت پر نظر کر کے فرمائی خاص کر جب شرکت میں یہ مصلحت بھی ہو کر کسیر کا اثر زیادہ ہو گا ورنہ عدم شرکت میں عدم مشاہدہ کے دسوسہ سے اثر کم ہوتا اور امیر کی محفل میں ضرورت تھی ان مسافر صاحب کی اعانت ہو جانے کی۔ اسلیے نکیر نہیں فرمایا صرف لباحت پر نظر فرمائی واللہ اعلم (اشرف علی) [2] خدا بُرا کرے عناد کا کہ یہ بھی احساس نہ رہا کہ ہمارا یہ فعل کفر کی تائید ہے اور اسلام کا اضرار۔

کے دوستوں کو بہت خیال ہوا مولوی فرید الدین صاحب جو مراد آباد کے رہنے والے اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور نواب رشید الدین خان صاحب کے اچھے شاگردوں میں اور نہایت ذہین آدمی تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب ان دونوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ نہ فرمائیں آپ ہم کو اپنا وکیل بنائیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھی کو دعوت دی ہے میں ہی مناظرہ کرونگا وکیل بنانے کی ضرورت نہیں بادشاہ بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا قلعہ میں مناظرہ کی ٹھہری جب مناظرہ کا وقت آیا تو سب لوگ قلعہ میں پہنچ گئے اور مجلس مناظرہ منعقد ہوئی خدا کی قدرت جب وہ پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اس کے جسم پر لرزہ پڑ گیا اور حواس باختہ ہو گئے اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکا جب کچھ دیر ہو گئی تو شاہ صاحب نے اس پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائینگے یا میں ہی عرض کروں اس نے کہا کہ آپ ہی فرمائیں شاہ صاحب نے خوب زور شور کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کے دلائل بیان فرمائے وہ پادری ساکت محض تھا نہ اس نے آپ کی تقریر پر کچھ خدشہ کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کیا جب تمام لوگوں پر اس پادری کا عجز ظاہر ہو گیا تب آپ نے ان مخالف مولویوں کی طرف جنہوں نے اس پادری کو ابھارا تھا متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے خاندان کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے توراۃ و انجیل و زبور پڑھا دیا کرتے تھے کیونکہ بغیر ان کتابوں پر عبور ہوئے قرآن شریف کا لطف نہیں آتا اسی قاعدہ کے مطابق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئی تھیں اسلیے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں اور یہ فرما کر فرمایا کہ اگر اسحٰق کو شکست اور ذلت ہوتی تو کچھ بات نہ تھی کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے لیکن اسلام تو تمہارا بھی تھا اس سے تمام مخالفین پر پانی پھر گیا اور مناظرہ ختم ہو گیا۔

حکایت (۹۸) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحاق صاحب کے ایک لڑکا تھا جس کا نام سلیمان تھا شاہ صاحب کی کنیت ابو سلیمان اسی کی وجہ سے ہے شاہ عبد العزیز صاحب کی عادت ٹہلنے کی تھی آپ خدام کے ساتھ ٹہل رہے تھے ایک خادم کی گود میں میاں سلیمان تھے ایک موقع پر جھول

پڑی ہوئی تھی اور عورتیں جھول رہی تھیں جب عورتوں نے میاں سلیمان کو دیکھا تو انہوں نے اس خادم سے کہا کہ میاں کو ہمیں دیدو ہم جھلائینگے خادم نے دینا چاہا مگر سلیمان نہیں گئے جب شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ میاں سلیمان کو عورتیں جھلانے کیلئے لیتی تھیں مگر وہ نہیں گئے تو انہوں نے فرمایا کہ کیوں جاتا اسحٰق کا بیٹا ہے[1]

حکایت (۹۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اعلم علی صاحب کو اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ تین وقت کا فاقہ ہوا جب یہ شاہ اسحٰق صاحب سے سبق پڑھنے بیٹھے تو ان کی آواز میں کمزوری پائی گئی شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ بھوکے ہیں آپ فوراً مکان میں تشریف لیگئے اور وہاں سے کھانا لائے اور مولوی اعلم صاحب کو الگ[2] بلا کر کھانا کھلایا اور اس دن سے انکا کھانا اپنے یہاں کر لیا

حکایت (۱۰۰) خان صاحب نے فرمایا کہ میاں جی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب شیخ قاسم علی صاحب شیخ فیاض علی صاحب یہ چاروں ماموں پھوپی خالہ زاد بھائی تھے ان میں سے شیخ قاسم علی صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کچھ شاگرد تھے اور ان پر نہایت فریفتہ تھے میاں جی محمدی صاحب سید صاحب کے مرید اور ان پر عاشق تھے حکیم خادم علی صاحب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر دیوانہ تھے شیخ فیاض علی صاحب شاہ اسحاق صاحب پر فریفتہ تھے شیخ فیاض علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار پر بنوائی ہے شاہ اسحٰق صاحب اس کو اچھا نہ جانتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد بنوانا نہ چاہیے اور استدلال[3] میں اس حدیث کو پیش کرتے تھے جو مشکوٰۃ باب التصاویر میں اس مضمون کی مردی

---

[1] مادر زاد اولیاء کی یہی شان ہوتی ہے۔ [2] یہ آداب عطا میں سے ہے جب احتمال ہو معطی لہ کے شرمانے کا پھر استمرار عطاء رافع خجلت ہو جاتا ہے [3] یہ محمل احوط وابعد عن الفساد ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ خود اہل قبور کو سجدہ کرتے تھے احقر کہتا ہے کہ گو نماز خدا ہی کی پڑھی جاوے تب بھی اس جگہ نماز پڑھنے کو قبول وبرکت میں بلا دلیل دخیل سمجھتے ہیں اور توجہ الی الاولیاء اور توجہ اولیاء کو اس میں موثر جانتے ہیں اور عبادت الہیہ میں مخلوق کی اتنی شرکت کا اعتقاد بھی خلاف دلیل ہے اور حضرات مجوزین نے حسن ظن کی وجہ سے اس احتمال کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ (اشرف علی)

ہے کہ بعض امہات المومنین نے حبشہ کے ایک گرجا کی اور اس کی تصویروں کی تعریف کی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اولئك اذامات فيهم الرجل الصالح بنوا علىٰ قبره مسجداً ثم صوروا فيه تلك الصور اولئك اشرار خلق الله متفق عليه اور اس لیے اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے تھے' الانادرا ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنوانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ نہ چاہیے اس نے کہا کہ پھر آپ کے نانا نے کیوں بنائی ہے آپ نے فرمایا' یہ ان سے پوچھو میرا مسلک یہی ہے

<u>حکایت (۱۰۱)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ کتاب اربعین مائتہ مسائل کی تصنیف کی وجہ یہ ہے کہ خان زمان خان دتہ ولی بھیکم پور کے رئیس تھے انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے سوالات کیے تھے ان کے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات دہلی کے شہزادوں اور بادشاہ دہلی اور حاجی قاسم و مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین نے آپس میں مشورہ کر کے اور سوالات ترتیب دیکر کیے تھے اور یہ قید بھی لگادی تھی کہ ان کے جوابات صرف فلاں فلاں علماء کی تصریحات سے ہونے چاہئیں ان کا جواب شاہ صاحب نے مولوی نورالحسن کاندھلوی کے سپرد کر دیا اور انہوں نے شاہ صاحب کی طرف سے [1] ان کا جواب لکھا اس کتاب کا نام مائتہ مسائل ہے اور اربعین اور مائتہ مسائل کے بعض بعض مسائل میں جو آپس میں کسی قدر اختلاف ہے مثلاً ایک مسئلہ کے متعلق اربعین میں فتویٰ حرمت ہے تو مائتہ مسائل میں مکروہ او نحو ذلک اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ اربعین کے جوابات میں شاہ صاحب آزاد تھے اسلیے انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق جوابات دیے ہیں اور مائتہ مسائل کے جوابات میں اصل مجیب یعنی مولوی نورالحسن صاحب اور شاہ صاحب جن کی طرف سے وہ جوابات ہیں دونوں پابند تھے اس لیے جس قدر تصریح ان علماء کے کلام میں ملی جن کی تصریح سے جواب کی درخواست کی گئی تھی اس قدر لکھدی گئی یہ منشاء ہے اختلاف کا اس قصہ کو میں نے میاں جی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب شیخ فیاض علی صاحب

---

[1] کیونکہ توکیل فی التصنیف بھی جائز ہے جیسا حضور ﷺ نے میسلمہ سے فرمایا تھا وهذا يجيبك عنی (اشرف علی)

مولوی حسین احمد صاحب خورجوی اور دیگر حضرات سے سنا ہے۔

حکایت (۱۰۲) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعہ سے اشاعت دین کرتے تھے انہوں نے حدیث **لاتشدوالرحال** کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اثر بھی ہوا اتفاق سے شاہ اسحاق صاحب کا اس زمانہ میں قصد ہجرت ہو گیا جب شاہ صاحب کے قصد کی ان کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ جناب جب عازم سفر ہجرت ہوں تو اجمیر تشریف نہ لاویں کیونکہ میں **لاتشدوالرحال** کا وعظ کہہ رہا ہوں اور لوگ راہ پر آچلے ہیں آپکی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اسکے غت ربود ہو جانے کا اندیشہ ہے شاہ صاحب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤنگا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑیگا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ میں ہیں اس لیے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوئے بالا بالا چلا جاؤں ہاں جب میں آؤں تم وعظ کہنا اور وعظ میں [1] بیان کرنا کہ اسحٰق نے غلطی کی جو وہ اجمیر میں آیا اسکا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کر لوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے اس سے وہ ضرر دفع ہو جاویگا جس کا تم کو اندیشہ ہے اور شاہ صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

حکایت (۱۰۳) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے ہر ایک ریزیڈنٹ ملنے آیا کرتا تھا شاہ صاحب اس کیلئے مونڈھا بچھوا دیتے تھے جو نذرانہ پیش کرتا تھا شاہ صاحب موسم کا کوئی

---

[1] کیا انتہا ہے اس محبت دین و نصح مسلمین کا کہ اپنی شان کو ان پر بالکل نثار کر دیا حالانکہ اس مقام میں علاوہ اس جواب کے کہ حدیث کے کیا معنی ہیں کہ یہ جواب تو خلاف مصلحت وتقیہ تھا۔ دوسرا اسل جواب یہ ہو سکتا تھا کہ ہم خاص اس قصد سے نہیں آئے' آگے جاتے ہوئے ٹھہر گئے مگر اس کو بھی پسند نہیں کیا کہ ہر شخص ایسا بہانہ کر سکتا ہے وہ جواب تجویز کیا جس میں شغب بالکل ہی قطع ہو گیا گو اپنا جاہ بھی قطع ہو گیا (اشرف علی)

پھل اس کے پاس بھجوا دیتے تھے جب شاہ صاحب کی وفات ہو گئی تو سب نے مل کر صدر شاہ اسحٰق صاحب کو مقرر کیا اور ان کو نذرانے دیتے تھے حتی کہ سید صاحب بھی بایں جلالت قدر نذر پیش فرماتے شاہ اسحٰق صاحب مدرسہ میں پڑھا رہے تھے کہ ریذیڈنٹ آیا لیکن شاہ صاحب نے نہ اس کو دیکھا نہ ان کی مجلس میں کوئی تغیر آیا شاہ صاحب ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے بعض کو تمنا تھی کہ شاہ صاحب کی آنکھ جو نہایت خوبصورت تھی دیکھیں مگر تمام عمر نہ دیکھ سکے غرض ریذیڈنٹ مدرسہ میں آیا اور ٹہلتا رہا جب درس ختم ہوا تو شاہ اسحٰق صاحب کے پاس آکر بوجہ پتلون کے ٹانگ پھیلا کر وہیں چٹائی پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر میں رخصت ہونے لگا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے شاہ صاحب مرحوم آپ کیلئے کچھ ہدیہ بھجوایا کرتے تھے مگر میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں کہ بھجواتا جب ریذیڈنٹ چلا گیا تو بعض مسلمانوں ہی نے یہ کہہ کر شاہ صاحب کی طرف سے بد ظن اور مشتعل کرنا چاہا کر دیکھے وہ حضور سے کیسی بے التفاتی سے پیش آئے وہ متکبر ہو گئے ہیں اس پر ریذیڈنٹ نے اسے ڈانٹا کہا کہ خاموش میں اس شاہ کا امتحان لینے گیا تھا کہ وہ اتنی دنیا پر بیٹھ کر دنیا سے کتنا مستغنی ہے[1]

اضافہ ازاحقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ'

<u>حکایت (۱۰۴)</u> ایک بار فرمایا کہ جب مولانا اسحاق صاحب کی خدمت میں کوئی شخص بیعت ہونے حاضر ہوتا تو یوں فرماتے ہیں کچھ معلوم نہیں مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس جاؤ انہوں نے نانا صاحب (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب) سے یہ سب سیکھا ہے سو باوجودیکہ شاہ اسحاق صاحب ان باتوں سے صاف انکار فرماتے تھے مگر پھر بھی دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب سے مولانا اسحاق صاحب ہی درجہ میں بڑھے ہوئے تھے اور اسکی وجہ نشر علم دین ہے (منقول از روایات طیب)

[1] دونوں حضرات کے معمول کا تفاوت نیت اور مصالح کے اختلاف سے ہے و لکل وجھۃ ھو مولیھا اور چونکہ مبنی اس دوسرے معمول کا اخلاص پر تھا اسلیے ریذیڈنٹ پر اس کا کیا پسندیدہ اثر پڑا۔ (اشرف علی) (منقول از روایات الطیب)

مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجرؒ کی حکایات

حکایت (۱۰۵) خان صاحب نے فرمایا کہ دلی کے ایک شہزادے نے جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے خود اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ ایک گٹھڑی آسمان سے میری طرف آرہی ہے میں نے اٹھ کو اس گٹھڑی کو لپک کر لیا جب وہ میرے ہاتھ میں آئی اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ گٹھڑی نہیں ہے بلکہ ذبح شدہ اور کھال اتری ہوئی مسلم مرغی ہے جس کے پنجے بھی موجود ہیں اور وہ پانی میں تر ہے اس خواب کو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے سن کر تامل کیا میں نے عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر فرمادیجئے تب آپنے فرمایا کہ تمہاری بیوی کو حمل ہے مجھے حمل کا علم نہ تھا بیوی سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی حمل ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی حمل ہے [1] تو آپنے فرمایا کہ لڑکی پیدا ہوگی مگر پانی کے صدمہ سے مر جاویگی جب ایام حمل ختم ہوئے تو لڑکی ہی پیدا ہوئی جب ہم واپسی میں جہاز میں سوار ہوئے تو ایک مقام پر سمندر میں طغیانی اور اس کی چھال مجھ پر اور اس کی ماں پر اور لڑکی پر گری لڑکی دو تین سکیاں لے کر مر گئی۔

حکایت (۱۰۶) خان صاحب نے فرمایا کہ اسی شہزادے نے بیان کیا کہ میرے ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ میں جمنا پر کھڑا ہوں اور اس کی سیر کر رہا ہوں اتنے میں میرے منہ سے ایک کبوتر نکلا جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا اور ایک درخت پر جا بیٹھا اور میری طرف منہ کر کے بولنے لگا میں نے اس خواب کو چھوٹے میاں صاحب (مولوی محمد یعقوب صاحب) سے بیان کیا انہوں نے کوئی تعبیر نہیں دی اور فرمایا کہ سوچوں گا وہ (عزیز اٹھ کر چلے گئے مگر میں (شہزادہ) بیٹھا رہا میں نے (شہزادے نے) عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر کیا ہے فرمانے لگے کیا کہدوں ایمان اس کے اندر نہیں رہا اور وہ جو اس کی طرف دیکھ دیکھ کر بول رہا ہے وہ اسے چڑا رہا ہے وہ عزیز تھوڑے ہی

[1] مولانا اپنے وقت کے ابن سیرین تھے (اشرف علی)

دنوں کے بعد دہری ہو گئے۔[1]

حکایت (۱۰۷) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی، قلب کے اندر جو باریک چور[2] ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

حکایت (۱۰۸) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حضرۃ حاجی صاحب نے مجھ سے اور مولانا نانوتوی سے فرمایا کہ کل کو ہم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس چلیں گے اور ان سے نسبت صلوٰۃ اور دورہ قادریہ حاصل کرینگے[3] چنانچہ اگلے دن حاجی صاحب اور مولانا نانوتوی تو تشریف لے گئے مگر مجھے یاد نہ رہا تھا اس لیے میں رہ گیا جب وہاں سے تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تم کہاں رہ گئے تھے میں نے نسیان کا عذر کیا آپ نے وہ دونوں باتیں مجھے تعلیم کیں۔

حکایت (۱۰۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی حسین بخش صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا یعقوب صاحب کی دعوت کی جب کھانے کا وقت آیا تو میاں صاحب پالکی پر سوار ہو کر میرے مکان پر روانہ ہو گئے اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے فرما گئے کہ حسین بخش کو اپنے ہمراہ لیتے آنا مولانا یعقوب صاحب کے ہاں ایک سانڈنی تھی جس پر وہ سوار ہوا کرتے تھے مولانا نے اپنی سانڈنی کی پچھلی نشست پر دوشالہ ڈالا اور اگلی نشست خالی رکھی اور مجھ سے کہا کہ تم پچھلی نشست پر سوار ہو جس پر دوشالہ پڑا ہوا تھا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس قابل نہیں ہوں دوشالہ اپنے لیے رکھیے آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں تم بیٹھ جاؤ، میاں صاحب[4] فرما گئے ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ لانا میں نے پھر عذر کیا آپنے پھر یہی فرمایا کہ اجی بیٹھ بھی جاؤ میاں

---

[1] خواہ صانع کے انکار سے یا اختیار صانع کے انکار سے جیسے ہمارے زمانہ میں بہت لوگ دوسری قسم کے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر صرف کہنے سے کچھ نہیں ہوتا [2] تو اپنے وقت کے غزالی بھی تھے۔ [3] بڑا ہی کمال ہے اپنے مریدوں کو ساتھ ساتھ لیجا کر کسی بزرگ سے کچھ حاصل کرنا (اشرف علی) [4] کتنا ادب ہے کہ کس کو ساتھ لانے کو فرما گئے تھے اس کا اتنا ادب بھلا پھر ان لوگوں پر یہ شبہ کہ بزرگوں کا ادب نہیں کرتے کتنا بڑا ظلم ہے

صاحب فرما گئے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لانا مجھے مجبوراً سوار ہونا پڑا۔

حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی کی حکایات

حکایت (۱۱۰) خان صاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں السلام علیکم کا رواج بالکل متروک ہو گیا تھا حتی کہ شاہ صاحب کے خاندان میں بھی اس کا رواج [1] نہ تھا اور جب وہ سلام کرتے تھے تو کہتے تھے عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے، رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے سید صاحب پہلے پہل شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو سب سے پہلے انہوں نے شاہ صاحب کو سلام کرتے ہوئے السلام علیکم کہا ہے جب شاہ صاحب نے ان کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپنے حکم دیدیا کہ آئندہ سلام بطریق مسنون کیا جاوے اسی دفعہ میں سید صاحب شاہ صاحب سے بیعت ہوئے اور چھ روز قیام فرما کر تشریف لے گئے چھ مہینے کے بعد پھر آئے اور چھ مہینے شاہ عبد العزیز صاحب کی خدمت میں تربیت میں رہے اس کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کو شاہ صاحب سے مانگ لیا اور پورے ڈھائی برس اکبری مسجد میں اپنی خدمت میں رکھا جس کی تفصیل نمبر آئندہ میں آتی ہے۔

حکایت (۱۱۱) خان صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب بیعت ہونے کے بعد دوسری مرتبہ بغرض تعلیم حاضر ہوئے ہیں تو شاہ صاحب نے ان کو اس مسجد میں ٹھہرا دیا جو ان کے مدرسہ سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع تھی جس میں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھا کرتے تھے اور تعلیم اشغال فرما کر حکم دیا کہ آٹھویں دن ہم سے ملا کرو اور تین شخصوں کو ان کی خدمت کیلئے مقرر کر دیا اور کہدیا کہ جس چیز کی سید صاحب کو ضرورت ہو تم لوگ اس کا انتظام کر دیا کرو اور ایک ٹھلیا اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ روزانہ اس ٹھلیا میں سید صاحب کیلئے جمنا سے پانی لایا کرو (یہ تین شخص جن کو شاہ صاحب نے مامور فرمایا تھا ایک سید ثمن علی خانپوری تھے دوسرے قاری نسیم رام پوری

---

[1] غالباً مخالفت عامہ میں فتنہ کا خوف ہوگا بعد میں اس کو گوارا کر لیا ہوگا۔۔ (اشرف علی)

اور تیسرے ان کے چھوٹے بھائی جن کا نام مجھے یاد نہیں رہاان میں سے تیسرے صاحب کو میں نے بھی دیکھا ہے قاری نسیم مذکور اور انکے چھوٹے بھائی دونوں اتنے بزرگ تھے کہ لوگ مولوی مظفر حسین صاحب کے تقویٰ کو ان کے تقویٰ سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مولوی مظفر حسین صاحب قاری نسیم اور ان کے چھوٹے بھائی کا نمونہ ہیں) سید صاحب نے چھ ماہ تک تعلیم حاصل کی چھ مہینے کے بعد شاہ صاحب کے خاندان میں کسی کے یہاں شادی کی تقریب ہوئی اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ تانا جارہا تھا اس مقام پر ایک نیم تھا جس کی وجہ سے شامیانہ اچھی طرح نہ تنتا تھا بلکہ اس میں جھول رہتا تھا اتنے میں سید صاحب بھی مسجد میں سے تشریف لے آئے جب آپنے یہ رنگ دیکھا تو کرتہ کو کمر سے باندھ کر نیم پر چڑھ گئے اور نیم پر چڑھ کر جو شامیانہ کو کھینچا تو شامیانہ بالکل ٹھیک تن گیا اور جھول بالکل نکل گیا سید صاحب کی یہ دھج شاہ عبدالقادر صاحب کو پسند آگئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دیدیجئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ لیجاؤ اور سید صاحب[1] سے کہ دیا کہ میاں عبدالقادر کیساتھ جاؤ شاہ عبدالقادر صاحب ان کو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرہ میں رکھ دیا اور اشغال کیلئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے اور جو جگہ شاہ عبدالقادر نے ان کو بتادی تھی سید صاحب خواہ مینہ ہو یا آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور جب تک شاہ صاحب[2] نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ اس وقت تک نہ اٹھتے تھے شاہ صاحب نے ڈھائی برس تک سید صاحب کو اپنی خدمت میں رکھا اور پھر ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے شاہ صاحب

---

[1] اگر یہ شیخ مرید کو کسی کے سپرد کردے تو اس کے ماننے میں ذرا تردد نہ کرے جیسا خود رایوں کی عادت ہے۔

[2] یہ ہے انقیاد شیخ۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو ان حضرات کو درویشی کا منکر اور بزرگوں کی شان میں بے ادب کہتے ہیں۔ آئیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ (اشرف علی)

نے فرمایا کہ میاں عبد القادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو اب ان کو بیعت کی اجازت دیدو شاہ عبد القادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ ہی کا سلسلہ چلے گا شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی۔

حکایت (۱۱۲) خان صاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں سید صاحب شاہ عبد العزیز صاحب سے تعلیم سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب نے ان کو تصور شیخ کی تعلیم کی سید صاحب نے فرمایا[1] کہ حضرت اگر تصور شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اس کا موقوف علیہ نہیں ہے تو (اختیار طریق میں) کچھ مضائقہ نہیں مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے شاہ صاحب[2] نے فرمایا کہ طریقت اس پر موقوف نہیں ہے کہ تم تصور شیخ نہ کرو۔

حکایت (۱۱۳) خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحاق صاحب سے کافیہ شروع کیا تھا اور سید صاحب جب تشریف لائے تو انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انہوں نے مشکوٰۃ بھی شاہ صاحب سے شروع کر دی اور کوئی کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے یہ قصہ تو میں نے اپنے استاد سے سنا ہے اور مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ جب سید صاحب تعلیم علوم حاصل کر رہے تھے

---

[1] یہ ہے اظہار حق اور یہ ہے اقرار حق مرید ایسا ہو اور پیر ایسا ہو [2] اور مبنی اس عذر کا یہ ہے کہ اس عمل کو غیر مشروع سمجھا مرید کو یہی چاہیے کہ ایسے موقع پر عذر کر دے مگر دو امر کا لحاظ لازم ہے ایک یہ کہ ادب سے عرض کرے رد و کد و اعتراض و اغراض و مقابلہ و مجادلہ کی صورت نہ ہو دوسرے یہ کہ شیخ کو چھوڑ نہ دے بلکہ اس کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کے فعل کی کچھ تاویل مناسب کر لے اگر تاویل سمجھ میں نہ آوے تو یہی سمجھ لے کہ کچھ تاویل ہو گی جو میرے ذہن میں نہ آئی اس کے بعد یہ دیکھے کہ شیخ نے اس کے عذر کو قبول کیا یا نہیں اگر کر لیا جیسے حضرت شاہ صاحب نے کر لیا فبہا اور اگر نہیں کیا بلکہ اپنی تجویز پر اصرار کیا یا مرید سے مکدر ہو گیا تو اس شیخ کو چھوڑ دے اور دوسرے کامل سے رجوع کرے مگر اسکی شان میں بھی گستاخی نہ کرے کیونکہ ابتدا راہ پر لگا دینے میں وہ اس کا محسن ہے۔ (اشرف علی)

اثنائے تحصیل میں ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ جب وہ کتاب میں نظر کرتے تو ان کی نظر سے حروف غائب ہو جاتے تھے اس کیلئے طبیبوں کی طرف بھی رجوع کی گئی مگر کچھ نہ ہوا یہ قصہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جماؤ اور دیکھو کہ وہ بھی تمہاری نظر کے سامنے سے اڑتی ہیں یا نہیں سید صاحب نے اس کا تجربہ کیا تو کوئی باریک سے باریک چیز بھی نہ اڑی اس کی اطلاع شاہ صاحب سے کی تو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو اس پر کسی خادم نے (جس کا نام مجھے یاد تھا مگر اب بھول گیا) عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے اور آپ نے پڑھنا چھوڑنے کا حکم دیا آپ نے فرمایا کہ میں نے امتحان کا اس لیے حکم دیا تھا کہ اگر اور باریک چیزیں بھی اڑتی ہوں تو جانا جاوے کہ مرض ہے اور اس کا علاج کیا جاوے جب معلوم ہوا کہ دوسری چیزیں نہیں اڑتیں تو ثابت ہوا کہ مرض نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ علم ظاہری ان کی قسمت میں نہیں ہے لہذا میں نے کہہ دیا کہ پڑھنا چھوڑ دو اور فرمایا کہ ان کو تعلم سے پڑھنا[1] نہ آئے گا بلکہ علم لدنی حاصل ہوگا۔

حکایت (۱۱۴) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں بیان کروں گا میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب جب سہارنپور تشریف لے گئے تو بوبنی کی مسجد میں منبر کے اوپر کی سیڑھی پر بیٹھ کر وعظ فرمایا ان کے دونوں پاؤں کے بیچ میں مولوی عبدالقیوم ابن جناب مولوی عبدالحی صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو کہ اس وقت بچے تھے اور مسجد میں ایک طرف مولوی عبدالحی صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے وعظ جب نصف سے زیادہ ہو گیا تو مولوی عبدالحی صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو اشارہ سے اٹھایا اور اٹھا کر اس طرف لے گئے جس طرف قبریں ہیں میں بھی پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جا کر فرمایا کہ سید صاحب نے یہ مضمون پہلے بھی بیان فرمایا ہے اور میں نے اور تم نے اس کو لکھ بھی لیا ہے لیکن اس

---

[1] ھو کما قال الرومی ۔ بینی اندر خود علوم انبیاء ۔ بے کتاب و بے معید و اوستا
مگر اس سے علوم احکام مستثنیٰ ہیں ان میں بجز نقل کے کوئی سبیل حجت نہیں خواہ وہ نقل کتاب سے ہو یا اہل علم سے

وقت جو کچھ فرمارہے ہیں یہ تمہاری سمجھ میں بھی آتا ہے یا نہیں مولوی اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ کچھ کچھ آتا ہے اس پر مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے بہت زور لگایا مگر میری سمجھ میں نہیں آیا اب اس سمندر کو ہم اپنی کلھیا میں کیونکر بند کریں سید صاحب سے عرض کرنا چاہیے کہ حضرت مضمون کو ذرا آسان کر کے بیان فرمایا کریں تاکہ ہم لوگ سمجھ سکیں یہ کہہ کر دونوں صاحبان پھر اپنی اپنی جگہ پر آبیٹھے قصہ ختم ہوا خان صاحب نے فرمایا اس قصہ کو میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب کے سامنے بیان کیا انہوں نے اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ جب اس وعظ میں میں سید صاحب کے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تھا تو چونکہ میں چھوٹا بچہ تھا اس لیے سید صاحب کے پاؤں چھیڑ رہا تھا کبھی اس پاؤں کو چھیڑتا تھا کبھی دوسرے پاؤں کو اور چھیڑتا اس طرح کہ قدم پر ہاتھ رکھ کر گدگداتا[1] ہوا اوپر کو لے جاتا تھا لیکن جب میرا ہاتھ نصف ساق سے اوپر جاتا فوراً سید صاحب اسے نیچے اتار دیتے تھے بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا اور سید صاحب نے ہمیشہ میرے ہاتھ کو نیچے اتار دیا اس قصہ کو بیان فرما کر خان صاحب نے فرمایا کہ جب میں اول مرتبہ حضرت گنگوہی کی زیارت کے لیے گنگوہ جارہا تھا تو سہارنپور پہنچ کر مغرب کی نماز میں نے بونی کی مسجد میں پڑھی گو مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ بونی کی مسجد ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا اور جب لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی بوبنی ہی کی مسجد ہے اور میں نے صحیح سمجھا تھا

<u>حکایت (۱۱۵)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے ابوبکر خاں خورجہ والے سے سنا ہے جو کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے دیکھنے والوں میں تھے یہ صاحب فرماتے تھے کہ بعد مغرب سید صاحب نے اکبر آباد کی جامع مسجد کے بیچ کے در میں بیٹھ کر وعظ فرمایا اور اس وعظ میں آپ نے شیخین کے بھی کچھ فضائل بیان فرمائے چار رافضی حوض پر کھڑے تھے اس وقت روافض کا فتنہ گو سابق کی نسبت بہت کم ہو گیا تھا مگر تاہم موجود تھا ان رافضیوں نے تالی بجائی اور قہقہہ لگا کر

---

[1] اس سے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک مخدومیت سے بعد کہ یہ امر ناگوار نہیں ہوا دوسرا تقویٰ کہ زانو سے آگے ہاتھ نہیں جانے دیا (اشرف علی)

بھاگنا چاہا سید صاحب نے ان کی آواز سن کر زور سے الا اللہ کہا اس آوز سے ایک رافضی تو حوض کے قریب ہی گر پڑا اور ایک حوض سے کچھ آگے گرا ایک دروازہ کے پاس گرا اور ایک مسجد سے نکل گیا اور سید صاحب ضرب الا اللہ کے بعد خاموش بیٹھ گئے اس وقت مسجد کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ تنور کی طرح گرم ہو گئی اور لوگ چلے جانے لگے[1] چونکہ میں کسی قدر بے تکلف تھا اس لیے میں نے سید صاحب کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ حضور بس اب لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا کہ بہت اچھا اس کے بعد آپ نے عشاء کی اذان کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان تینوں رافضیوں سے کہدو کہ عشاء کی نماز پڑھ کر جاویں اس کے بعد عشاء کی نماز ہوئی اور اس میں تینوں رافضی شریک ہوئے اور سنی ہو کر سید صاحب سے بیعت ہو گئے خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں سنا تھا کہ سید صاحب نے ہزاروں امام باڑے توڑ ڈالے ہیں مگر حکیم جمیل الدین صاحب جو پورب میں بہت رہے ہیں فرماتے تھے کہ سید صاحب نے پچاس ہزار امام باڑے تڑوائے ہیں۔

<u>حکایت (۱۱۶)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ الدھن۔ میرٹھ۔ ہاپوڑ۔ گلاوٹی۔ بلند شہر کا حال تو مجھے معلوم ہے کہ یہاں کے لوگ سب تفضیلی بلکہ بعض بعض تو رافضی تھے اور سنا ہے کہ دیوبند میں بھی سب تفضیلی تھے یہ بات کہ یہ مقامات بدعت تفضیلی سے پاک ہیں یہ سب سید صاحب ہی کا صدقہ[2] ہے اور سنیوں اور شیعوں میں جو کہ شادی بیاہ ہوتے تھے یہ بھی سید صاحب نے ہی رکوائے ہیں۔

<u>حکایت (۱۱۷)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب سید صاحب سیر کو تشریف لے جاتے تھے تو بڑے بڑے لوگ شکار بند پکڑا کرتے تھے ہم

---

[1] تصرفات کے کمال مقصود ہونے کا شبہ نہ کیا جاوے اور اسی طرح اہل کمال کے نزدیک پسندیدہ نہ ہونا اور باوجود اس کے سید صاحب کا اس سے کام لینا بھی محل اشکال نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ بضرورت وباذن تھا پس جیسے قویٰ جسمانیہ سے اہل باطل کو مغلوب کرنے کا حکم ہے ویسے ہی قویٰ نفسانیہ سے :: (اشرف علی) [2] یہ ہیں برکات جو کرامات وتصرفات سے بھی اکمل ہیں۔

بھی چاہتے تھے کہ یہ شرف ہمیں بھی نصیب ہو مگر ہمیں موقع نہ ملتا تھا لیکن ایک روز موقع مل گیا اور میں شکار بند پکڑے ہوئے سید صاحب کے ساتھ چلا خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ پر ایک رنڈی کا مکان تھا اور اس میں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اس کے یہاں معمولی آدمیوں کا گذر نہ تھا بلکہ بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے سید صاحب جب اس کے مکان کے پاس نکلے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازہ پر کھڑی تھی اور تمام لباس سروئی تھا سید صاحب اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا اس کے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے روانہ ہو گئے آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہونگے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی کہ اے میاں سوار خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے آپ نے گھوڑا روک لیا اور وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی سید صاحب ہر چند فرماتے ہیں کہ بی بی سن تو سہی بات تو بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب کہہ مگر وہ نہیں مانتی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی ہے تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا اور اس نے کہا کہ میاں میں بیوہ ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی سید صاحب نے فرمایا کہ اس وقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں اس نے کہا جی ہاں سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کے بعد نکاح بھی کریگی اس نے کہا جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو آپ فرمائیں گے وہ کروں گی آپ نے فرمایا کہ تیرا دل کسی سے نکاح کو چاہتا ہے تو اس نے کہا جی ہاں فلاں سے آپ نے فرمایا کہ وہ کہاں ہے اس نے کہا کہ اس وقت میرے مکان میں ہے آپ نے فرمایا کہ مکان میں کوئی اور بھی ہے اس نے کہا جی ہاں کئی آدمی ہیں سید صاحب نے اس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سب کو بلا لاؤ ہم گئے تو اس وقت دس آدمی تھے ان میں سے نو تو آ گئے مگر وہ نہ آیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی جس شان سے وہ رنڈی آئی تھی اسی شان سے یہ لوگ بھی آئے اور وہ بھی سب کے سب تائب ہو گئے اب آپ نے رنڈی سمیت سب سے فرمایا کہ تم لوگ اکبری مسجد میں چلو میں بھی آتا ہوں چنانچہ وہ سب اکبری مسجد میں چلے گئے اور آپ آگے بڑھ گئے اس کے بعد آپ نے مجھ

سے فرمایا کہ میاں محمدی تم نے دیکھا کہ یہ ہم نے کیا کیا میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور دیکھا آپ نے فرمایا کہ میاں سنو اس قسم کی باتیں یہود و نصاریٰ مجوس اور جوگی بھی کرتے ہیں بعض میں نظر کی قوت ہوتی ہے بعض میں دماغی بعض میں قلبی بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے مگر وہ قوت کسبی بھی ہوتی ہے [1] اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہبی ہے اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہو جانا اور اس کو بزرگ نہ سمجھ لینا بلکہ جس کو متبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں سے کوئی قوت بھی ان کے اندر نہ دیکھو اس کے معتقد ہو جانا یہ فرما کر آگے چلے اور جنگل میں پہنچ کر فرمایا کہ الحمد اللہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں جس کے لئے مچھلیاں پانی میں اور چونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں اور جس طرف کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں اس قصے کو یہاں چھوڑ کر میں اس وقت مولانا نانوتوی کا ایک ملفوظ سناتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے آپ نے فرمایا کہ قبول عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے پہلا قبول علامت مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامت مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاء اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاء اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو یہاں تک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملاء اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اس کی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کے بعد دوسروں کو پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہوگی وہ دلیل مقبولیت نہ ہوگی اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اول وہ لوگ معتقد ہوئے جو اس زمانہ میں سب سے اچھے تھے اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اس کے بعد وہ لوگ جو ان سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور برے سب زیر اثر آ گئے حتیٰ

[1] ایسی قوت عام ہے کسبی اور وہبی سے جیسی قوت جسمیہ کہ کبھی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے کبھی فطری و خلقی طور پر اور کمال دینی ان میں سے کوئی بھی نہیں البتہ دیکھا یہ جاوے گا کہ اس قوت کو صرف کہاں کیا اسی کا اعتبار ہوگا پس کمال مطلوب عمل ہوا نہ کہ قوت۔

کہ کچھ آپ کے ماننے والے منافقین بھی تھے اور اسی بناء پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے اور ان کے بعد وہ جو احد سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور فتح مکہ کے بعد تو سب ہی مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہو گئی یہ بیان فرما کر فرمایا کہ سید صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خاندان کی مقبولیت بھی اسی ترتیب سے ہوئی ہے کہ اول ان کے معتقد اہل کمال ہوئے ہیں اور اس کے بعد انکی مقبولیت عام ہوئی ہے اور اسی طرح ہمارے حاجی صاحب کی مقبولیت ہوئی ہے' اول ان کے معتقد خواص تھے اس کے بعد ان کی مقبولیت عام ہوئی مگر حاجی شاہ کی مقبولیت اول کن لوگوں میں ہوئی ؟ ایسے ہی ولسیوں میں اور عموم شہرت کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ پھنس گیا تو وہ قابل اعتبار نہیں اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور قصہ یاد آگیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حاجی شاہ علی گڈھ آئے چونکہ مشہور آدمی تھے اسلیے نواب لطف علی خان صاحب کو بھی ان سے ملنے کا شوق ہوا اور انہوں نے گاڑی منگائی جب انہوں نے پائیدان پر پیر رکھا تو اتفاق سے ایک خادم نے کہا کہ میاں آج حاجی صاحب کے پاس تمام شہر کی رنڈیاں اکٹھی ہو کر آئی تھیں مگر نواب صاحب نے اس کو غلط سمجھا اور بہت ناخوش ہوئے دوسرے خادم نے دیکھا کہ نواب صاحب کو یقین نہیں آیا تو اس نے کہا کہ میاں واقعی ایسا ہوا ہے جب انہوں نے سمجھ لیا کہ واقعہ ٹھیک ہے تو نواب یوسف علی خاں سے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ شخص ملنے کے قابل ہے ہم تو اسواسطے جاتے تھے کہ ان کی صحبت سے خدا کی محبت نیکیوں کی طرف رغبت گذشتہ گناہوں پر ندامت اور آئندہ گناہوں پر نفرت پیدا ہو گی مگر معلوم ہوا کہ وہ بڑا شہدہ ہے ہم چھوٹے شہدے' پھر کیوں جائیں یہ کہہ کر جانا موقوف کر دیا اور گاڑی بان کو حکم دیا کہ گاڑی لے جاؤ ہم نہ جائیں گے اس کے بعد ایک قصہ اور یاد آگیا کہ نواب لطف علی خاں کوئی مقدس لوگوں میں نہ تھے مگر بزرگوں سے تعلق تھا لیکن اس تعلق کا یہ اثر تھا کہ باوجود سرسید سے ان کی بہت دوستی تھی مگر جب ان کے تیجے کے چنے پڑھے گئے ہیں

اور مولوی انصاری اس میں شریک ہوئے تو اس روز سے نواب صاحب نے مولوی سے سلام کرنا چھوڑ دیا تھا یہ شاہ صاحب کے خاندان کے ان متوسلین کی حالت تھی جو دنیا دار تھے ان ضمنی مضامین کے بعد میں اصل قصہ کی طرف لوٹتا ہوں میاں جی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب سیر سے لوٹ کر اکبری مسجد میں آئے تو وہ رنڈی اور نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے آپ نے سب کو بیعت کیا اور ان میں سے ایک شخص کے ساتھ جس سے وہ رنڈی رضا مند ہو گئی تھی اس کا نکاح کر دیا اور وہ رنڈی باجودیکہ بہت دولتمند تھی مگر اس نے اپنی تمام دولت اور گھر بار چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی جب سید صاحب نے سکھوں پر جہاد کیا ہے تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی تو شہید ہو گئے مگر اس رنڈی کا حال نہیں معلوم ہوا کہ اس کا کیا انجام ہوا یہ رنڈی ایک دوسری رنڈی کے ساتھ (جو مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی اور اس رنڈی کا نام موتی تھا اور اس کی توبہ کا قصہ حکایت گذشتہ میں آچکا ہے) مجاہدین کے گھوڑوں کا دانہ دلا کرتی تھی اور دانہ دلتے دلتے اس کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان فرماتے تھے کہ میں نے ان دونوں رنڈیوں کو دیکھا ہے ایک مرتبہ میں نے ان سے پوچھا کہ بتلاؤ تو سہی تم اپنی پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت مصیبت میں تھیں اور اب ہمیں جو راحت ہے اس کو ہم بیان نہیں کر سکتیں اس وقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھ دیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جاوے

<u>حکایت (۱۱۸)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ سید صاحب ایک روز اکبری مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان سر سے پا تک حریر کا لباس پہنے ہوئے اور ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور پوری پوری میں انگوٹھی چھلے پہنے ہوئے حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور چونکہ اس زمانہ میں بانکوں کی وضع یہ تھی کہ ڈھیلا پاجامہ کلیون دار پہنا کرتے تھے اس لیے یہ شخص بھی ڈھیلا ہی پاجامہ پہنے ہوئے تھا یہ شخص فوج میں ملازم تھا مگر

یہ یاد نہیں کہ دفعدار تھایااور کچھ اس نے عرض کیا کہ حضور میں فوج میں ملازم ہوں اور ہماری فوج کو یہاں چھ مہینے رہنے کا حکم ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور مجھے بیعت کرلیں سید صاحب نے فرمایا کہ بیعت! کیا یہ صورت بیعت کی ہے ڈاڑھی آپ کی منڈی ہوئی ہے لباس سارا حریر کا ہے ہاتھوں میں مہندی ہے پوری پوری میں چھلے ہیں اس نے جواب دیا کہ میں ان باتوں سے توبہ کرتا ہوں اور چھلے تو میں اسی وقت اتارے دیتا ہوں لیکن کپڑے ابھی نہیں اتار سکتا کیونکہ نہ دوسرے کپڑے یہاں میرے پاس ہیں اور نہ گھر رہی مہندی اور ڈاڑھی سو میں مہندی کے زائل کرنے سے اس وقت عاجز ہوں اور ڈاڑھی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ سید صاحب نے آپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کیلئے کپڑوں کا انتظام کرایا جاوے چنانچہ لوگوں نے کرتہ پاجامہ وغیرہ دیدیا اور سید صاحب نے اپنا عمامہ اور چادر دی اس نے کپڑے اتار کر یہ کپڑے خوشی خوشی پہن لیے اس کے بعد سید صاحب نے اسے بیعت کیا اور علیحدہ لے جاکر کچھ تعلیم فرمایا بیعت ہونے کے بعد یہ شخص چھ سات روز تک صبح کے وقت اور بعد روزانہ آتا رہا لیکن ساتویں یا آٹھویں روز جو وہ آیا تو وہ نہایت پریشان اور روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میں سمجھتا تھا کہ ہمارا قیام چھ سات مہینے ہوگا اور میں حضور سے مستفید ہوں گا مگر آج ہماری فوج کے تبادلہ کا حکم آگیا ہے اور کل کو ہمیں یہاں سے جانا ہوگا مجھے اپنی محرومی اور حضور کی مفارقت کا نہایت صدمہ ہے سید صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر شاہ عبدالقادر صاحب کے حجرہ میں لے گئے اور آدھ یا پون گھنٹہ حجرہ میں رہے اس کے بعد سید صاحب تنہا حجرہ سے نکلے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ ان کو باہر اٹھالاؤ اور ہوا دو اور یہ کہہ کر تیز قدمی کے ساتھ دوسرے حجرہ میں تشریف لے گئے ہم لوگ جب اندر گئے تو دیکھا کہ وہ شخص بالکل بے ہوش تھا اسے حجرہ سے سہ دری میں لے آئے اور پانی کے چھینٹے دئے پنڈول سنگھایا کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل مست تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور کہتا تھا کہ واللہ باللہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں [1] سید صاحب ہی نظر آتے ہیں وہ میری آنکھوں میں بھی ہیں یہ الفاظ اس نے تین دفعہ

---

[1] شاید یہ تصرف اسکے رنج مفارقت کے تدارک کے لیے کیا گیا ہو کہ اس طرح نظر آجانے سے تسلی رہتی اور اچھا ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نظر آنا بند ہو گیا ہو بلکہ اس میں تقلیل و تعدیل ہو گئی ہو۔

زور سے کہے سید صاحب نے کواڑ کھولکر اپنا چہرہ نکالا اور زور سے فرمایا کہ خاموش اور مجھ کتے کی صورت اپنے سے منہدم کر اور یہ الفاظ آپ نے بھی تین مرتبہ فرمائے اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا یہ قصہ بیان فرما کر میرے استاد فرماتے تھے کہ تصور دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جواز خود ہو اور دوسرا وہ جو تصور کرنے سے ہو[1] سید صاحب جو تصور شیخ کو منع فرماتے تھے وہ تصور تھا جو قصداً اور بتکلف کیا جاوے اور جو تصور از خود ہو اس کو منع نہیں فرماتے تھے کیونکہ ایسے تصور کا ثبوت حدیثوں سے ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نہا کر نکلے آپ اپنے بالوں کے دو حصے کرتے تھے اور ان کے درمیان باریک مانگ تھی گویا میں دیکھ رہی ہوں جناب رسول اللہ ﷺ کو نیز ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ لوگوں کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ بھی یونہی بٹھاتے تھے گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ تصور جناب رسول اللہ ﷺ کا تھا مگر از خود تھا نہ کہ بہ تکلف وبالقصد۔[2]

<u>حکایت (۱۱۹)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب تیرھویں صدی کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوئے ہیں اس پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سن کر فرمایا کہ الحمد للہ اللہ کو ایک بندہ پیدا کرنا تھا سو پیدا ہو گیا (منقول از روایات الطیب)

<u>حکایت (۱۲۰)</u> فرمایا کہ سید احمد صاحبؒ جس وقت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں تھے تو شاہ صاحب نے ان کو شغل رابطہ بتلایا تو سید صاحب نے اس شغل سے عذر فرمادیا اس پر شاہ صاحب

---

[1] اس سے بھی وہ درجہ مراد ہے جس میں مقصودیت کی شان ہو جیسے بطور شغل مستقل کے کرتے ہیں جس میں قلب سے غیر کی نفی کا اہتمام کرتے ہیں کہ اس میں مشابہت ہے شرک کی ورنہ اگر محبت میں قصداً بھی تصور کرے تو کچھ حرج نہیں اور جن بزرگوں سے اجازت منقول ہے وہ بقدر ضرورت ہے کہ خطرات دفع نہ ہوں تو کسی مشاہد چیز کے تصور سے حسب قاعدہ النفس لاتتوجہ الی شیئین فی ان واحد ہو جاتے ہیں اور اس میں صورت شیخ اور صورت دیگر اشیاء سب متساوی ہیں مگر شیخ سے چونکہ طبعاً محبت زاید ہوتی ہے اس کی طرف توجہ اقوی ہونے سے دفع سہل تر ہوتا ہے مگر بعد دفع خطرات کے پھر اس کو بھی زائل کر دیتے ہیں اور عین تصور کے وقت بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسرا کوئی تصور نہ پاوے گو اس سے زیادہ محمود یا مقصود ہو[2] ان حدیثوں کی تحقیق کر لیجاوے باقی ایسا جملہ حدیثوں میں وارد بکثرت ہے (اشرف علی)

نے فرمایا

لمبے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید :: کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا

تو سید صاحب نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کر لونگا' یہ تو معصیت نہیں شرک ہے یہ تو گوارا نہیں شاہ صاحب نے یہ سن کر ان کو سینہ سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت سے لے چلیں گے تم کو طریق ولایت سے نسبت نہیں ہے دوسرا واقعہ سید صاحب کے انقیاد کا امیر شاہ خان صاحب نے امیر الروایات میں لکھا ہے کہ جب شاہ عبد القادر صاحبؒ شاہ صاحبؒ سے مانگ کر ان کو اپنے پاس لے گئے تو آپ نے مسجد میں ایک جگہ بتلادی تھی کہ اس جگہ بیٹھ کر ذکر و شغل کیا کرو رفتہ رفتہ برسات کا موسم آگیا ایک روز شاہ صاحب نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ موسلادھار بارش ہو رہی ہے اور یہ اسی میں بیٹھے ہیں سید صاحب سے پوچھا کہ تم بارش میں کیوں بیٹھے ہو ؟ تو فرمایا کہ آپ ہی نے تو یہ موقع بتلایا تھا ہمارے حضرت نے فرمایا یہ ہے اطاعت شاہ صاحب کو وہم بھی نہ تھا کہ میرے بتلانے کو ایسا عام سمجھیں گے مجھے یقین ہے کہ اگر تمام برسات اور جاڑے بھی گذر جاتے جب بھی سید صاحب اس جگہ سے نہ اٹھتے (مدعی اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ شیخ کی موافقت کیسی ہوتی ہے اور شروع کے واقعہ میں اختلاف کو دیکھئے کیسا ہوتا ہے اللہ اکبر اتفاق ہو تو ایسا ہو اور اختلاف ہو تو ایسا اور پیر بھی کیسے کہ کچھ نہ فرمایا بلکہ حقیقت کو سمجھ کر خوش ہوئے)اور یہ فرمایا کہ اگر کہیے تو معصیت اختیار کر لوں اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا امر اہون ہونا شرک سے مقصود ہے بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست 'نہ ہر کہ سر تبراشد قلندری داند (از اشرف التنبیہ)

اضافہ از ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

<u>حکایت (۱۲۱)</u> منشی محمد ابراہیم صاحب نے ایک بار دریافت کیا کہ حضرت سید احمد بریلوی کے دیکھنے والوں میں کوئی شخص اب بھی زندہ ہے یا نہیں ؟ حضرت نے فرمایا بالفعل تو مجھے یاد نہیں بعد

فکر بتلاؤں گا مولانا عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ سہارنپور میں ایک خشت فروش زندہ ہے
حضرت نے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبہٹہ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں
ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحبؒ سے دیکھیں مولوی عبدالحی صاحب
لکھنوی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رام پوری بھی ہمراہ تھے اور سب
حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم
یاغستان سے کیا تھا سید صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا وہ تن تنہا یار محمد خاں کے
پاس پہنچا اور پیغام سنایا اس نے جواب دیا سید سے کہدے وہ کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے اس کے
لیے بہتر نہ ہوگا اس کے ساتھی ایک ایک کر کے مارے جاویں گے اور خود اس قاصد کے کوڑے
لگوائے پھر واپس کر دیا اور پوچھا پھر بھی اگر سید تجھے بھیجے گا تو آئے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں پھر آؤں گا"
غرض قاصد نے واپس ہو کر سارا حال سید صاحب سے عرض کیا سید صاحب نے فرمایا اچھا تم ہی
جا کر یار محمد خاں سے کہدو کہ "تو ہم کو کیا زک دیگا تو خود پیشاب پی کر مرے گا" المختصر لڑائی ہوئی اور
یار محمد خاں کی فوج نے ہزیمت پائی یار محمد خاں بھاگا اس اثناء میں اسے تشنگی لاحق ہوئی جب پانی مانگا
اور خادم نے جواب دیا کہ پانی موجود نہیں ہے تو کہا شاشہ بیار "یعنی پیشاب ہی لا اور پی کر قتل ہوا۔
پھر کچھ عرصہ بعد کڑک سنگھ پسر رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سے مجاہدین
شہید ہوئے حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب و مولوی محمد حسن صاحب بھی وہیں شہید ہوئے
البتہ میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ
نہ لگا لوگ تلاش میں تھے اور ادھر ادھر جستجو کرنے لگے چند چند آدمی دیہات اور پہاڑوں میں جا کر
ڈھونڈا کرتے تھے اور کسی کو نہ ملتے تھے گاؤں میں برابر پتہ ملتا چلا جاتا کہ یہاں تھے وہاں تھے ایک
شخص نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا اسی حالت میں میں نے تینوں شخصوں کو جاتے دیکھا جن میں
ایک سید صاحبؒ تھے میں نے غل مچایا کہ حضرت آپ ہم کو کہاں چھوڑ گئے اور کیوں ہم سے علیحدہ
ہو گئے سب لوگ آپ کے روبراہ ہیں میرے غل مچانے پر حضرت سید صاحب نے منہ پھیر کر

مجھے دیکھا، کچھ جواب نہ دیا اور چلے گئے میں بوجہ بیماری کے اٹھ نہ سکا غل مچایا گیا دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انہیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کررہے تھے دفعتہً کچھ فاصلہ پر گڑ بڑاٹ سنا میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہوگئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں مجبور ہوکر ہم نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنالیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا ہم کو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لیے ہم نہیں آسکتے "اتنا فرما کر قافلہ والوں کی خیر اور حالات پوچھے اور پھر روانہ ہوگئے میں نے بھی ہمراہ ہونے کیلئے عرض کیا تو منع فرمایا اور پھر کوشش کرکے جو میں نے پیچھے چلنا چاہا تو میرے ہاتھ پاؤں وزنی ہوگئے میں تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا حیران اور مایوس تھا کہ یا اللہ کیسے چلوں اور حضرت سید صاحب معہ ہمراہیان نظر سے غائب ہوگئے۔ تیسرے ایک شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اترے وہاں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قبر جو ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے اس کو سید صاحب ابھی ڈھا کر گئے ہیں کیونکہ اونچی تھی ادھر ادھر دیکھا تو کہیں پتہ نہ لگا منشی محمد ابراہیم نے کہا سید صاحب تیرھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے اور اب ۱۳۱۸ میں ممکن ہے کہ حیات ہوں انہوں نے جب لفظ ممکن کہا کہ حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا بلکہ امکن اور فرمایا کہ سید صاحب انبہٹہ میں بھی تشریف لائے میاں صابر بخش سجادہ نشین شاہ ابو المعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی مولوی عبدالحی صاحب مولوی محمد سالار سے ملنے کو ان کے مکان پر گئے تھے مولوی محمد سالار نے قیام کا حال دریافت کیا تو صابر بخش کے مکان پر قیام بتایا گیا مولوی محمد سالار نے کہا اس کافر کے مکان پر ٹھہرے "مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا وہ کافر نہیں ہے اور وجوہات میں کتب فقہ کا حوالہ دیا مولوی محمد سالار نے کہا مولوی صاحب یہ دہلی نباشد کہ کتاب منہ پر دے ماری 'یہ انبہٹہ ہے "مولوی عبدالحی صاحب ادھر ادھر کی باتیں کرکے واپس ہوئے گنگوہ بھی سید صاحب تشریف لائے اور مکے کی سرائے میں قیام ہوا تھا چند شخص یہاں شرف بیعت سے مشرف بھی

ہوئے تھے جن میں سے ایک شخص یہاں کی مسجد میں رہتا تھابڑا ہی متبع سنت تھا اس کی عادت تھی جب رمضان شریف گذر چکتا تو لوگوں سے کہتا کہ بھائیو ایک برس کی میری زندگی اور نکل آئی لوگ ہنسا کرتے کہ ہر رمضان کے بعد یوں ہی کہہ دیتا ہے حتی کہ رمضان کی سات تاریخ کو انتقال کیا سید صاحب نانوتہ بھی تشریف لے گئے تھے وہاں بھی بہت سے لوگ مرید ہوئے ایک مرید نے بیان کیا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ سید صاحب مسجد جامع کے وسطی دروازہ میں کھڑے ہیں نہایت شکیل جمیل تھے اور آپ نے اپنی پگڑی اتار کر ایک سرا اپنے ہاتھ میں لے کر باقی 'بیعت کرنیوالوں کو پکڑا دی 'لوگ برابر دوسرے سرے تک اس کو پکڑے ہوئے تھے اور پگڑی کنکھجورے کی شکل معلوم ہوتی تھی کیونکہ دونوں طرف سے اس کو تھامے ہوئے تھے سید صاحب توحید ورسالت اور اتباع سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے اور بس سید صاحب اتباع سنت کیلئے ازحد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے مولوی عبدالحی صاحب سے ایکدن فرمایا کہ اگر کوئی امر مخالف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا مولوی صاحب نے کہا حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں یعنی آپ کی ہمراہی چھوڑ دونگا ایک دفعہ کا ذکر ہے سید صاحب نے شادی کی تھی نماز میں کچھ دیر سے آئے مولوی صاحب نے سکوت کیا کہ شاید نئی شادی کی وجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر ہوگئی اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی مولوی عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ "عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت"؟ سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔ ایک بار ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کیلئے پٹنہ عظیم آباد سے کوئی شخص تین سو ساٹھ جوڑے تیار کر کے بھیجا کرتے تھے کہ حضرت ہر روز نیا جوڑہ زیب تن فرمادیں لیکن غائب ہونے سے کچھ دن قبل فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اگرچہ میں ہر روز جوڑا بدلتا ہوں لیکن اگر امر خدا ہو کہ میں کملی پہنوں اور بھینس کے گوبر میں دھنس جاؤں تو بندہ کا کام ہے کہ راضی برضا ہو اس کلمہ کو بار بار کچھ دنوں میں فرمایا کرتے آخر ایک

مرید افغان نے کہا "کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتا ہے یہ کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے" سید صاحب نے فرمایا کہ واقع میں بندہ کو خدا کے حکم کی تعمیل میں بہر حالت مستعد رہنا چاہیے۔ ایک بار فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی جو سید صاحب کے ہمراہ تھے انکا یہ حال تھا کہ ایام سرما میں جب ان کے پاس گھر سے رضائی بچھونا جاتا تو اپنے اعضاء سے کہتے کہ تم ان میں آرام لو گے؟ ان میں رہو گے؟ لیکن میں جب خوش ہوں گا کہ تم میں سے ہر عضو خون میں بھرا ہوا خاک میں رلتا ہو" اور بالا آخر یونہی ہوا ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کسی شہر میں گذرے ایک کسبی خوبصورت اپنے دروازے پر کھڑی تھی سید صاحب گھوڑے پر سوار جارہے تھے آپ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر چلدیے تو وہ رنڈی بے تحاشا دوڑی اور گھوڑے کے قدموں میں گر پڑی کہ حضرت برائے خدا مجھے افعال ناشائستہ سے توبہ کراؤ اور بیعت کرلو۔ حضرت نے توبہ کرائی اور اس سے دریافت کیا کس سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ اس کا کوئی آشناء تھا اس نے اس کی نسبت کہا اس شخص نے انکار کردیا تب اسی وقت قافلہ والوں میں سے کسی شخص کے ساتھ حضرت نے اس کا نکاح کردیا اور قیامگاہ پر پہنچ کر فرمایا کہ لوگو جو کچھ تم نے دیکھا اس پر تعجب نہ کرنا اگر کوئی شخص اس سے زیادہ بھی اپنا اثر دکھائے مگر ہو خلاف سنت ہر گز ہر گز اعتبار نہ کرنا ایک دن ارشاد فرمایا کہ ہنگام قیام نانوتہ میں مسمی غلام حسین شیعوں کا مولوی تھا وہ بھی سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ایک مکان میں بیٹھے تھے جب وہ اندر آیا تو آپ متوجہ نہ ہوئے اس پر جوں ہی اثر پڑا تو وہ بد نصیب جوتیاں بھی وہیں چھوڑ کر بھاگا کہ یہ شخص سید بڑا جادوگر ہے اور جب تک سید صاحب نانوتہ میں مقیم رہے وہ جنگل میں رہا شہر میں نہ آیا (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت شاہ غلام علیؒ کی حکایات

<u>حکایت (۱۲۲)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پہلے خادم میاں کریم اللہ تھے جب میاں کریم اللہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی بجائے ان کے بیٹے میاں عید شاہ صاحب کی

خدمت کرنے لگے یہ میاں عیدو فرماتے تھے کہ جو شخص شاہ عبد العزیز صاحب کے زمانہ میں جامع مسجد (دہلی) کے امام تھے وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک بخاری بزرگ جامع مسجد میں آکر ٹھہرے اور کئی روز تک ٹھہرے رہے یہ صاحب اس قدر نیک تھے کہ ان کا مستحب تک ترک نہ ہوتا تھا اشراق۔ چاشت صلوٰۃ الاوابین پر مداومت کرتے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں سے ملنے آیا ہوں مگر نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہاں کون کون بزرگ ہیں اور نہ یہ کہ وہ کہاں کہاں رہتے ہیں اور نہ میری کسی سے شناسائی ہے کہ وہ رہبری کرے میں نے کہا کہ یہاں کے بزرگوں سے میں آپ کو ملاؤنگا مگر اتنی درخواست ہے کہ آپ عارف ہیں جن جن بزرگوں کی جو جو کیفیت جناب کو معلوم ہو اس کو مجھ سے بیان فرما دیا جاوے انہوں نے اس کو منظور فرمایا میں اول ان کو شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں لے گیا شاہ غلام علی صاحب بہت مدارات سے پیش آئے اور یہ بزرگ دیر تک اُن کی خدمت میں رہے جب وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ حضرت فرمایئے کیا کیفیت ہے آپنے فرمایا کہ کچھ نہ پوچھو بہت بڑا شخص ہے میں کوئی ولایت نہیں دیکھتا جس میں اس کی طریقت کی نہریں نہ بہتی ہوں اس کے بعد میں ان کو شاہ عبد العزیز صاحب کی خدمت میں لے گیا وہاں بھی دیر تک بیٹھے جب وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے عرض کی کہ ان کی کیفیت بیان فرمایئے انہوں نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو شاہ غلام علی سے شریعت میں بھی بڑھے ہوئے ہیں اور طریقت میں بھی ان کی شریعت کی نہریں میں تمام عالم میں دیکھتا ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ ایک زمانہ تک قائم رکھے گا اس کے بعد میں ان کو شاہ عبد القادر صاحب کی خدمت میں لے گیا وہاں بہت ہیبت زدہ بیٹھے اور تھوڑی دیر بیٹھے وہاں سے واپسی میں میں نے ان کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی حالت میں کچھ نہیں بیان کر سکتا کیونکہ جب میں نے اکبری مسجد کی سیڑھیوں پر قدم رکھا ہے تو جو کچھ میرے پاس تھا سب سلب[1] ہو گیا اور میں کورا رہ گیا اور جب

---

[1] یہ مغلوبیت ہوتی ہے بشکل مسلوبیت جیسے نور کواکب نور شمس سے کالعدم ہو جاتا ہے۔

واپس ہو کر سیڑھیوں پر آیا تو پھر مجھے مل گیا

حکایت (۱۲۳) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب جب ابتداء میں دہلی آئے ہیں تو جامع مسجد میں شرقی دروازہ کے اوپر شمالی سہ دری میں ٹھہرے کئی وقت ہو گئے مگر کسی نے کھانے کو نہ پوچھا اور یہ فاقہ سے رہے کئی وقت کے بعد ایک شخص ایک بڑی قاب میں مرغ کی بریانی لایا اور شاہ غلام علی صاحب کو مسافر سمجھ کر دیدی اس وقت کا دستور تھا کہ برتن واپس نہ لیتے تھے اس لیے اس نے قاب بھی واپس نہ لی جب انہوں نے کھانا کھایا تو کچھ کھانا بچ رہا ان کو خیال ہوا کہ اس کو رکھدیا جاوے دوسرے وقت میں کام آویگا یہ خیال کر کے انہوں نے رکھنے کیلئے ہاتھ بڑھایا اور رکھنا ہی چاہتے تھے کہ معاً ان کو خیال ہوا کہ رکھنا نہیں چاہیے بلکہ کسی اور حاجت مند کو دیدینا چاہیے جس خدا نے اس وقت دیا ہے وہ دوسرے وقت بھی دیگا یہ خیال کر کے وہ نیچے اترے اور دروازہ سے باہر کسی حاجت مند کو دینے کے لئے گئے جب یہ دروازہ سے نکلے ہیں تو ایک مجذوب نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا "خوب سمجھا بے سالے یہ ٹھہری[1] تھی کہ اگر یہ صرف قاب کو ٹیک دے تو سالے کو بھوکا مار ڈالو۔

حکایت (۱۲۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب بہت کریم النفس تھے لوگ ان کی کتابیں چرا کر لیجاتے اور پھر ان ہی کے ہاتھ بیچنے کیلئے آتے کتابوں کا داروغہ دیکھتا اور کہتا کہ حضور یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے دیکھئے اس پر آپ کا نام بھی لکھا ہوا ہے اور میرا بھی آپ فرماتے کیا دنیا میں[2] میرے اور تیرے نام کا کوئی اور شخص ہے ہی نہیں نہیں ہماری کتاب نہیں ہے اسی کی ہے مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے اور وہ کتاب اسی کو دیدیتے

حکایت (۱۲۵) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی کچھ پڑھا تھا جب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ

---

[1] ہر ایک کے ساتھ جدا معاملہ ہے اس سے اذخار کا منافی توکل ہونا لازم نہیں آتا۔

[2] یہ ہے علم و عمل لاتقف مالیس لك به علم کا (اشرف علی)

عرض معروض کرنی ہوتی تو عرضی لکھا کرتے تھے۔[1]

مولانا شاہ عبد الغنی صاحبؒ کی حکایات

حکایت (۱۲۶) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد حسن صاحب مراد آبادی کے والد مولوی احمد حسن شاہ عبد الغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے مگر اعمال وغیرہ میں بدعات کا رنگ تھا قوالی سنتے تھے عرسوں وغیرہ میں بھی شریک ہوتے تھے اس وجہ سے شاہ عبد الغنی صاحب نے انکو حدیث کی سند بھی نہ دی تھی اسی زمانہ میں خورجہ میں ایک شخص یعقوب خاں نام تھے یہ شخص فارسی میں نہایت قابل اور اردو کے بہت اچھے شاعر تھے میر کے رنگ میں شعر کہتے تھے مگر انکا دیوان مرتب نہیں ہوا یہ کہا کرتے تھے کہ وادی پر خار میں یا میر گیا ہے یا میں اور میر کا یہ شعر پڑھتے تھے ماجرا برہنہ پائی کا ہمارے مجنوں خار سے پوچھ کہ سب نوک زباں ہے اسکو

اور اپنے یہ شعر پڑھتے تھے

مل کے خاروں سے دشت غربت میں آبلے پھوٹ پھوٹ کر روئے

ایضاً ۔ ہم نے چاہا کہ اٹھیں دست جنوں سے یعقوب آبلے پاؤں پڑے خار نے دامن پکڑے

فرہاد نہ پوچھ سختی ہجر دن آج پہاڑ سا کٹا ہے

یہ یعقوب خاں خاندان عزیزی کے عقائد پر تھے اور مراد آباد میں داروغہ تھے ایکروز یہ اپنے دروازہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مولوی احمد حسن صاحب قوالی میں سے تشریف لائے انہوں نے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کہاں[2] سے آرہے ہو فرمایا کیا بتاؤں کہاں سے آرہا ہوں جھک مار کے آرہا ہوں گوہ کھا کے آرہا ہوں

حکایت (۱۲۷) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ بھی مولانا گنگوہی بیان فرماتے تھے کہ ایک

---

[1] ادب کا یہ بھی ایک رنگ تھا دوسرا رنگ عرضی کو حجاب سمجھ کر زبان سے عرض کرنا ہے۔ ع
ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است (اشرف علی)

[2] اس کی وجہ مولوی احمد حسین صاحب مراد آبادی کی حکایات میں آتی ہے

مرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں کئی وقت کا فاقہ ہوا اسکا تذکرہ ان کی ماما نے کہیں کر دیا اسکی خبر کسی ذریعہ سے مفتی صدرالدین خان صاحب کو بھی ہو گئی مفتی صاحب نے تین سو روپیہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیے شاہ صاحب نے واپس کر دیے اس پر مفتی صاحب وہ روپے لے کر خود حاضر ہوئے[1] اور تخلیہ میں روپے پیش کئے اور فرمایا کہ شاید حضور کو خیال ہو کہ صدر الصدر ہے رشوت لیتا ہوگا اسلیے میں عرض کرتا ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا بلکہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں آپ ان کو قبول فرما لیجئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو یہ وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ تم رشوت لیتے ہو گے میں تمہاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا اور اس لیے میں ان کے لینے سے معذور ہوں

<u>حکایت (۱۲۸)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مفتی صدرالدین خان صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں سے کچھ کتابیں مستعار منگائیں شاہ صاحب نے بھیجدیں جلدیں شکستہ تھیں مفتی صاحب نے واپسی کیوقت نئی جلدیں بندھوا کر واپس بھیجدیں جب شاہ صاحب کے پاس کتابیں پہنچیں تو شاہ صاحب نے جلدیں توڑ کر مفتی صاحب کو واپس فرما دیں اور کہلا بھیجا ہمارے وہی پرانے پٹھے بھیج دو[2]

اضافہ از مولانا محمد نبیہ صاحب

<u>حکایت (۱۲۹)</u> مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے استاد مولانا شاہ

[1] اس سے بھی جناب مفتی صاحب کا یہ کمال ادب و محبت دینی ثابت ہوتی ہے کہ واپسی کو اپنی شان کے خلاف سمجھ کر متغیر نہیں ہوئے پھر نیاز مندانہ حاضر ہوئے اور کمال خلوص سے تخلیہ میں پیش کیے پھر دوبارہ واپس کرنے اور نوکری کو ناجائز کہنے پر ناگواری نہیں ہوئی یہ اس زمانہ کے دنیاداروں کا حال تھا: (اشرف علی)

[2] احقر نے یہ حکایت حضرت مولانا گنگوہی سے اس اضافہ کے ساتھ سنی ہے کہ جناب مفتی صاحب نے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ یہ جلدیں اپنی تنخواہ سے بھی نہیں بنوائیں بلکہ اپنے بزرگوں کے ترکہ سے بنوائی ہیں حضرت شاہ صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ جب مفتی صاحب ایسا کہتے ہیں تو پھر کیوں شبہ کیا جاوے اس کے کچھ دیر بعد ان جلدوں کو توڑ ڈالا اور فرمایا دل قبول نہیں کرتا (اشرف علی)

عبدالغنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس قدر نفس سے دوری ہے اس قدر قرب حق تعالیٰ حاصل ہے (از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اشرف لتنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۱۳۰) ایک بار ارشاد فرمایا کہ میرے استاد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا تقوی بہت بڑھا ہوا تھا سینکڑوں مرید تھے اور ان میں اکثر امراء اور بڑے آدمی تھے مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ رہتا تھا ایکروز آپ کے ہاں کئی روز کا فاقہ تھا خادمہ کسی بچہ کو گود میں لیے ہوئے باہر نکلی، بچہ کے چہرہ پر بھی فاقہ کے سبب پژمردگی تھی اتفاق سے مفتی صدر الدین صاحب کہیں سے تشریف لائے تھے بچہ کا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھا تو خادمہ سے پوچھا بچہ کیسا ہے اس کا رنگ کیوں متغیر ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حضرت کے ہاں کئی وقت سے فاقہ ہے مفتی صاحب کو سخت صدمہ ہوا اسی وقت گھر پہنچ کر خادم کے ہاتھ ڈیڑھ سو روپیہ روانہ کیے اور لکھا کہ یہ آمدنی فیس کی نہیں ہے بلکہ تنخواہ ہے قبول فرمالیجئے وہ روپے حضرت شاہ صاحب نے واپس فرمادیے اور کہلا بھیجا آپ کی تنخواہ ہی کہاں جائز ہے؟ یہ تو ہو لیا اس کے بعد شاہ صاحب کو فکر ہوا کہ فاقہ کا راز کس طرح ظاہر ہوا تحقیق سے معلوم ہوا کہ خادمہ نے کہدیا تھا آپنے اسکو بلایا اور فرمایا نیک بخت اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کے لئے ہمارا رازفشانہ کرو (منقول از تذکرۃ الرشید)

میاں جی عظیم اللہ خادم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی حکایات

حکایت (۱۳۱) خان صاحب نے فرمایا میاں جی عظیم اللہ ایک شخص تھے جو خورجہ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے چنداں نہ تھے معمولی فارسی جانتے تھے اور لڑکے پڑھایا کرتے تھے مگر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے صحبت یافتہ اور مرید تھے اس لیے دین میں ان کی سمجھ نہایت اعلیٰ تھی انہوں نے ایک مرتبہ تصور شیخ کے متعلق تقریر فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی قوت اضافہ نہایت کامل تھی اس لیے صحابہ کی اصلاح باطن کے لئے صرف آپ کی تعلیم کافی تھی اور ان کو

اشغال متعارفہ بین الصوفیہ کی ضرورت نہ تھی اور بدون ان اشغال کے اصلاح ہو جاتی تھی جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد رفتہ رفتہ یہ قوت مضمحل ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ صوفیہ کو اصلاح باطن میں اشغال متعارفہ مثل ذکر بالجہر و حبس دم و پاس انفاس وغیرہ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے اشغال متعارفہ سے کام لیا یہ اشغال جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے اس لیے بدعت تھے مگر بدعت فی الدین نہ تھے بلکہ بدعت للدین تھے یعنی ان امور کو دین میں داخل نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو امور شرعاً مامور بہ تھے ان کو ان کی تحصیل کا ذریعہ بنایا گیا تھا اس لیے یہ اشغال للدین تھے نہ کہ داخل دین اسکو یوں سمجھو ایک طبیب نے نسخہ میں شربت بنفشہ لکھا مریض کو شربت بنفشہ کی ضرورت ہے مگر بازار میں شربت بنفشہ نہیں ملتا اس لیے وہ لکڑیاں لاتا ہے آگ جلاتا ہے دیگچی لاتا ہے شکر لاتا ہے پانی لاتا ہے بنفشہ وغیرہ لاتا ہے اور شکر و بنفشہ وغیرہ کو دیگچی میں ڈال کر آگ پر پکاتا ہے اور شربت بنفشہ بنا کر نسخہ کی تکمیل کرتا ہے تو یہ لکڑیاں لانا آگ جلانا وغیرہ زیادت فی النسخہ نہیں بلکہ تکمیل النسخہ ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ تحصیل مرتبہ احسان اور اصلاح نفس شرعاً مامور بہ ہیں اور شریعت نے انکا کوئی طریق خاص معین نہیں فرمایا اسلیے یہ مامور بہ جس طریق مباح سے بھی حاصل ہوں اس طریق کو اختیار کیا جائیگا اور وہ طریق خاص جزو دین نہ ہوگا مگر ذریعہ دین ہوگا جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ آدمی کیلئے سینکڑوں بت ہیں جو اس کو توجہ الی الحق سے مانع ہیں کہیں اس کا دل مال میں الجھا ہوا ہے کہیں جاہ میں کہیں جورو میں کہیں اولاد میں کہیں معشوق میں الی غیر ذلک غرض اس کا ایک دل ہزاروں مطلوبات میں مشغول ہے اور یہ مشغولی اس کو توجہ الی الحق سے مانع ہے جب مشائخ نے جو اطباء روحانی ہیں اس مانع کو محسوس کیا تو اس کا علاج تصور شیخ تجویز کیا[1] تاکہ اس کا قلب سب طرف سے ہٹ کر ایک مرکز پر آٹھہرے اور اس میں مقصود اصلی کی طرف توجہ کی استعداد پیدا ہو جاوے اور گویہ تصور خود بھی بت یعنی غیر مقصود تھا مگر بضرورت جمع خاطر اس کو اختیار کیا گیا تھا

[1] یہ تفصیل ہے اسی تحقیق کی جو حواشی حکایات بالا میں بیان کی گئی ہیں (اشرف علی)

جب ان کے خیالات وافکار ایک مرکز پر جمع ہو کر اس قابل ہو جاتے تھے کہ وہ مقصود اصلی و حقیقی یعنی حضرت حق کی طرف متوجہ ہو سکیں تو اس بت کو بھی توڑ دیتے تھے اور تصور شیخ کو بیچ میں سے ہٹا کر اس قلب کو براہ راست حق تعالیٰ سے وابستہ کر دیا جاتا تھا یہ اصلی غرض تھی تصور شیخ کی اور یہ مقصد تھا اس کا اب بعد کے لوگوں نے تصور شیخ کو جو حقیقت میں بت مگر ذریعہ تھا اس تعداد توجہ الی الحق کا مقصود اصلی بنالیا اور اسی پر جم کر رہ گئے اور وہ بجائے ذریعہ توجہ الی الحق ہونے کے (اور موانع سے بھی زیادہ) توجہ الی الحق سے مانع تام ہو گیا جب سید صاحب پر یہ منکشف ہوا کہ اب تصور شیخ موصل الی الحق نہیں رہا بلکہ حق سے مانع ہو گیا ہے تو انہوں نے اس کو منع فرمایا اور نہایت سختی کے ساتھ روکا یہ وجہ تھی سید صاحب کے تصور شیخ سے انکار کی

مولوی شاہ محمد عمر صاحبزادہ مولانا شہیدؒ کی حکایات

<u>حکایت (۱۳۲)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں نواب مصطفےٰ خاں کے مکان پر اپنے پھوپھا کے ساتھ موجود تھا اور وہاں مفتی صدرالدین خاں اور مرزا غالب بھی موجود تھے مفتی صدرالدین خاں نے مولوی محمد عمر صاحب ابن جناب مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا ایک قصہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ مشہور تھا کہ مولوی **محمد عمر صاحب** کو جناب رسول اللہ ﷺ کی بہت زیارت ہوتی ہے اس پر میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دوسرے اشخاص نے اصرار کیا کہ ہم کو بھی زیارت کرا دیجئے مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ جامع مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب آپ کو مور چھل جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدرالدین آؤ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرلو اور بعینہ یہی خواب امام صاحب نے دیکھا وربعینہ یہی خواب ان دوسرے اشخاص نے دیکھا جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کی طرف چلا کہ ان سے یہ خواب بیان کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کیلئے میری طرف چلے اور وہ دوسرے

اشخاص بھی ہماری طرف چلے اتفاق سے راستہ میں ہم سب ایک مقام پر مل گئے اور میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس جار ہا تھارات میں نے یہ خواب دیکھا ہے انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس آرہے تھے ہم نے بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحب[1] کے مکان پر آئے تو اس وقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے

حکایت (۱۳۳) خان صاحب نے فرمایا کہ اسی مجلس میں نواب مصطفٰے خاں نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ہم چند احباب جن میں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالا خانہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور بلا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا اتفاق سے مومن خاں کہیں سے مولوی محمد عمر صاحب کو پکڑ لائے وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے آخر لا کر اس مجلس میں ان کو بٹھا دیا گانا برابر ہوتا رہا تھوڑی دیر میں مولوی محمد عمر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی حرکت کی اس کے اثر سے سارا مکان ہل گیا اس پر سب کو شبہ ہو گیا یہ بھی خیال ہوا کہ شاید ان کی جنبش کا اثر ہوا اور یہ بھی کہ شاید زلزلہ ہو اس پر سب کی توجہ مولوی محمد عمر صاحب کی طرف ہو گئی تھوڑی دیر میں انہوں نے دوبارہ حرکت کی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی اس سے مکان پھر ہل گیا اور پہلے سے زور سے ہلا اب تو یقین ہو گیا کہ یہ انہی کی حرکت کا اثر ہے تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور لکڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن کھن کرنے لگے اس پر کسی نے کہا مولوی محمد عمر یہ کیا انہوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ اور یہ کہہ کر اٹھ کر چلدیے۔[2]

---

[1] یہ مولوی محمد عمر صاحب مجذوب تھے اسلیے ان کے افعال کی (کہ ایک ہی رات میں سب کو ایک ہی خواب نظر آنا اور یہ کہنا کہ میں ایسا نہیں ہوں اور بھاگ جانا) حقیقت معلوم ہونے کی ضرورت نہیں یہ ضرورت سالکین کے اقوال وافعال میں ہوتی ہے [2] یہاں بھی اسی مضمون کا اعادہ کرتا ہوں جو حاشیہ حکایت بالا میں گذرا (اشرف علی)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۳۴) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا شاہ محمد عمر صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے تھے اور مجذوب تھے ایک بار جامع مسجد دہلی میں اکبر خاں غیر مقلدی کا بانی وعظ کر رہا تھا جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد عمر صاحب اس کے پاس وعظ سننے کو تشریف لے چلے لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ غیر مقلد ہے آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا قرآن وحدیث رسول ہی تو بیان کرتا ہے" غرض شاہ صاحب مراقب ہو کر وعظ میں بیٹھ گئے جب تک وہ حدیث پڑھتا رہا خاموش بیٹھے سنتے رہے ایک حدیث کے بعد اکبر خاں کی جو شامت آئی تو اس نے کہا "اگر ابو حنیفہ بھی ہوتے تو اس حدیث کا مطلب ہم انہیں سمجھا دیتے" بھلا شاہ صاحب میں کہاں تاب تھی آپ نے سر اٹھا کر فرمایا تو ابو حنیفہ کو مطلب سمجھاتا جن کے مقلد جنید و شبلی جیسے ہو گئے" اٹھ کر ایک دھول اسکے سر پر ایسی لگائی کہ اس کا عمامہ اڑ گیا چند بنگالی طالب علم جو اکبر خاں کے معتقد اسکے ہمراہ تھے شاہ صاحب کے مقابلہ کو تیار ہوئے مگر اکبر خاں نے روکا کہ نہیں نہیں صاحبزادہ ہیں

حکایت (۱۳۵) ایک بار شاہ محمد عمر صاحب جا رہے تھے اندھیری رات تھی پہرہ والے نے ٹوکا کہ کون جاتا ہے؟ شاہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا پہرہ والے نے پھر پوچھا کہ کون ہے؟ تب فرمانے لگے "تجھے معلوم نہیں ہوتا آفتاب نکلا ہوا" اس جواب پر پہرہ والے نے مارنا شروع کیا کسی نے اتفاق سے پہچان لیا اور کہا ارے یہ تو مولانا محمد عمر صاحب ہیں اس پر پہرہ والے نے بھی معذرت کی کہ حضرت میں نے پہچانا نہ تھا شاہ صاحب نے فرمایا کچھ نہیں میاں کچھ نہیں "اور چلے گئے (منقول از تذکرۃ الرشید)

میاں نذیر حسین صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۱۳۶) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولوی عبدالرب صاحب کے والد مولوی عبدالحق صاحب شاہ اسحٰق صاحب کے شاگرد اور مولوی نذیر حسین صاحب کے خسر تھے مولوی نذیر حسین صاحب نے ان سے حدیث پڑھی تھی اور شاہ اسحٰق صاحب سے نہیں پڑھی جب شاہ صاحب ہجرت کرنے لگے نواب قطب الدین خان صاحب نے شاہ صاحب سے سفارش کی کہ مولوی نذیر حسین صاحب کو حدیث کی سند دیدیجئے کیونکہ اس وقت مولوی نذیر حسین صاحب سے اور نواب صاحب سے بہت دوستی تھی شاہ صاحب نے ان کی سفارش سے ان سے ہر کتاب کے ابتداء کی کچھ کچھ حدیثیں سن کر ان کو قطب صاحب میں حدیث کی سند دی [1]

حکیم خادم علی صاحب مرحوم کی حکایات

حکایت (۱۳۷) خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ لوگ (صوفیا زمانہ) **لامعبود الا اللہ لاموجود الااللہ لا محبوب الا اللہ** کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ اور جملہ ماسوااللہ کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد کو اپنا مقصود اپنا مطلوب اپنا محبوب بنالیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تعلیم کے یہ لوگ قبر پرستی کیسے کرتے ہیں پھر فرمایا کہ بعض صحابہ نے ملوک عجم میں سجدہ کی رسم دیکھ کر جناب رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور لوگ سلاطین کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں آپ تو سلاطین عجم سے کہیں زیادہ سجدے کے مستحق ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا میری قبر پر گذر ہو تب بھی تم مجھے سجدہ کرو گے انہوں نے عرض کیا کہ نہیں اس پر آپنے فرمایا کہ پھر اب سجدہ کس لیے کیا جاوے اب بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ فانی سجدہ کا مستحق نہیں اور سجدہ کا مستحق صرف حی وقیوم ہے اس سے

[1] ایسی سند برکت ہے اجازت نہیں (اشرف علی)

معلوم ہوا کہ مردہ کو سجدہ کرنا زندہ سے زیادہ خلاف عقل ہے اور اس کی شناخت اس قدر ظاہر ہے کہ وہ صحابی جو جناب رسول اللہ ﷺ سے سجدہ کی درخواست کرتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ کو بھی سجدہ کرنا خلاف عقل اور برا سمجھتے ہیں حالانکہ آپ کی موت محض صوری ہے اور ایسی نہیں جیسے غیر انبیاء کی موت پس سمجھ میں نہیں آتا کہ قبور اولیاء اللہ کو سجدہ کیونکر معقول ہو سکتا ہے۔[1]

حکایت (۱۳۸) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم خادم علی صاحب اپنی مسجد میں تشریف رکھتے تھے رمضان کا مہینہ اور افطار کا وقت تھا آپنے روزہ افطار کر لیا اتنے میں چند رافضی آئے اور آکر کہا قسم ہے امام حسین کی اس وقت آفتاب غروب نہیں ہوا تھا حکیم صاحب نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو آفتاب غروب ہو چکا تھا انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آفتاب ہرگز غروب نہیں ہوا تھا اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے قلوب میں دین اور ایمان ہے ہماری شہادت قلب غلط نہیں ہے آفتاب غروب ہو چکا ہے اور اگر تمہیں اس میں کچھ تردد ہو تو کل کو مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دینا اور تم لوگ آفتاب کو دیکھتے رہنا جس وقت آفتاب غروب ہو گا میں تمہیں اطلاع کروں گا اس وقت تمہیں تصدیق ہو جاویگی انہوں نے اس دعویٰ کو عجیب سمجھ کر کہا بہت اچھا اگلے روز غروب آفتاب سے پہلے حکیم صاحب کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور خود چھت پر چڑھ کر غروب آفتاب کو دیکھنے لگے جب آفتاب غروب ہوا حکیم صاحب نے فوراً اندر سے اطلاع کی کہ آفتاب غروب[2] ہو گیا ہے اس وقت ان کو انکے دعویٰ کی تصدیق ہو گئی

---

[1] نہایت لطیف ولاجواب تقریر ہے مگر یہ سوال باقی ہے کہ پھر اس کا وقوع ہی کیوں ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلال نے ان دونوں میں منافات نہیں سمجھی بلکہ قریب قریب اتحاد د حلول کا عقیدہ کر کے ان کو غیر نہیں سمجھا تعالی اللہ عمایقولون علوا کبیرا (اشرف علی) [2] کرامت ہے کہ یہ خبر مطابق واقع کے ہوئی مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس کو من حیث الکرامت حجت سمجھتے تھے بلکہ من حیث الدلیل تحری حجت ہے

شاہ احمد سعید صاحبؒ کی حکایت

حکایت (۱۳۹) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب نے ایک مرتبہ اپنی خانقاہ کی مسجد میں نماز پڑھی تو نماز کے بعد ایک شخص اٹھا اور خانقاہ کے لوگوں کو اس نے دودو پیسے دینے شروع کیے شاہ صاحب کے کسی صاحبزادے کو بھی اس نے دینے چاہے تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا ان کا ہاتھ کھینچنا شاہ احمد سعید صاحب نے دیکھ لیا اس پر آپ نے صاحبزادے پر عتاب فرمایا اور فرمایا کہ دو پیسے تھے اس لیے ہاتھ کھینچ لیا اگر سو روپیہ ہوتے تو جھٹ سے لے کر رکھ لیتا وہ سو روپیہ بھی خیرات ہی ہوتے ان کو کیوں لے لیتا یہ فرما کر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ لاؤ مجھے دو اور آپ نے دو پیسے لے کر رکھ لیے[1] اور فرمایا ہم تو خیرات ہی کھانیوالے ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب پھلتیؒ کی حکایات

حکایت (۱۴۰) خان صاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب جہاد کو تشریف لیجاتے ہوئے پھلت پہنچے ہیں تو وہاں سے روانگی میں مولوی عبدالحی صاحب اور ان کے والد بھی مشایعت میں تھے اور مولوی عبدالحی صاحب کے والد نے مولوی صاحب کو جہاد کے لئے جانے کی اجازت نہ دی تھی جب پھلت سے ایک میل نکل کر سید صاحب نے مشایعت کرنے والوں کو رخصت کیا تو مولوی عبدالحی صاحب سے بھی فرمایا کہ مولانا آپ کے والد صاحب کی اجازت نہیں ہے آپ بھی رخصت ہو لیجئے غرض سید صاحب نے ان کو رخصت کیا اور رخصت کر کے آپ تشریف لے چلے جب آپ تشریف لے چلے تو مولوی صاحب بیتاب ہو گئے اور یہ کہہ کر کہ ہائے سید صاحب مجھے چھوڑ گئے سر پر خاک ڈالنی شروع کی اور زمین پر لوٹنے لگے جب ان کے والد صاحب نے ان کا یہ اضطراب دیکھا تو مجبوراً ان کو اجازت دینی پڑی جب ان کے والد نے اجازت دیدی تو وہ بھاگے

---

[1] یہ ہے قدر دانی نعمت کی۔ اور جس حرکت پر عتاب فرمایا وہ استغناء ہے نعمت سے جس کی نفی شکر طعام کی حدیث میں آئی ہے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا (اشرف علی)

اور بھاگ کر سید صاحب سے جا ملے[1] یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔

حکایت (۱۴۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی دینی معاملہ میں مولوی عبدالحی صاحب کو غصہ آتا ہے تو اس وقت انوار الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جب کبھی مولوی صاحب کو غصہ آتا تھا تو سید صاحب مولوی صاحب کے پیچھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اس کے بعد فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب سید صاحب کے لشکر میں قاضی تھے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا ایک مرتبہ کسی ولایتی نے کسی ہندوستانی کے تھپڑ مار دیا اس نے مولوی صاحب کے یہاں نالش کی مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ مدعی مدعا علیہ کے تھپڑ مارے مگر اس ولائتی مدعا علیہ نے اس فیصلہ کو منظور نہ کیا اس پر مولوی صاحب کو نہایت غصہ آیا اور جوش غیظ میں کھڑے ہو گئے[2] سید صاحب حسب عادت آپ کے پیچھے کھڑے تھے جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو آپ نے خیال کیا کہ مبادا بات بڑھ جائے اور ولائتی لوگ بگڑ جائیں اور جہاد کا معاملہ مختل ہو جائے اور یہ خیال کر کے مدعی کو اشارہ سے بلایا اور بلا کر اس سے کہا تو مولوی صاحب سے کہدے کہ میں نے خدا کے واسطے اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو معاف کیا اس نے مولوی صاحب سے اسی طرح کہدیا اس کے یہ کہتے ہی مولوی صاحب کا غصہ بالکل فرد ہو گیا اور ایسے ہو گئے کہ غصہ آیا ہی نہ تھا

حکایت (۱۴۲) خان صاحب نے فرمایا کہ سفر حج میں یا جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب کی بیوی ان کے ساتھ تھیں اور دوسرے لوگوں کی بیویاں بھی ان کے ساتھ تھیں ایک مقام پر پردہ کا انتظام کر کے انہوں نے اپنی بیوی کو اتارا اور اس سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو لو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی

---

[1] غیر واجبات میں والد کی اطاعت مقدم ہے شیخ کی اطاعت پر اور شیخ کامل بھی اسی ترتیب کا حکم دیتا ہے [2] غضب اللہ میں انوار ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں جو غضب کو جو مفسد ایمان فرمایا ہے وہ غضب نفس ہے۔ (اشرف علی)

حکایت (۱۴۳) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب جہاد میں شہید نہیں ہوئے بلکہ اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے جب ان کا انتقال ہونے لگا ہے تو انہوں نے سید صاحب سے عرض کی کہ سید صاحب شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جاوے سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو اور آپ نے ان کی تسلی کے لیے اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔[1]

شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتیؒ کی حکایات

حکایت (۱۴۴) خان صاحب نے فرمایا اسی جگہ ذرا سی بات اور لکھوانا چاہتا ہوں مفصل قصہ کسی اور جگہ لکھواؤں گا (وہ مفصل حکایت (۱۴۷) میں مذکور ہے شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے مرید کرایا اس کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔[2]

---

[1] کیا انتہا ہے عقیدت کی اور اس عقیدت پر جب اظہار حق کا وقت ہوتا تو خود سید صاحب ان کا بے حد ادب فرماتے تھے۔ چنانچہ حکایت نمبر ۱۴۲ میں گذرا ہے کہ مولوی صاحب کے غصہ کے وقت سید صاحب ان کے پیچھے چھپ جاتے تھے۔

وزیرے چنیں شہریارے چناں　　جہاں چوں نگیرد قرارے چناں

[2] احقر یہ سمجھا ہے کہ عبادت کے کمال کی جو حقیقت ہے ان تعبداللہ کانک تراہ الخ میں سید صاحب کی صحبت سے قوت بڑھ گئی۔ سید صاحب کی یہ نسبت خاص زیادہ قوی ہوگی گو دوسرے احوال باطنیہ پہلے سے ممکن ہے کہ ان میں سید صاحب سے بھی زیادہ قوی ہوں چنانچہ احقر نے ثقات سے سنا ہے کہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف ہو کر کیفیات و نسبت کا مبادلہ کرتے تھے چنانچہ (۱۴۶) میں آتا بھی ہے۔ (اشرف علی)

حکایت (۱۴۵) خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی سے سنا ہے کہ سید صاحب سہارنپور تشریف لائے تو یونبی کی مسجد کی طرف کو نکلے اس زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی رحمتہ اللہ علیہ اس مسجد میں رہتے تھے جب آپ مسجد کے نیچے تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کیا اس مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں ہمراہیوں نے عرض کیا کہ ہاں حضور ایک بزرگ رہتے ہیں سید صاحب یہ سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور حجرہ میں جا کر کواڑ لگا لیے جب باہر نکلے تو سید صاحب ہنستے ہوئے نکلے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے اسی قسم کے دو یا تین جلسے اور ہوئے کہ سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے[1] چوتھے یا پانچویں جلسہ میں سید صاحب اپنی حالت پر نکلے اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہوئے یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ اول کے جلسوں میں جو سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت شاہ صاحب پر غالب تھی اور شاہ صاحب کی نسبت سید صاحب پر اور آخر مرتبہ جو سید صاحب اپنی حالت پر اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت کو غلبہ ہو گیا تھا۔

حکایت (۱۴۶) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور حضرت کے خاص مریدوں میں تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا ان عبداللہ خاں نے شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ مجھے دو عصا مکشوف ہوئے ایک آپ کی نسبت کا اور دوسرا سید صاحب کی نسبت کا آپ کی نسبت کا جو عصا تھا وہ نہایت خوبصورت تھا اور سید صاحب کی نسبت کا جو عصا تھا اس درجہ خوبصورت نہ تھا اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی

---

[1] بجوش گل چہ سخن گفتہ ءکہ خندان است :: بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است (اشرف علی)

نسبت سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہے پھر آپ ان سے کیوں بیعت ہوئے آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ میری نسبت کسی حیثیت سے سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہو مگر مجھے پہلے نہ نماز پڑھنی آتی تھی اور نہ روزہ رکھنا آتا تھا سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ بھی رکھنا آگیا مولینا گنگوہی اس روایت کو یوں بیان فرماتے تھے کہ عبداللہ خاں نے ایک روز شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی اور سید صاحب کی نسبتوں کی طرف توجہ کی تو آپ کی نسبت میں نور اور چمک دمک معلوم ہوئی اور سید صاحب کی نسبت میں اندھیرا اور یہ بات بیان فرما کر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں جانتے مگر جب حاجی صاحب کے یہاں اس قصہ کا ذکر آیا تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کی نسبت میں ذات بحت کی تجلی تھی اور ذات بحت کی تجلی میں اندھیرا ہی ہوتا ہے [1]

جملہ معترضہ (خان صاحب نے فرمایا کہ امیر شاہ نے مولانا نانوتوی سے دریافت کیا کہ حضرت جب آپ سید صاحب کو مجدد مانتے ہیں تو ان کی نسبت تو سب سے اعلیٰ ہونا چاہیے پھر ان کی نسبت کا شاہ عبدالرحیم کی نسبت سے گھٹا ہوا ہونا کیا معنی اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ جس بات کیلئے مجدد آتا ہے اس میں اس سے کوئی بڑھا ہوا نہیں ہوتا ہاں دوسری حیثیت سے جیسے ذکر واشغال وغیرہ اگر اس سے کوئی بڑھ جاوے تو اس کا مضائقہ نہیں) **عود الی ماقبل الجملته المعترضته** اس کے بعد خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولانا گنگوہی کی روایت اور مولانا نانوتوی کی روایت دونوں کی حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیا حاجی صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے ضرور مجھ سے سنا ہوگا مگر مجھے یاد نہیں آتا اور مولانا نانوتوی کی روایت کو سن کر

---

[1] اس کو ظلمت نہ سمجھا جاوے یہ بھی نور ہے جیسے آنکھ کی پتلی نور محض ہے اور سیاہ ہے اور یہ تجلی بھی عین نہیں ہوتی مثال ہوتی ہے جس کو ذات سے خاص مشابہت ہے کہ اس میں وصف غلبہ علی الجمیع الالوان ہے اور ذات میں وصف غلبہ علی الاکوان۔ چنانچہ ہر رنگ کی بوتل اپنے مظروف کے لون سے متغیر ہو جاتی ہے مگر سیاہ بوتل کسی لون سے متغیر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

فرمایا کہ مولانا نانوتوی کی عبداللہ خاں سے بہت دوستی تھی ممکن ہے کہ انہوں نے مولانا سے یہ واقعہ بیان کیا ہو مگر مجھے یہ بھی یاد نہیں اس کے بعد خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے بھی اس واقعہ کی نسبت ایک تقریر فرمائی تھی مگر نہ وہ تقریر بعینہ مجھے یاد رہی اور نہ اس کا ماحصل' اتنا خیال آتا ہے کہ آپ کی تقریر دونوں روایتوں کی مؤید تھی نہ کہ مخالف۔

حکایت (۱۴۷) خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے جو لوگ ان کے سید صاحب سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہوئے ان کی حالت نہایت اچھی تھی اور اُن پر اتباع سنت نہایت غالب تھا اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے ان کی حالت اس درجہ کی نہ تھی نیز مولانا رائپوری نے فرمایا کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہو چکے تو اس کے بعد وہ ساڈھورہ[1] تشریف لے گئے اور وہاں تشریف لیجا کر اپنے سابق پیر کے خدام کو و نیز قصبہ کے تمام عوام وخواص کو بلا کر ایک جلسہ کیا اور اس جلسہ میں آپ نے فرمایا کہ میرے پیر کا عرس تو پہلے بھی ہوتا تھا مگر ترقی اسے میں نے دی تھی اور موجودہ حالت اس کی میری کوشش سے ہوئی ہے اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے اور میری سمجھ میں اس کی برائی آگئی اس لیے میں آپ صاحبان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس عرس کو موقوف کر دیا جاوے شاہ عبدالرحیم صاحب کے پیر کے دو صاحبزادے تھے انہوں نے بر سر جلسہ کہا کہ یہ حاجی نہیں پاجی ہے اس کی کوئی نہ سنو یہ سن کر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور سب چلے گئے مگر عبداللہ خاں جن کا ذکر نمبر سابق میں آیا ہے نہیں اٹھے اور یہ بیٹھے رہے شاہ صاحب نے تھوڑی دیر میں فرمایا کہ میاں عبداللہ خاں سب چلے گئے تم کیوں بیٹھے ہو تم بھی چلے جاؤ اس پر عبداللہ خاں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ آپ کے پیر[2] قبر میں سے اٹھ کر کہیں گے کہ اٹھ جائیں تب بھی نہ اٹھوں گا اور پیر تو پیر اگر ان کے پیر بھی کہیں گے

[1] غالباً ڈھول ہوا ہے امروہہ ہوگا ان کے پیر سابق کا مزار امروہہ ہی میں ہے [2] یہ مسلمہ ہے کہ قوم کے نزدیک شیخ کے مقابلہ میں شیخ الشیخ کی اطاعت نہیں ہے ہاں اس کا معاملہ خود شیخ کے ساتھ ہے :: (اشرف علی)

تب بھی نہ اٹھوں گا اور اسی طرح بہت دور ترقی کرتے چلے گئے غرض انہوں نے کہا کہ میں کسی طرح آپ کو نہ چھوڑوں گا۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۱۴۸) ایک دن ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب شہید اور دو شخص ان کے ہمراہ ہو کر امروہہ شاہ عبدالہادی صاحب کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے تین دن تک حضرت کے ہاں مسجد میں مہمان رہے حضرت شاہ صاحب نے ان کے حال پر کچھ توجہ نہ فرمائی نماز کیلئے مسجد میں آتے اور فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لے جاتے جب اسی طرح تین دن گذر گئے تو دونوں ہمراہیوں نے حضرت حاجی صاحب شہید سے کہا کہ میاں یہ تو ایک امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں ہماری طرف بالکل بھی توجہ نہیں کرتے پھر ہم بھی مرید ہو کر کیا کریں گے چلو کوئی دوسری جگہ دیکھیں جہاں فقیری اور درویشی ہو۔ حضرت حاجی صاحب نے جوابدیا بھائی تمہیں اختیار ہے جاؤ میں اسی جگہ کا ہو رہا آخر وہ دونوں چلدیے اس کے بعد جو حضرت حاجی صاحب شہید شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے چیں بجبیں ہو کر آڑے ہاتھوں لیا اور خوب دھمکایا کہ یہاں کیوں پڑے ہو جاتے کیوں نہیں؟ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو سلسلہ خدام میں داخل فرمالیں شاہ صاحب نے ترشی کے ساتھ جواب دیا "میں ایک امیر آدمی ہوں پان چھالیہ کھاتا ہوں میں بیعت کرنے کے قابل نہیں نہ میں تم کو بیعت کرتا ہوں جاؤ کوئی دوسری جگہ دیکھو" حاجی صاحب نے گردن جھکالی اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تو بیعت فرما ہی لیں آخر دو چار دن کے بعد حضرت کو یقین ہوا کہ بدون بیعت جائیں گے نہیں تب ظہر و عصر کے مابین حاجی صاحب کو ہمراہ لے کر دریا پر گئے اور دریا کے کنارے ان کو بیعت کیا حضرت حاجی صاحب شہید پر بے اختیار ہنسی کا غلبہ ہوا اور قہقہے لگانے شروع کیے حضرت شاہ صاحب بھی اسی طرح ہنسنے لگے جب عصر کا وقت ہوا تو شاہ صاحب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے حاجی

صاحب مقتدی تھے مگر دونوں پر ہنسی اس درجہ طاری تھی کہ نماز کی نیت نہ باندھ سکے کتنی مرتبہ نماز کی نیت سے کھڑے ہوئے مگر پڑھ ہی نہ سکے آخر جب وقت تنگ ہونے لگا تو بمشکل نماز پڑھی دو چار روز کے بعد حاجی صاحب حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہو کر ایک جگہ اللہ کی یاد میں مصروف ہو گئے چھ ماہ بعد شاہ صاحب کی زیارت کو امروہہ حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تھا یہ ابھی مجاز بھی نہیں ہوئے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔اسی طرح حضرت حاجی صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ اول ہی اول پنجسالہ میں شاہ رحم علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے شاہ صاحب نے ان کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ لو یہ لڈو لے کر جاؤ اور کالا آم کے پہاڑ میں بیٹھ کر اپنا کام کرو چنانچہ بموجب ارشاد چھ ماہ کالا آم کے پہاڑ میں یادالٰہی میں مصروف رہے اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا چھ ماہ کے بعد وہ لڈو لے کر پنجسالہ آئے ان کے پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو لیا تھا ان سے بھی مجاز نہ ہوئے آخر سید صاحب بریلوی جب سہانپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحب بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت عطا فرمادیں میں ذکر و شغل حضرات قادریہ چشتیہ کے کر چکا ہوں سید صاحب نے فرمایا جب تک ہم سے بیعت نہ ہو گے ہم تمہیں اجازت نہ دیں گے بموجب ارشاد صاحبؒ آخر بیعت ہوئے اور حضرت سید صاحب نے انہیں مجاز فرمایا حضرت حاجی صاحب شہید فرمایا کرتے تھے کہ سید صاحب میں انوار شریعت بہت زیادہ ہیں جب دونوں حضرات مراقب ہوتے تھے حضرت حاجی صاحب شہید ہنستے تھے اور سید صاحب خاموش رہتے تھے

<u>حکایت (۱۴۹)</u>ایک دن ارشاد فرمایا کہ خانقاہ پنجسالہ میں جو تالاب ہے اس کو حضرت حاجی صاحب شہیدؒ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے پیر جیو محمد جعفر صاحب ساڈھوروی نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال تک اس تالاب میں بکثرت پانی رہتا تھا دوسرے تالاب سارے سوکھ جاتے تھے مگر اس کا پانی خشک ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اب دس بارہ برس ہوئے کہ اس تالاب کو گاؤں والوں نے صاف کیا اور مٹی نکال کر اس کو گہرا کر دیا ہے اس وقت سے یہ بات

جاتی رہی ہے اب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے برسات کے بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کی حکایات

حکایت (۱۵۰) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا مولانا نانوتوی نے (اچھی طرح یاد نہیں مگر سنا انہی میں سے کسی ایک سے ہے) کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے کسی نے میاں جی نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سن لیجئے آپ نے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں[1] اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اس لیے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے لہذا میں اس کے سننے سے معذور ہوں

حکایت (۱۵۱) فرمایا کہ جھنجانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میانجیوؒ کے مزار پر حاضر ہوئے بعد میں انہوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیتا پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا (منقول از اشرف التنبیہ)

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرّہ کی حکایات

حکایات (۱۵۲) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظّمہ گیا تھا حافظ کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی

[1] کس قدر ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلافات سے بھی احتیاط کی یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت کا اس قدر پاس فرماتے تھے

ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھا آدمی بھی نہیں تھا چنانچہ میں اس کو مکہ جانے سے پہلے سے جانتا تھا اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپ کے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا۔ رہی آپ کی شہرت سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی وجہ سے ہوئی ہے پھر مجھے حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے بیعت کس طرح ہو گئے۔ اللہ رے نفوس قدسیہ کہ اس کو سن کر ذرا تغیر نہیں ہوا اور مسکرا کے فرمایا کہ ہاں بھائی بات تو ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔[1]

<u>حکایت (۱۵۳)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ پھلاؤدہ ضلع میرٹھ میں لاوڑ کے قریب ایک مقام ہے وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا یہ صاحب حافظ عبدالغنی صاحب کے (جو کہ پھلاؤدہ کے رہنے والے اور مولوی احمد صاحب امروہی کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اس کی اون کتر والیتا تھا اس طرح میں نے اون جمع کروا کے حاجی صاحب کے لئے ایک کملی بنوائی اور اس وقت تک میں حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا جب میں حج کے لئے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لے گیا ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آگیا اور جہاز میں ایک شور برپا ہو گیا میں چھتری پر تھا وہاں سے اتر کر تتق کی جالیوں سے کمر لگا کر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کے لئے بیٹھ گیا کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبے گا اسی اثنا میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بدحواسی اسی غفلت میں مجھ سے ایک

---

[1] یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ غیر ٹھیک کو ٹھیک کیسے فرمادیا اور ٹھیک بات کیوں نہ بتلادی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ان حضرات کی نظر ہمیشہ کمالات موجودہ سے آگے کے کمالات پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے اپنے کمالات موجودہ کو کمال نہیں سمجھتے اس اعتبار سے نفی کمال کو ٹھیک فرمادیا۔ باقی اصل بات کا نہ بتلانا اس کی وجہ نااہل سے غیرت فی الدین ہے کما قال الشیرازیؒ
؎ با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ؎ بگذار تا بمیرد در رنج و خود پرستی (اشرف علی)

شخص نے کہا کہ فلانے اٹھو اور پریشان مت ہو ہوا موافق ہو گئی ہے کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاویگا اور میرا نام امداد اللہ ہے مجھے میری کملی دو میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے لوگوں سے کہدیا کہ تم مطمئن ہو جاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں بیان فرمایا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے مگر کسی نے اقرار نہیں کیا آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے میں نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے میں خود ان کو پہچانوں گا جب میں طواف قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلیٰ کے قریب کھڑے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ ان کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تھا تو اس وقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اس وقت پاجامہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اتنا فرق کیوں تھا خان صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کے لئے لنگی ہی مناسب تھی اس لیے آپ نے لنگی پہنے دیکھا تھا سن کر وہ بہت خوش ہوئے اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے ملا اور کملی پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں[1]

حکایت (۱۵۴) خان صاحب نے فرمایا کہ حافظ محمد حسین مراد آباد کے رہنے والے ایک شخص تھے جو مولوی امانت علی صاحب امروہی کے مرید تھے انہوں نے حاجی صاحب کو خط لکھا اور اس میں لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے حب عقلی کو حب عشقی پر ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حب عشقی وصل کے بعد مضمحل ہو جاتی ہے مگر حب عقلی وصل میں اور زیادہ بڑھتی ہے اور اسی طرح شکر کو صبر پر ترجیح دی ہے حضور کا اس میں کیا مسلک ہے؟ حاجی صاحب نے اس خط کا

---

[1] اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی غیبی لطیفہ ہوتا ہے جو کسی مانوس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے اور کبھی خبر بھی ہوتی ہے بطور کرامت کے مگر اس کی کوئی یقینی پہچان نہیں زیادہ مدار اس بزرگ کے قول پر ہے وہ بھی جبکہ کسی مصلحت سے اخفا نہ کریں

تقریباً ڈیڑھ جزو میں جواب لکھا اور جواب میں حب عشقی کو حب عقلی پر ترجیح دی اور لکھا کہ حب عشقی نامتناہی ہے اور حب عقلی متناہی [1] اور وجہ اس کی یہ تحریر فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں لو کشف العطاء ماازددت یقینا یہ جب عقلی تھی اور اس سے اس کی تناہی ظاہر ہے اور ترجیح صبر کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تعالیٰ صابرین کے متعلق فرماتے ہیں ان اللہ مع الصابرین اور شاکرین کے متعلق فرماتے ہیں لئن شکر تم لاذید نکم اور معیت حق اور زیادت نعمت میں فرق ظاہر ہے غرض اس بحث کو حاجی صاحب نے نہایت مفصل تحریر فرمایا تھا اور میں نے اس خط کی نقل بھی لے لی تھی اسی لیے اس کے مضامین مجھے محفوظ نہیں رہے مگر وہ نقل میرے پاس سے ضائع ہو گئی اس کے بعد میں نے مراد آباد میں تلاش کیا تو مجھے وہاں بھی نہ ملا خیر حاجی صاحب نے اس خط کو تمام فرما کر مولانا گنگوہی کو سنایا اس مجلس میں حافظ عطاءاللہ اور مولوی عبدالکریم منشی تجمل حسین (حاجی صاحب کے بھتیجے) بھی موجود تھے مولانا گنگوہی نے حاجی صاحب کے جواب کو نہایت پسند فرمایا اس کے بعد جب مولانا اس مجلس سے اٹھے تو منشی تجمل حسین صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت آپ فرمائیں آپ کے نزدیک حاجی صاحب کا مضمون اچھا ہے یا مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراط مستقیم کا آپ نے فرمایا دونوں بہت اچھے ہیں [2] اس کے بعد جب مولانا طواف کر کے حطیم میں بیٹھے تھے تو منشی تجمل حسین نے پھر پوچھا کہ حضرت اچھے تو بیشک دونوں ہیں مگر آپ کے نزدیک ان دونوں میں کون زیادہ اچھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ حب عشقی میں سب باتیں ہیں مگر ایک بات یہ ہے کہ اس میں انتظام نہیں اور اس لیے حدود شرعیہ اس میں ملحوظ نہیں رہتیں اس بنا پر میں جب تک اعمال کی ضرورت ہے اس وقت تک تو حب عقلی کو پسند کرتا ہوں اور جب انتقال کا وقت ہو اس وقت غلبہ حب عشقی کو پسند کرتا ہوں۔

---

[1] اور جب عشقی کے غیر متناہی ہونے کی دلیل احقر نے خود حضرت حاجی صاحب سے سنی ہے۔ ع عشق دریا نیست قعرش ناپدید۔ اور وصل میں مضمحل ہو جانا حب عشقی کا اسوقت ہے کہ جب حسن و جمال محبوب کا متناہی ہو اور عشق حقیقی میں یہ ہے نہیں پس وہاں ایسا نہیں۔ (اشرف علی)

[2] اور یہ فیصلہ بھی بہت ہی اچھا ہے۔

حکایت (۱۵۵) خان صاحب نے فرمایا کہ میں جب سفر حج کر کے مکہ مکرمہ حاضر ہوا ایک دن حسب معمول حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر تھا میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ رشید و قاسم بمنزلہ میرے ہوتے ہیں اور میں بمنزلہ ان کے فرمایا کہ ہاں میں اس کے اظہار پر مامور تھا تب میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ ان دونوں کے خلاف کیوں کرتے ہیں اس پر حضرت اٹھ کر کے بیٹھ گئے اور ہنس کر فرمایا تو سچ کہتا ہے تجھے قائل کرنا خوب آتا ہے [1]

حکایت (۱۵۶) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے حدیث زملونی زملونی کا تذکرہ آیا جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ چیز ہی کو دیکھا تھا اور آپ مضطرب ہو کر واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ عرض کیا گیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یکایک اپنی حقیقت کا تحمل نہیں فرما سکے جو جبرئیل کو دیکھ کر آپ پر منکشف ہوئی اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر جنس میں رہ کر اپنی حقیقت محجوب رہتی ہے اور ہم جنس کو دیکھ کر منکشف ہو جاتی ہے جیسے مشہور ہے کہ کسی شخص نے شیر کا بچہ پال لیا تھا اور اسے اپنی بکریوں میں چھوڑ رکھا تھا۔ شیر کو ان بکریوں میں رہ کر اپنی حقیقت کی خبر نہ تھی وہ بھی مثل بکریوں کے مسکین بنا ہوا تھا اتفاق سے ایک دن پانی پیتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دیکھ لیا اور اپنی شجاعت و بسالت کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور پھر جو بکریوں کو دیکھا تو سمجھا کہ میں بکری نہیں ہوں کچھ اور ہی ہوں یہ حقیقت پا کر جو بکریوں میں گیا تو سب بکریوں میں غل غدر مچ گیا کسی کو پھاڑ ڈالا کسی کو کھا گیا کسی

[1] حضرت کا یہ ارشاد' تجھے قائل کرنا خوب آتا ہے جواب نہیں ہے۔ سکوت عن الجواب اطریق احسن ہے اور جواب نہ دینا شاید اسلیے ہو کہ رعایت حدود کے ساتھ اگر اختلاف ہو وہ اجتہادی ہے اور نیت سائل کی خیر تھی اسلیے جواب کی ضرورت نہیں ورنہ جواب ظاہر ہے کہ یہ رائے کا اختلاف ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے کہ مجوزین پر حسن ظن غالب ہے اور مانعین پر جزم و انتظام غالب ہے اور یہ اختلاف نفس مسئلہ میں ایسا ہے جیسے حنفیہ جمعہ کہ روز صبح کی نماز میں الم تنزیل السجدہ کی قرات کے التزام کو باوجود نقل کے ابہام عوام کے سبب مکروہ کہتے ہیں اور شافعیہ مستحب کہتے ہیں اور ابہام کا علاج اصلاح بالقول کو کہتے ہیں۔ (اشرف علی)

کو مارا پھر فرمایا کہ ایک جزیرے میں فرض کرو سب بد رو بد شکل بستے ہوں ایک خوبصورت پر کی پیکر پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان میں رہ کر وہ بھی اپنے کو انہیں جیسا سمجھتا رہے گا اور اپنی خوبصورتی کی حقیقت اس پر بوجہ ناجنسی اختلاط کے منکشف نہ ہو گی اس لیے نہ نازو انداز کرے گا یہ کرشمہ وغمزہ کی راہ چلے گا لیکن اتفاق سے اگر وہاں اس جیسا کوئی دوسرا حسین آنکلے جس کے نازو کرشمہ اور ادائیں ہوں تو ضرور ہے کہ اسے دیکھ کر اسے اپنی حقیقت فوراً منکشف ہو جائے گی اور وہ بھی نازو انداز کرنے لگے گا اسی طرح حضرت ﷺ مثل اس شیر کے اور مثل اس حسین کے مکہ کے جاہلوں کے درمیان تھے اور آپ پر اپنی حقیقت منکشف نہ تھی لیکن جونہی کہ آپ نے جبرئیل کو دیکھا جو اس معنی آپ کے ہم جنس تھے کہ ان کی تربیت بھی صفت علم کرتی ہے اسی لیے وحی وایحاء کی خدمت ان کے سپرد ہوئی اور انبیاء علیہم السلام کی تربیت بھی صفت علم ہوا کرتی ہے اور ان کے چہرہ میں آپ کو اپنی حقیقت نظر آگئی لیکن وہ اتنی عظیم الشان تھی کہ یکایک آپ اس کا تحمل نہ فرما سکے اور اضطراب میں زملونی زملونی فرمایا یہ نہیں کہ آپ جبرئیل سے خائف ہوگئے تھے [1] پھر

---

[1] ایک ذوقی توجیہ ہے اور چونکہ کوئی نص اسکی مصادم نہیں لہذا اس کو رد نہیں کیا جا سکتا اگر کسی کو اس واقعہ میں حضور اقدس ﷺ کے ارشاد ولقد خشیت علی نفسی (رواہ البخاری) کے مصادمت کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خشیت کا مفعول جبرئیل نہیں ہیں تاکہ تصادم ہو بلکہ معنی یہ ہیں کہ خشیت ان لا اتحمل اعباء الرسالتہ کیونکہ اس تحمل کے لیے خاص قوت کی ضرورت ہے اور وہ اس وقت مغلوب ہے پس کچھ تصادم نہیں رہا۔ اور حضرت خدیجہؓ کے اس قول کا (واللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقوی الضیف وتعین علی نوائب الحق) حاصل استدلال عقلی ہے مدعاء قوت تحمل پر کیونکہ یہ قوت ثمرہ ہے تائید حق کا اور یہ افعال جالب ہیں تائید حق کے اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کا آپ کو حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا اس غرض سے تھا کہ یہی مقصود دلیل نقلی سے بھی ثابت ہو جائے چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جس کا حاصل اس تحمل کی ایک نظیر بتلانا تھا نہ یہ کہ آپ کو اپنی نبوت میں شبہ تھا جو حضرت ورقہ کے قول سے رفع ہو گیا پھر جب آپ کی اس حالت کو سکون ہوا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے اس تحمل کا طریق یہ تجویز کیا گیا کہ وحی کا سلسلہ جلدی جاری نہیں کیا گیا جس سے آپ کے اشتیاق کو یہاں تک ہیجان ہوا کہ بخاری کی روایت میں ہے فتر الوحی حتی حزن النبی ﷺ فیما بلغنا حزنا غدامنہ مراراً کی یتردی من روس شواھق الجبل فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی (بقیہ اگلے صفحے پر)

حاجی صاحب نے یہ شعر پڑھا (احقر کو یاد نہیں رہا) اس پر خان صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ شعر پڑھا

دیکھو مت دیکھو کہ آئینہ غش تمہیں دیکھ کر نہ آجائے

خان صاحب فرماتے تھے کہ مولانا محمود حسن صاحب بار بار اس واقعہ کو مجھ سے سنا کرتے تھے اور جھومتے تھے۔

حکایت (۱۵۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا اصل مذاق تحمل تھا۔ ایک شخص

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نفسه تبدله جبرئيل فقال يا محمد انك رسول الله حقا فيسكن لذلك جاشه وتقر نفسه (كذافي المشكوة) اور اشتیاق سے مطلوب میں گرانی نہیں رہتی۔ یہ توضیح ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی مولانا نے مثنوی میں دفتر چہارم کے بالکل ختم کے قریب اس واقعہ کی نظیر کی دوسری توجیہ فرمائی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کا تاثر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مان لیا ہے لیکن متاثر حقیقت محمدیہ نہ تھی بلکہ جسد محمدیہ تھا۔ اور حقیقت محمدیہ کی وہ شان ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کا تحمل نہیں فرما سکتے یہ حاصل ہے ان کی تقریر کا اور یہ اختلاف ذوق کا ہے۔ تفریحاً اس مقام کے متعلق چند اشعار نقل کرتا ہوں۔

مصطفیٰ میگفت پیش جبرائیل کہ چنانچہ صورت تست اے جلیل
مر مرا بنمائے محسوس آشکار تا بہ بینم من ترا نظارہ دار
گفت نتوانی وطاقت نبودت حس ضعیف است وتنک سخت آیدت
چونکہ کرد الحاح بنمود اندکے ہیبتے کہ کہ شود زاں مندکے
شہپری بگرفتہ شرق وغرب را از مہابت گشت بیہش مصطفیٰ
چوں زبیم وترس بے ہوشش بدید جبرئیل آمد در آغوشش کشید
قابل تغییر اوصاف تن است روح باقی آفتاب روشن است
جسم احمد را تعلق بد بداں آں تغیر آں تن باشد بداں
نقش احمد زاں نظر بیہوش گشت جز اوازمہر کف پر جوش گشت
احمد ار بکشاید آں پر جلیل تا ابد مدہوش ماند جبرئیل
چوں گذشت احمد ز صدرہ ومرصدش وزمقام جبرئیل وازحدش
گفت او را ہیں بپر اندر پیم گفت رو رو کہ حریف تو نیم
باز گفتہ کز پیم آئے و ماتیست گفت روزیں پس مراد دستور نیست
باز گفت او را بیا اے پردہ سوز من باوج خودنز فتستم ہنوز
گفت بیروں زیں حدائے خوش فرمن گر زنم پرے بسوزد پر من (اشرف علی)

نے مجھ سے (یعنی حضرت مرشدی مولانا تھانوی مد ظلہم) کہا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بہت متحمل تھے اور تم سخت ہو۔ میں نے کہا کہ مقصود دونوں کا اصلاح ہے مگر حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بابرکت تھے اور ہم بابرکت نہیں۔ ہم جب تک حرکت نہ کریں اصلاح کا کام نہیں چلتا۔ اس لئے ہم حرکت سے اصلاح کرتے ہیں اور حضرت برکت سے اصلاح کرتے ہیں۔

حکایت (۱۵۸) فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی برکت کی حکایت جو ان کے معاملہ میں ظاہر ہوئی تھی مجھ سے بیان کی کہ میں ایک آزاد شخص تھا نماز بھی نہ پڑھتا تھا حضرت سے بیعت کو جی چاہا۔ حضرت سے عرض کیا کہ اعمال کی تو ہمت نہیں اگر آزاد رکھا جاوے تو بیعت ہوتا ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ ایک تو نہ نماز پڑھوں گا اور ایک ناچ دیکھوں گا حضرت نے منظور فرمالیا اور بیعت کر لیا اور فرمایا کہ ایک شرط ہماری بھی ہے کہ ہم تھوڑا سا ذکر بتلا دیں گے اس کو کر لیا کرنا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اس ذکر کا ان پر یہ اثر ہوا کہ جب نماز کا وقت آیا تو دفعتاً بدن میں خارش شروع ہوئی اب جو تدبیر بھی اس کے دفع کی کی گئی وہی الٹی پڑی کہیں چنبلی کا تیل مل رہے ہیں کہیں اور تدبیر کر رہے ہیں مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا پھر جی میں آیا کہ لاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ ہی دھوؤں جب دھو چکے پھر خیال آیا کہ سب اعضاء تو دھل گئے لاؤ مسح بھی کر لوں وضو کا تمام ہونا تھا کہ خارش آدھی رہ گئی مگر پھر جی میں آیا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لوں کوئی یہ شرط تھوڑا ہی تھی کہ بالکل ہی نہ پڑھوں گا نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کا ندارد ہونا پھر جب اگلی نماز کا وقت آیا وہی خارش پھر شروع ہوئی اور نماز اسی طرح شروع کرتے ہی جاتی رہی اب سمجھے کہ بڑے میاں نے (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے) پہرہ بٹھایا ہے نمازی ہو گئے پھر خیال آیا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے اور پانچ وقت خدا کے دربار میں حاضری دیتا ہے تو ناچ میں کیا منہ لے کے جاتا ہے وہ بھی چھوٹ گیا خدا کے فضل سے اس وقت ان کی بہت اچھی حالت ہے نماز تہجد و اشراق وغیرہ سب کچھ پڑھتے ہیں

حکایت (۱۵۹) فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بزرگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرتے یہ بالکل غلط ہے یہ لوگ بڑے قاعدے اور ترکیب سے نصیحت کرتے ہیں ایک غیر مقلد جو کہ پیر زادہ تھا' حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت شریف میں آیا حضرت نے فرمایا کہ حزب البحر تمہارے بزرگوں کا معمول ہے تم اسے کیوں نہیں پڑھتے انہوں نے کہا کہ اس میں جو اشارات ہیں وہ بدعت ہیں حضرت نے فرمایا کہ اشارات کو چھوڑ دو وہ تمہارے گھر کی چیز ہے برکت کی چیز ہے انہوں نے شروع کیا تھوڑے دنوں میں ان کی غیر مقلدی سب دور ہو گئی

حکایت (۱۶۰) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو کہ بھوپال سے حج کو گئے تھے بیان کرتے تھے کہ میرے ہمراہ بھوپال کے ایک غیر مقلد بھی گئے تھے انہوں نے حضرت سے بیعت کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میں غیر مقلدی نہ چھوڑوں گا حضرت نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے وہاں ایسی باتوں کو پوچھتے ہی نہ تھے فرماتے تھے کہ بھائی اللہ کے نام میں برکت ہے سب اصلاح ہو جائے گی (اس پر حضرت مرشدی حکیم الامتہ مولانا مد ظلہم نے فرمایا کہ جہاں ایسی برکت ہو وہاں شرائط وغیرہ کی ضرورت نہیں) مگر ایک شرط ہماری ہے کہ کسی غیر مقلد سے کوئی مسئلہ نہ پوچھنا بلکہ مولوی ایوب صاحب سے پوچھنا' جو حنفی تھے اس کے بعد حضرت نے بیعت فرمالیا ایک دو رات کے بعد یہ اثر ہوا کہ اس نے یک لخت آمین بالجہر اور رفع یدین چھوڑ دیا حضرت کو اطلاع کی گئی (ایسا کسی عالم کا قصہ بھی سننے میں نہ آئے گا جیسا حضرت نے کیا) چنانچہ آگے آتا ہے حضرت منصف تھے اس لیے اصلی تحقیق پر ہر مقام پر عمل فرماتے تھے حضرت سے کسی نے پوچھا کہ قیام میلاد کیسا ہے فرمایا مجھے تو لطف آتا ہے (یعنی کوئی سنت اور قربت سمجھ کر نہیں کرتا ہوں) اور حضرت کو ان عوارض کا خیال نہ تھا کہ میں مقتدا ہوں اور میرا فعل سبب ہو جاوے گا سمجھتے تھے کہ جواز ناجواز کا مولوی آپ فتویٰ دے لیں گے (بھلا ایسا شخص بدعتی ہو سکتا ہے) تو حضرت نے اسے بلا کر فرمایا کہ اگر تمہاری رائے بدل گئی تو خیر یہ بھی سنت وہ بھی سنت 'اور اگر پیر کی وجہ سے چھوڑا ہے تو میں

ترک سنت کا وبال اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا یہ رنگ تھا حضرت کا خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مجھے اپنے اپنے رنگ پر سمجھتے ہیں مگر میں سب سے جدا ہوں جیسے کسی رنگدار بوتل میں پانی بھر دیا جاوے تو وہ پانی بھی اسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے حالانکہ پانی بے لون ہے وفی مثل ذلک قال العارف الرومی

ہر کسے از ظن خود شد یار من	وز درون من نجست اسرار من
سر من از نالہ من دور نیست	لیک چشم و گوش را آں نور نیست
در نیابد حال پختہ ہیچ خام	پس سخن کوتاہ باید والسلام

حکایت (۱۶۱) فرمایا کہ ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب مولوی تھے؟ فرمایا کہ مولوی گر تھے ماشاء اللہ کیا نفیس جواب ہے

حکایت (۱۶۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ رحمتہ اللہ علیہ سے ایک بمبئی کے سیٹھ نے حج کی دعا کیلئے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کر سکتا ہوں اس نے کہا وہ کیا آپ نے فرمایا کہ جس روز جہاز جدہ جانے لگے اس روز دن بھر کے لئے اپنے اوپر آپ مجھے پورا قابو دیجئے اس نے کہا کہ پھر کیا ہوگا حضرت نے فرمایا کہ اس روز تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں سوار کرادوں گا وہ تم کو جدہ پہنچادے گا یہ خوب ہے کہ میں تو دعا کروں اور تم یہاں بیٹھ کر تجارت کرو (اس میں حضرت نے صاف ظاہر فرمادیا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا تمنا کے ساتھ ارادہ کو بھی کام میں لانا چاہیے جس قدر اپنے آپ سے ہو سکتا ہے اسے عمل میں لاوے باقی متمم حقیقی حق تبارک وتعالیٰ ہیں (جامع)

حکایت (۱۶۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے مثنوی کے بارے میں مومن خاں شاعر سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا روم کا کلام شاعری کی حیثیت سے جچت نہیں مومن خاں نے کہا کہ کسی جاہل کا قول ہوگا ان کا کلام شاعری کی حیثیت

سے بھی بہت مستند ہے۔

حکایت (۱۶۴) فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون کی مسجد پیر محمد والی میں قیام فرمایا ہے (جہاں اس وقت حضرت سیدی سندی شیخی ومرشدی وسیلتہ یومی وغدی حکیم الامت حضرت مولانا واولینا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مداللہ ظلال فیوضہم العالی تشنگان بادۂ محبت کو سیراب ومسرور فرماتے ہیں نفعنا اللہ بطول بقائیہ

وہ سلامت رہیں ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

الہ العالمین اس ناکارہ وارزل خلائق جامع کو ہمیشہ اس ذات قدسی صفات کے سایہ عاطفت میں رکھیو یہاں تک کہ

نکل جائے دم ان کے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

(جامع) اس وقت یہاں سہ دری نہ تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا صاحب سماع تھے مگر دنیادار نہ تھے سچے تھے جب حضرت یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے حالانکہ اس وقت حضرت جوان تھے اور یہ بوڑھے تھے انکے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے حضرت میانجیو نور محمد صاحب قدس سرہ العزیز بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے یہاں ایک خاندان تھا انکی زمین ضبط ہو گئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے حضرت میانجیو رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے تو حضرت میانجیو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کے لیے ایک سہ دری بنادو میں دعا کروں گا انہوں نے سہ دری بنانے کا وعدہ کر لیا وہ مقدمہ الہ آباد میں جاکر موافق ہو گیا جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی انہوں نے حضرت میانجیو رحمتہ اللہ علیہ سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے انہوں نے کہا حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں آدھی بنادیں گے حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی سہی پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط

پھر انہوں نے حضرت سے آکر عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ تمہیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عجیب برکت ہے جہاں جہاں حضرت کی نسبت سے تعمیریں بنی ہیں سب محفوظ ہیں حتیٰ کہ ہمارے بھائی نے جب اپنا مکان بنایا جس میں حضرت کا سکونتی قطعہ بھی آگیا انہوں نے ایک انجینئر سے نقشہ بنوایا تھا اس نے نہایت آزادی سے نقشہ بنایا مگر حضرت کے اس سکونتی حصہ کی عمارت کے ٹوٹنے کی نوبت نہیں آئی سچ ہے

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہر گز نہ میرد

<u>حکایت (۱۶۵)</u> فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب کسی مسئلہ کی تقریر کو ختم فرما لیتے اور کوئی شخص دوبارہ دریافت کرتا تو فرماتے کہ اس سے (یعنی حضرت شیخی و مرشدی حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ العالی سے) دریافت کرلو یہ سمجھ گئے ہیں (اس سے ہمارے حضرت کی عظمت و جلالت و فہم وادراک کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے جامع) لوگوں کو اس سے غصہ ہوتا کہ سب باتیں یہی سمجھ جاتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا اس وجہ سے دوبارہ کوئی پوچھتا ہی نہ تھا میں نے بہت چاہا کہ ایسا نہ فرمایا کریں لوگوں کو اس سے حسد ہوتا ہے مگر چونکہ یہ کہنا بھی خلاف ادب تھا اس لیے عرض نہ کر سکا

<u>حکایت (۱۶۶)</u> فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ الحمد للہ ہمارے سلسلہ میں سب طلباء اور غرباء ہی کا مجمع ہے اور جس درویش کے یہاں بکثرت بڑے بڑے لوگوں یعنی ڈپٹی کلکٹروں وغیرہ کا ہجوم ہو تو سمجھ لو کہ وہ خود دنیادار ہے کیونکہ قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس

<u>حکایت (۱۶۷)</u> فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چار مسئلوں میں شرح صدر ہے ایک مسئلہ قدر دوسرا روح تیسرا مشاجرات صحابہؓ چوتھا وحدت الوجود اور جب ان چاروں مسئلوں پر حضرت تقریر فرماتے تو سامعین پر ایک اطمینان اور وجد کی

کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

حکایت (۱۶۸) فرمایا حاجی مرتضٰی خاں صاحب لکھنوی کہتے تھے کہ ایک عالم نے جو کہ اپنے شیخ سے مثنوی پڑھے ہوئے تھے، حضرت حاجی صاحب کے یہاں مثنوی آکر شروع کی ان سے ایک روز میں نے پوچھا کہ تم نے حضرت حاجی صاحب کی پڑھائی میں اور اپنے شیخ کی پڑھائی میں کیا فرق دیکھا انہوں نے پوچھا کہ تم کچھ پڑھے ہوئے ہو کہا کچھ نہیں ایسے ہی تھوڑا سا پڑھا ہوا ہوں انہوں نے کہا کہ تم ایک مثال سے سمجھو کہ جیسے ایک مکان نہایت شاندار ہے اور ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ اور ہر قسم کے فرنیچر سے بھرا ہوا ہے ایک شخص تو وہ ہے کہ کسی کو اس کے دروازہ پر لیجا کر کھڑا کر دیا اور اس کا تمام نقشہ ایسا بیان کر دیا کہ کوئی چیز نہ چھوڑی اور ایک شخص وہ ہے کہ جس نے زیادہ بیان تو نہیں کیا لیکن دروازہ سے اندر لیجا کر مکان کے بیچ میں کھڑا کر دیا اس طرح کہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ لے حاجی صاحب کا پڑھانا تو ایسا ہی ہے کہ مجھے اندر لیجا کر کھڑا کر دیا اور میرے شیخ کا پڑھانا ایسا ہے جیسا کہ باہر سے پورا نقشہ بتا دیا

حکایت (۱۶۹) فرمایا کہ مشتاق احمد صاحب پٹواری کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات اس قدر رفیع ہیں کہ میرے قابو میں نہیں آتے اس لیے آپ (یعنی مرشدی مدظلہ) کچھ لکھیے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمیں یہ پتہ بھی نہ تھا کہ اور لوگ بھی حضرت کے حالات کو اس درجہ کا سمجھتے ہیں چنانچہ امداد المشتاق" اس فرمائش کے بعد ہی لکھی گئی

حکایت (۱۷۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو عالم روحانیت سے مناسبت ہو جاتی ہے تو اس کے وقت میں برکت ہو جاتی ہے

حکایت (۱۷۱) فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مثنوی کا درس ہو رہا تھا اور جلسہ عجیب جوش و خروش سے پر تھا اس روز حضرت نے پکار کر یوں دعا فرمائی اے اللہ ہم لوگوں کو بھی ایک ذرہ محبت عطا فرما آمین پھر دعا کے بعد فرمایا کہ الحمد للہ سب کو

عطا ہو گیا (الہام ہوا ہو گا) پھر دوسرے جلسہ میں فرمایا کہ بھائی ذرہ سے زیادہ کا تحمل بھی نہیں ہو سکتا

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں :: یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست :: اینجا جز ینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

حکایت (۱۷۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب مثنوی کا درس ختم فرماتے تو یوں دعا فرماتے تھے (اے اللہ جو جو اس کتاب میں لکھا ہے اس میں سے ہمیں بھی حصہ دیدے آمین (جامع)

حکایت (۱۷۳) فرمایا کہ جب مثنوی کے درس کا وقت آتا تو حضرت حاجی صاحبؒ یوں فرمایا کرتے تھے کہ آؤ بھائی مثنوی کی تلاوت کرلیں۔ ایک شعر ہے ؎

مثنوی مولوی معنوی :: ہست قرآں و زباں پہلوی

اس کا لوگوں نے اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں زیادہ مضامین قرآن شریف کے ہیں۔ لیکن حضرت نے عجیب تفسیر فرمائی کہ بھائی قرآن سے مراد کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی کبھی وحی سے ہوتا ہے اور کبھی الہام سے ہوتا ہے تو معنی مصرعہ کے یہ ہیں کہ مثنوی کلام الٰہی یعنی الہامی ہے۔ (حضرت اس تفسیر کی بنا پر تلاوت کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔) (جامع)

حکایت (۱۷۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ رحمتہ اللہ علیہ جب مثنوی پڑھاتے تو خوب زور شور سے تقریر فرماتے اور جب درس ختم ہو جاتا تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ ارے بھائی کچھ شربت بنالو سر دبادو بس یہ حالت تھی

ہر چند پیر خستہ و بس ناتواں شدم :: ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

خود قوی ترمے شود خمر کہن :: خاصہ آں شمرے کہ باشد من لدن

بڑھاپے میں قوت روحانی بڑھ جاتی ہے جو کیفیت کہ بڑھاپے میں بھی جاتی رہے تو وہ روحانی ہے او

جو بڑھاپے میں زائل ہو جاوے تو سمجھو نفسانی تھی گو محمود ہی ہو پہلے ذوقاً معلوم ہوتا تھا اب بحمد اللہ تحقیقاً سمجھ میں آگیا

حکایت (۱۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا اور ہم نے اتنا پڑھا ہے کہ ایک اور کافیہ لکھدیں مگر حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی ہاں اصطلات تو ضرور نہیں بولتے تھے۔

حکایت (۱۷۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے اندر اس قدر حسن ظن تھا کہ اتنا کسی کے اندر نہیں دیکھا جن لوگوں کو ہم کافر سمجھتے تھے حضرت ان کو صاحب باطن فرماتے۔ حاجی ......کو فرماتے تھے کہ صاحب باطن ہے مگر غلطی ہو گئی........ کی بابت فرماتے تھے کچھ غلطی ہو گئی ہے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے اسی قدر اعتراض کم ہوتا جاتا ہے عبدالوہاب شعرانیؒ نے زمخشری کی بابت لکھا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ زمخشری کو عذاب کریں گے اور یہ جو اس کا خلق افعال کا عقیدہ ہے اس کا منشا صرف تنزیہ باری تعالیٰ ہے گو غلطی ہو گئی۔

حکایت (۱۷۷) فرمایا کہ جب حاجی صاحبؒ یہاں (یعنی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں) تشریف رکھتے تھے تو ایک کٹھالی میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہم ساتھ ملکر کھایا کرتے تھے اور آپس میں خوب چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی بھاگے پھرتے تھے اس وقت مشائخ اس مسجد کو دکان معرفت کہتے تھے اور ان تینوں کو اقطاب ثلثہ حضرت حاجی صاحبؒ دہلی کے شہزادوں میں علماء میں بزرگ مشہور تھے پیر بھائیوں سے چھینا جھپٹی کرتے تھے

حکایت (۱۷۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں عاشق ذات و صفات نہیں جب تک احسان رہے محبت ہے اور جہاں ذرا توقف ہوا بس شکایت

ہونے لگی اس پر یہ تصریح فرمائی کہ اگر کسی کے پاس کچھ روپیہ پیسہ حلال کا ہو اس کو احتیاط سے صرف کرے تاکہ ناداری سے پریشانی نہ ہو اسی طرح جس کے پاس حج کیلئے کافی خرچ نہ ہو اور سفر کے مشاق پر صبر نہ کر سکے اس کو حج کے لیے سفر کرنا مناسب نہیں۔

حکایت (۱۷۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گذار دیتے تھے

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن :: گر بدم ہم سر من پیدا مکن

یہ حافظ عبد القادر سے سنا ہے

حکایت (۱۸۰) فرمایا ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ مجھے رونا نہیں آتا حالانکہ اور ذاکرین پر کثرت سے گریہ طاری ہوتا ہے حضرت نے فرمایا ہاں جی اختیاری بات نہیں کبھی آنے بھی لگتا ہے پھر تو یہ حال ہوا کہ جب مولانا ذکر کرنے بیٹھتے، تاب نہ ہوتی پسلیاں ٹوٹنے لگتیں پھر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت پسلیاں ٹوٹی جاتی ہیں حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ بھی ایک عارضی حالت ہے جاتی بھی رہتی ہے پس پھر یہ گریہ یکدم موقوف ہو گیا پھر حضرت سے شکایت کی حضرت نے فرمایا کہ پسلیاں ٹوٹ جائیں گی رو کر کیا کرو گے

حکایت (۱۸۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے سب منور ہو جاتے ہیں حضرت کے یہاں زیادہ اہتمام قلب کا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله الاوهی القلب .

حکایت (۱۸۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی فرماتے مگر جب وہ کہہ لیتا تو

فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے (یعنی تم جھوٹے ہو) جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۸۳) ایک دن ارشاد فرمایا کہ مرشدنا حاجی صاحبؒ گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے رام پور کے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرا گھوڑا گم ہو گیا آپ دعا کیجئے کہ مل جاوے حضرت اس وقت مثنوی معنوی دست مبارک میں لیے ہوئے تھے اس کو کھولکر پڑھنے کا جو ارادہ کیا تو بر سر صفحہ یہ شعر نکال

گر برو مالت عدو پر فنے :: دشمنے رابر دہ باشد دشمنے

(منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مولانا مملوک العلی محدث نانوتویؒ کی حکایات

حکایت (۱۸۴) حکیم صاحب ممدوح نے فرمایا کہ حضرت مولنا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی (والد ماجد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) جب تحصیل علم کیلئے دہلی تشریف لے گئے ہیں تو صورت حال یہ تھی کہ جس استاد سے پڑھنا شروع کرتے وہ کچھ قلت مناسبت محسوس کر کے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق نہ پڑھاتا تھا مولانا سخت ملول اور غمگین تھے اسی پریشانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا غم سنایا کہ ایک سبق کے بعد پڑھانے کا نام نہیں لیتا شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا کل آنا مولانا اگلے روز حاضر ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے ہدایۃ النحو کا ایک سبق پڑھا دیا اور فرمایا کہ جاؤ اب جس استاد سے پڑھو گے وہ پڑھانے سے انکار نہ کرے گا چنانچہ پھر ایسے چلے کہ بڑے بڑے اکابر مثل حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی وغیر ہما ان کے شاگرد ہوئے (منقول از روایات الطیب)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۸۵) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب میں استاذی مولینا مملوک العلی صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھتا تھا میرے تمام بدن پر خارش نکل آئی میں ہاتھوں میں دستانہ پہن کر سبق پڑھنے کے لیے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان ایام میں بھی ایک دن سبق ناغہ نہیں کیا ایک روز مجھ کو زیادہ خارش میں مبتلا دیکھ کر حضرت استاذی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "میاں رشید تمہارا تو وہ حال ہو گیا بقول شخصے

یکتن و خیل آرزو دل بچہ مدعا وہم　:　تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مولانا ظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی حکایات

حکایات (۱۸۶) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے اول درجہ کے مولوی ظفر حسین صاحب دوسرے درجہ کے شاہ عبدالغنی صاحب تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خاں صاحب اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خان صاحب نے شاہ اسحاق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی شاہ اسحاق صاحب نے منظور فرما لی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے بھی، مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا اور انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی ظفر حسین صاحب کی بھی دعوت کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا اور فرمایا ارے مظفر حسین تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہو گئی کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے انہوں نے فرمایا حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت

نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی اور آپ کو پالکی میں لیجائیں گے اس میں بھی ضرور صرف ہوگا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر بھی نوابزادہ ہیں وہ دعوت میں ضرور نوابانہ تکلف بھی کریں گے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب مقروض بھی ہیں پس یہ مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں گے وہ ان کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں[1] یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آگئی اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں قطب الدین اب ہم بھی تمہارے ہاں کھانا نہ کھائیں گے

<u>حکایت (۱۸۷)</u> خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمود حسن صاحب یہ بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولوی مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ایک بڈھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جاتا تھا بوجھ کسی قدر زیادہ تھا اس وجہ سے اس بوجھ سے مشکل سے چلتا تھا مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا[2] اور جہاں وہ جانا چاہتا تھا پہنچا دیا اس بڈھے نے ان سے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو انہوں نے کہا کہ بھائی میں کاندھلہ رہتا ہوں اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں غرض بہت تعریفیں کیں مگر مولوی ظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھ لے ہے اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں وہ بڈھا ان کے سر ہو گیا اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولوی مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا اس نے اس بڈھے سے کہا کہ بھلے مانس، مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں اس پر وہ بڈھا ان سے لپٹ کر رونے لگا مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے

---

[1] کہ اعانت بعیدہ ہے مطل فی اداء القرض کی۔ کیا دقیق تقویٰ ہے اور استاد کیسے مقدس کہ یا تو شاگرد کو لتاڑ رہے تھے یا ان ہی کا اتباع کر لیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے پاس دلیل ہو تو محض استاد کی تقلید سے دلیل کو چھوڑنا نہ چاہیے (اشرف علی) [2] طریقت بجز خدمت خلق نیست ٭ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حکایت (۱۸۸) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو پہلے مالک کو سب چیزیں دکھلا دیا کرتے تھے اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے لہذا تم مالک سے اجازت لے لو

حکایت (۱۸۹) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی سے بہلی میں سوار ہو کر اپنے وطن کاندھلہ کو تشریف لا رہے تھے بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں اس بہلی والے سے بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیلوں کو راتب کتنا دیتے ہو اور کیا بچت ہو جاتی ہے اس سلسلہ میں بہلوان کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ یہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اور میں اس کا نوکر ہوں بھلا مولانا رنڈی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتے تھے (کسی طالب علم نے کرایہ کر کے لادی ہوگی مولانا کو پتہ نہ تھا) اب مولانا کا دقیق تقویٰ دیکھئے فوراً نہ اترے تاکہ اس کی دل شکنی بھی نہ ہو تقویٰ بھی برتنا ہر شخص **کو** نہیں آتا ذرا دیر کے بعد بولے کہ ذرا بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے اس نے بہلی روکی آپ نے اتر کر پیشاب کیا اور اس کے ساتھ استنجا سکھاتے چلے کہاں تک چلتے آخر ڈھیلا پھینکدیا اس نے کہا بیٹھ جایئے فرمایا ٹانگیں شل ہو گئی ہیں ذرا دور پیدل چلوں گا تھوڑی دور چل کر اس نے پھر عرض کیا پھر ٹال دیا پھر کہا پھر ٹال دیا پھر وہ سمجھ گیا اور کہا کہ مولانا میں سمجھ گیا کہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے آپ اس میں بیٹھیں گے نہیں پھر لے جانے سے کیا فائدہ؟ حکم دیجئے لوٹ جاؤں فرمایا ہاں بھائی بیٹھوں گا تو نہیں مگر تم کو کاندھلہ چلنا ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس کے پاس کرایہ کو آیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو اس کا خواہ مخواہ نقصان ہوگا (یہاں پر شبہ ہے کہ جب کرایہ دینا ہی تھا تو پھر کاندھلہ تک خالی بہلی کیوں لائے' تو پہلی بات یہ ہے کہ بعض طبعیتیں بلا کارگذاری کے لینا گوارا نہیں کرتیں یا اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو) لہذا آپ کاندھلہ ویسے ہی پیدل آئے اور ہر منزل پر بیلوں کو گڑ اور گھی اور گھاس دانہ کا ویسا ہی انتظام کیا اور مکان پر آکر اس کو کرایہ دے کر واپس کیا (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۹۰) حضرت مولانا مولوی مظفر حسین صاحبؒ مولانا محمود بخش صاحبؒ کے صاحبزادے اور حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے بھتیجے تھے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے مولوی ظفر حسین صاحبؒ بن مولوی محمود بخش بن مولوی حکیم شیخ الاسلام بن حکیم قطب الدین بن شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابن بن بہاؤالدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ ابتدائی تعلیم حضرت مفتی صاحبؒ سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ کرنے پائے تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس دار فانی سے دار البقا کی جانب رحلت فرمائی اس لیے بقیہ تعلیم ظاہری وباطنی دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب سے پوری فرمائی جو کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے اور شاگرد رشید تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مہاجر مکی سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انہیں سے مرید بھی تھے سلسلہ درس وتدریس نہ تھا ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے گاڑھے کا کرتہ پاجامہ نیلی لنگی یہ آپ کا لباس تھا میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی حضرت مولانا صاحب فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کیلئے سیا اول توزیب تن فرمانے سے انکار کیا بعد میں میری خوشنودی کو پہنا مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا میرا گاڑھے کا کرتہ دیدو اس میں عجب پیدا ہوتا ہے سواری پر کبھی سوار نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے اور سامان سفر لوٹا، لنگی، لکڑی، مشکیزہ ہوتا تھا جہاں شام ہو جایا کرتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے کوئی مسلمان نہ تھا وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کیلئے کوئی جگہ بتادو تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو پر بتادیا آپ کے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کیلئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سنا تمام شب بیتابی سے گذاری اور صبح کو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو

پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا اور وہاں اس کے بچے بیوی وغیرہ سب مسلمان ہو گئے ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شاملی گذر ہوا ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کیلئے تشریف لا کر پانی کھینچا وضو کیا مسجد میں جھاڑو دی بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا جی سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں آپ ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشہ میں مست تھے' آپ نے خان صاحب سے فرمایا کہ بھائی خان صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور مسجد آباد ہو جائے گی خان صاحب نے کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ دو بری عادتیں چھوٹتی ہیں آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو اس پر اس نے عہد کیا کہ میں بے وضو ہی پڑھ لیا کروں گا آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں اول یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دیدی دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے فرمایا کہ سجدہ میں میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی بعد مغرب گھر پہنچے طوائف موجود تھیں اول کھانا کھانے گھر میں گئے بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی فوراً باہر آئے رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیج دو سنا ہے کہ ان خان صاحب کی پچیس سال میں کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی

حکایت (۱۹۱) ایسے ہی ایک مرتبہ گڑھی پختہ تشریف لے گئے ایک خان صاحب سے نماز کے

لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور وضو سے یہ اتر جاتی ہے آپ نے فرمایا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو خان صاحب نے کچھ روز بغیر وضو نماز پڑھی پھر خیال آیا کہ ایک مولوی صاحب کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع کر دی اور اللہ ورسول کے حکم سے باوضو نماز نہیں پڑھی جاتی اس کے بعد ہمیشہ باوضو نماز پڑھنے لگے

حکایت (۱۹۲) آپ نے سات حج کئے اور پیدل ایک مرتبہ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی چور ہے لوگ تعاقب کے لیے آئے اور جھنجانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو آپ نے فرمایا کہ جھنجانہ کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں چلو اس پر ان لوگوں نے اور بھی شبہ کیا اور وہ جھنجانہ ہی کے تھانہ میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا جس نے حوالات میں آپ کو بند کر دیا تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور مچ گیا عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اس کی جان کے درپے ہو گئے تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے تھانہ دار خواجہ احمد حسن تھے جو میرے دادا مرحوم کے دوست تھے اور مولوی صاحب سے خوب واقف تھے بہت مشکل سے جان بچا کر تھانہ آئے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا آپ نے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو اس کے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو خیریت پانی پت پہنچا دیں۔

حکایت (۱۹۳) ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے ایک شخص مل گیا اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے اس نے جواب دیا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے پاس اس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے آپ نے اس سے سامان لے کر اپنے سر پر رکھ لیا کاندھلہ آکر جب

اسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا آپ نے فرمایا اس میں کیا حرج تھا کہ میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ اٹھائے ہوئے آرہے تھے

حکایت (۱۹۴) آپ محتاط بہت زیادہ تھے کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور اگر بھولے سے یا غلطی سے کھا لیتے تھے تو فوراً قے ہو جاتی تھی زمانہ طالب علمی کا قصہ ہے کہ آپ نے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے اس لیے میں سالن نہیں کھاتا آپ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہ لے جاتے تھے ابتداءً قاضی جی اور متولی جی کے یہاں کھانا تناول فرمالیا کرتے تھے قاضی جی اور متولی جی کے والد کے انتقال کے بعد ان کے یہاں بھی کھانا کھانا چھوڑ دیا کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بلائے خود تشریف لے گئے دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلے تم نابالغ تھے اس لئے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا اب تم بالغ ہو گئے اس لیے اب مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

حکایت (۱۹۵) ایک مرتبہ مولوی نور حسن صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو دیے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کیلئے لادیں تاکہ کچھ گڑبڑ نہ ہو کھانا تیار ہوا اس میں فیرینی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہو گئی مولوی نور الحسن صاحبؒ بہت پریشان ہوئے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے دار میں لے آیا تھا۔

حکایت (۱۹۶) آپ بہت زاید منکسر المزاج تھے ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لے جاتے اگر کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہو تو پوچھ کر وہ لادیتے پیسہ اس زمانہ میں کم تھا جو شے آتی تھی غلہ کی آتی تھی آپ غلہ کبھی کرتے کے پلے میں لے

جاتے اور کبھی لنگی ہیں۔

حکائیت (۱۹۷) ایک دفعہ رام پور تشریف لے گئے ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا آپ نے اس کا پتہ دریافت فرمایا اور وہاں سے فیروز پور تشریف لے گئے اور اس کے خاوند کو تلاش کر کے ہدایت کی کہ آئندہ خرچ ہمیشہ بھیجا کرو۔

حکایت (۱۹۸) بیوہ کے نکاح کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا' آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہیے اسی فکر میں تھے کہ مولوی ابو القاسم صاحب صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا آپ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ان کو اولا ترجمہ قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی انہوں نے ترجمہ شروع کیا پھر ایک موقعہ پر انہیں نکاح ثانی کی ترغیب دی انہوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے آپ نے فرمایا کہ تم شہید ہو گی اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کرو تو میں تیار ہوں مگر میں اور تم دونوں مارے جائیں گے آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرمالیا اور ایک موقع پر دو چار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہو گیا کچھ عرصہ بعد حمل ٹھہر گیا کسی کو نکاح کی خبر نہ تھی ہر جگہ زنا کا شور مچ گیا تھانہ بھون والے چڑھ کر آئے لڑکی والے کی طرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی مولوی مظفر حسین صاحب کا سر اتار کر لادے گا اس کو ایک ہزار روپیہ ملے گا آپ کاندھلہ سے دہلی تشریف لے گئے اتفاق کی بات کہ ان کی والدہ سخت علیل ہو گئیں قاضی صاحب یعنی ان کے والد بہت پریشان ہوئے ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا جب بالکل مایوس ہو گئے تو ایک فقیر ملا اور کہا کہ حافظ ضامن صاحب سے یہ کہلا دو کہ اچھی ہو جا پھر اچھے ہونے کا میں ذمہ دار ہوں سب لوگ حافظ ضامن صاحب کے سر ہو گئے وہ انکار کرتے تھے قضیانی حافظ صاحب کی بہن تھیں بہت اصرار پر آپ نے فرمایا کہ کاندھلہ سے اپنی لڑکی بی رحمت کو بلالو تب کہوں گا اول تو بہت پس و پیش ہوئی بعد میں مجبوراً بلانا پڑا ان کے پہنچتے ہی خود بخود صحت شروع ہو گئی اب مولوی مظفر حسین صاحب بھی دہلی سے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

حکایت (۱۹۹) کیرانہ میں ایک رافضی عورت تھی آپ نے اسے اہل سنت والجماعت ہونے کی ترغیب دی اس نے کہا کہ اگر آپ نکاح کریں تو میں توبہ کرلونگی آپ نے منظور فرمالیا یہ بھی بیوہ تھی اس نے کہا کہ جب موقعہ ہوگا میں خط لکھوں گی تم آکر لے جانا محرم کے موقعہ پر جب عورتیں قصبہ سے باہر تعزیے دیکھنے گئیں تو ان کا پرچہ مولوی صاحب کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا× آپ نے میرے دادا مولوی محمد صادق صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی دیکر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو گیارہ بجے کیرانہ جاکر ان کو لے آئے جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کیا یہاں سے بھی ان کی اعانت کو لوگ گئے مگر مولوی محمد صادق ان کے ہاتھ نہ آئے اور بخیر کاندھلہ پہنچ گئے ان محترمہ نے حضرت کو بہت سخت تکالیف پہنچائیں مگر آپ سب سہتے تھے اکثر رات کو دروازہ بند کرلیا کرتی تھیں اور حضرت دروازہ کے باہر لنگی بچھاکر نماز میں وہ وقت گزارا کرتے تھے اول حصہ میں دوسری بیوی کو جو بیوہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے حصہ میں صاحبزادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے تیسرا حصہ کیرانہ والی بیوی کا تھا جس میں ان کے یہاں جاکر تہجد پڑھا کرتے تھے۔

حکایت (۲۰۰) آپ نے چھ حج پیدل کئے جس میں ایک مولوی محمد یعقوب صاحب کے ساتھ اور ایک ہمراہ اہل وعیال بعد میں مولوی محمد یعقوب صاحب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ اس خط کو مولوی نورالحسن صاحب نے چھپالیا جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً بیت اللہ روانہ ہوگئے یہ روانگی ۲۳ جمادی الثانی روز شنبہ ۱۲۸۲ء میں ہوئی ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہوگیا مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ موت آوے مگر بظاہر میری موت کا وقت قریب آگیا ہے آپ مراقبہ کیجئے انہوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہوگئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہوگئے اور

۱۰ محرم ۱۲۸۳ء مطابق ۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمانؓ مدفون ہوئے۔ کرتہ پاجامہ لنگی مشکیزہ لوٹا آپ نے چھوڑا حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی اور کرتہ اور پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیجدیا جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کر دیا اور کرتہ مبارک موجود ہے فقط۔ (منقول از تذکرۃ الخلیل)

جناب مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانویؒ

حکایت (۲۰۱) فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحب وعظ میں لغات بہت بولتے تھے اور اس کی تفسیر یعنی سے کرتے تھے ایک مرتبہ مولانا میرٹھ تشریف لے گئے تو ایک شخص کی نسبت دریافت کیا کہ یہ کنابیہ میرٹھ سے ہیں یا احابیش میرٹھ سے ہیں (ہمارے حضرت نے فرمایا) کہ مگر ہم نے اکثر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کو پہنچانتے بھی نہ تھے کہ یہ علما ہیں گفتگو بہت معمولی آدمیوں کی طرح کرتے تھے ہاں تقاریر کے اندر اصطلات ضرور بولتے تھے (وہاں اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی شہیدؒ کی حکایات

حکایت (۲۰۲) فرمایا کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آتا تو فرماتے کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا شیخ محمد کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب ان سے پوچھ لے اور اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب ان سے مرید ہو جا اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

حکایت (۲۰۳) فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اگر کوئی آکر کہتا کہ

حضرت میں نے اپنے لڑکے کو حفظ شروع کرادیا ہے' دعا فرمادیجئے تو فرماتے ارے بھائی کیوں عمر روگ لگایا یہ تنبیہ ہے اس پر کہ عمر بھر اس کی حفاظت واجب ہوگی اگر اس کی امید نہ ہو تو ناظرہ ہی پڑھا دو اور حفظ سے روکنا نہیں ہے' مگر پیرایہ ظرافت کا ہے باعتبار مذاق مخاطب کے کہ کہیں اخیر میں اس کو مصیبت نہ سمجھنے لگو۔

حکایت (۲۰۴) فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر فاتحہ پڑھیو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو یہ کیا بات ہے جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔

حکایت (۲۰۵) فرمایا کہ حضرت حافظ محمد ضامنؒ اپنے مرشد حضرت میانجیوؒ کے ہمراہ ان کا جوتا بغل میں لے کر اور توبرہ گردن میں ڈال کر جھنجانہ جاتے تھے اور ان کے صاحبزادے کی سسرال بھی وہیں تھی لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت سے جانا مناسب نہیں وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں حافظ صاحب نے فرمایا کہ رشتہ کی ایسی تیسی میں جانے میں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حکایت (۲۰۶) فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کی خدمت میں آنے لگا تھا حضرت کی برکت سے اس کی کچھ حالت بدلنے لگی اس کے باپ نے حافظ صاحب سے شکایت کی کہ جب سے لڑکا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا حافظ صاحب نے جوش میں فرمایا کہ ہم کو تو بگاڑنا ہی آتا ہے ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے ہم کسی کو بلاتے تھوڑا ہی ہیں جس کو سنورنا ہو وہ ہمارے پاس نہ آوے ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔

حکایت (۲۰۷) فرمایا کہ حافظ محمد ضامن رحمتہ اللہ علیہ کی درخواست پر حضرت میانجیوؒ نے بیعت سے اول انکار کردیا تھا مگر یہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اصرار مطلق نہیں کیا جب

تقریباً دو تین مہینے آتے جاتے گذر گئے تو ایک دن حضرت میانجیو نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ کیا اب بھی وہی خیال ہے حافظ صاحب نے عرض کیا کہ میں تو اسی خیال سے حاضر ہوتا ہوں مگر خلاف ادب ہونے کے سبب اصرار بھی نہیں کرتا اس پر حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ آؤ پھر حضرت نے سلسلہ میں داخل فرمالیا (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۲۰۸) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت ضامن صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے ایک دفعہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرما تھے تو ایک شخص نے ان کو دعوت کی وہ لکڑ ہارا تھا آپ نے قبول فرمالی کچھ دیر بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی کلکٹر مال کے والد نے بھی التجا قبول ضیافت کی چنانچہ وہ بھی قبول کر لی ایک شخص نے کہا حضرت وہ پہلا ناراض ہوگا تو حضرت حافظ صاحب نے مکا بنا کر فرمایا کہ ہم اس کا منہ توڑ دیں گے اور کہا کہ وہ لاویگا کیا پانچ روٹیاں اور پیالہ بھر دال سو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہ ہوگا ہم اس کا لایا ہوا بھی رکھ لیں گے اور دوسرے کا لایا ہوا بھی اور پھر کھا دیں گے چنانچہ وہ لکڑ ہارا آیا تو پانچ چھ روٹیاں جو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ' حافظ صاحب نے اس کو رکھ لیا اور لکڑ ہارے کو رخصت کر دیا جب دوسرے شخص بھی کھانا لے آئے تو آپ نے پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب کو ملا کر کھایا۔

حکایت (۲۰۹) حضرت حافظ صاحب کے مزاج اور خوش مزاجی کے بہت قصے بیان فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا ایک بار ندی پر شکار کھیل رہے تھے کسی نے کہا" حضرت ہمیں" آپ نے فرمایا" ایکے ماروں تیری" (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ کی حکایت

حکایت (۲۱۰) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نہایت سیدھے اور نہایت متبع سنت بزرگ تھے میں ان سے بہت ہی مرتبہ ملا ہوں لیکن جب کبھی ان سے ملاقات ہوئی تھی تو وہ یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہو تو اسے چاہیے کہ اس کو اطلاع کردے اس لیے میں بہ تعمیل ارشاد نبوی تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے یہ انکا ہر ملاقات میں معمول رہا اور کبھی اس میں تخلف نہیں ہوا[1]

حضرت قاسم العلوم والخیرات جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کی حکایات

حکایت (۲۱۱) جناب خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں مدرس تھے مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولوی محمد یعقوب صاحبؒ ہر سال جا کر امتحان لیا کرتے تھے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دفتر کی چھت پر جو مکان ہے آپ اس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں بھی حاضر تھا (میں اس زمانہ میں چھتاری میں ملازم تھا اور مجھے حضرت سے اور حضرت کو مجھ سے بہت تعلق تھا اس لیے میرا معمول تھا کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ تشریف لانے والے ہیں تو میں مراد آباد پہنچ جاتا تھا) اس وقت مولانا کچھ بزرگوں کا ذکر کر رہے تھے اور جس مجلس میں یہ عاجز ہوتا تھا اکثر مجھ ہی کو مخاطب بنا لیا کرتے تھے گو اس وقت مجمع کثیر تھا مگر آپ نے مجھ ہی کو مخاطب بنایا اور فرمایا خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچے کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے اس وقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اسلئے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں اس نے اصرار کیا مگر آپ نے پھر وہی جواب دیا

---

[1] یہ جوش ہے اتباع سنت کا جو مقتضی ہوتا تھا تکرار کو ورنہ کافی ایک بار اطلاع کرنا بھی تھا (اشرف علی)

غرض کہ تین چار مرتبہ یونہی ردوبدل ہوئی جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں ہے تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا وہ اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے میں اس قابل نہیں ہوں تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا تو کون اور عیسیٰ کون اور موسیٰ کون پیچھے لوٹ اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر' نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ 'مامی کنیم آپ یہ سن کر لوٹے اور مامی کنیم مامی کنیم فرماتے جاتے تھے اور جا کر اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہو گئیں یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھ جایا کرتے ہیں کہ یہ مامی کنیم خود کہہ رہے ہیں حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے[1] بلکہ جب کوئی کسی گویے سے کوئی عمدہ شعر سنتا ہے تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "مامی کنیم" بار بار دہراتے تھے۔

<u>حکایت (۲۱۲)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی سفر حج میں تھے اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں اس لیے آپ جہاز سے اتر کر ان کی خدمت میں روانہ ہو گئے[2] جب ان کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولانا کو ان کی شہرت علم کی تصدیق ہو گئی اور آپ نے ان سے حدیث کی سند کی درخواست کی ان عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی

---

[1] منصور حلاج کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے اور یہ حکایت حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ سے احقر نے بھی سنی ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ مجھ کو ان بزرگ کا نام لینا یاد نہیں رہا اور اول بار جو اس عورت کو جواب دیا اس کا لہجہ جوش کا یاد ہے 'وہ یہ کہ میں عیسیٰ ہوں جو اندھوں کو اچھا کروں۔ اور مامی کنیم کی جگہ ما کنیم یاد ہے (اشرف علی) [2] باوجود کامل ہونے کے دوسرے اہل کمال سے استفادہ فرمانا کمال تواضع و حرص دین کی دلیل ہے۔ وفی ذلک فلیتنا فس المتنا فسون۔ (اشرف علی)

صاحب سے (وہ عالم شاہ عبد الغنی صاحب کو نہ جانتے تھے اس لیے دریافت کیا کہ شاہ عبد الغنی نے کس سے پڑھی ہے مولانا نے فرمایا شاہ اسحاق صاحب سے وہ شاہ اسحاق صاحب سے بھی واقف نہ تھے اسلیے پوچھا کہ شاہ اسحاق صاحب نے کس سے پڑھی ہے مولانا نے فرمایا شاہ عبد العزیز صاحب سے وہ شاہ عبد العزیز صاحب سے واقف تھے جب ان کا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تم کو سند دیدوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے پس جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں درخت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں انکا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں اس کے بعد انہوں نے مولانا کو حدیث کی سند دیدی خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتوی سے سنا ہے

حکایت (۲۱۳) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی وعظ نہ کہتے تھے اگر کوئی بہت ہی اصرار کرتا تو کہہ دیتے تھے ایک مرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ موثر ہو سکتا ہے وعظ کا کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا اور انہی کا وعظ موثر بھی تھا دیکھو اگر کسی کو پاخانہ اور پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت حاصل نہ کرلے اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبعیت اس کی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کیلئے جاؤں سو واعظ کی اہلیت وعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لیے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا اگر اتنا بھی نہ ہو تو واعظ وعظ کا اہل نہیں ہے اور نہ اس کا وعظ موثر ہو سکتا ہے ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا اس لیے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں اور نہ ہمارا وعظ موثر ہو سکتا ہے ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے ان کو

چین نہ آتا تھا[1] چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے اس لئے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ موثر بھی ہوتا تھا۔

حکایت (۲۱۴) خان صاحب نے فرمایا حکیم عبدالسلام ملیح آبادی کو مولانا مولانا نانوتوی کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تو مولانا کی خدمت میں جاوے مجھے اپنے ساتھ ضرور لے چلنا لیکن مجھ بد نصیب کے دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان اور گویا آدمی ہیں واجد علی شاہ کے طبیب خاص بھی رہے ہیں اور حضرت مولانا کی خوش بیانی اور پر گوئی (یعنی بسط فی الکلام) یا تو وعظ میں ہوتی ہے یا سبق پڑھانے میں اور معمولی گفتگو ان کی قصباتی ہے اور یہ زمانہ مولانا کی علالت کا تھا اور اسباق نہ ہوتے تھے اسلیے ایسا نہ ہو کہ مولانا سے ملنے کے بعد یہ ان کو خاطر میں نہ لائیں اور ان سے بد اعتقاد ہو جائیں اور اختلاف خیال کے سبب میرے اور ان کے لطف صحبت میں رخنہ واقع ہو بنا بریں جب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو ساتھ نہ لے گیا جب میں واپس آیا تو بہت ناخوش ہوئے اتفاق سے میرا دوبارہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ہوا مگر اس مرتبہ بھی میں نے ان سے اطلاع نہیں کی لیکن حکیم صاحب کو کسی ذریعہ سے میرا ارادہ معلوم ہو گیا اور وہ خود ہاتھ میں بیگ لیے ہوئے میرے پاس آگئے اور کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا اب تو میں مجبور ہو گیا اور ہم تین آدمی، میں اور حکیم صاحب اور محمد خان صاحب خورجوی مولانا کی خدمت میں روانہ ہو گئے، جس وقت ہم دیوبند پہنچے ہیں اس وقت آفتاب غروب ہو گیا تھا اور ہم نے مغرب کی نماز اس مسجد میں پڑھی جہاں یکے کھڑے ہوتے ہیں نماز پڑھ کر ہم تینوں پیدل حضرت مولانا کی خدمت میں روانہ

---

[1] یہ اثر لازم ہے شفقت کاملہ کا اور اس بے چینی کے ممنوع ہونے کا ان آیات سے شبہ نہ کیا جاوے قولہ تعالی واصبر وماصبرك الابالله ولاتحزن عليهم ولاتك فى ضيق مما يمكرون وقوله تعالى لعلك باخع نفسك ان لايكرنوا مومنين وقوله تعالى امامن استغنى فانت لہ تصدى وقوله تعالى من اهتدى فانما يهتدى لنفسه ومن ضل فانما يضل عليها وما انت عليهم بوكيل ونحوها من الايات کیونکہ مراد ان آیات میں وہ درجہ ہے جس میں اشغال محتمل ہو افضاء الى الاخلال فى الضروريات الدنيوية او الدينية کو۔ (اشرف علی)

ہو گئے مولانا اس زمانہ میں مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر رہتے تھے جب مولوی محمود الحسن صاحب کا مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں محمد خاں کو حکیم صاحب کے ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور ان سے پہلے مولانا کے پاس پہنچ گیا مولانا کا لباس اس وقت یہ تھا سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جس میں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اسلیے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزئی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوئے تھے اور نیچے نہ کرتا تھا (کرتہ پہنتے ہی نہ تھے) اور نہ انگرکھا تھا اور ایک رضائی اوڑھے تھے جو نیلی رنگی ہوئی تھی اور اس میں مومی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تھی اور کہیں بالکل اڑی ہوئی تھی میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حکیم عبدالسلام حضور کی زیارت کے لیے آرہے ہیں تو مولانا یہ سمجھے کہ یہ مولوی عبدالسلام ہسوی ہیں جو احمد سعید صاحب کے خلیفہ اور شاہ عبدالغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے میں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی عبدالسلام ہسوی نہیں بلکہ حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ہیں جو مفتی حسین احمد صاحب کے لڑکے ہیں مولانا مفتی صاحب سے واقف تھے اس لیے انہوں نے ان کو پہچان لیا۔ یہ گفتگو ہو چکی تھی اتنے میں محمد خاں حکیم صاحب کو لیے ہوئے مولانا کی خدمت میں آپہنچے جس وقت یہ دونوں آئے ہیں اس وقت مجلس کا یہ رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے جن کا مجھے نام یاد نہیں اور مولانا ایک طرف کو چارپائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں دیوبند کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار تھی اسی مجلس میں مولوی عبدالکریم پنجابی مولانا کے شاگرد بھی تھے جب حکیم عبدالسلام پہنچے تو سب لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ میں تمام شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں مگر مولانا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے بتلایا کہ مولانا یہ ہیں وہ مولانا سے مصافحہ کر کے ان کے قریب ہی بیٹھ گئے اور نہایت لسانی سے گفتگو شروع کردی اور عشاء کی نماز کے بعد تک برابر گفتگو کرتے رہے

کبھی لکھنو کے مناظروں کی کیفیت بیان کرتے رہے' کبھی مرزا حسن علی محدث کے حالات بیان کرتے' کبھی اور کوئی قصہ بیان کرتے غرضکہ پورا جلسہ انہی کی گفتگو میں ختم ہو گیا اور مولانا کچھ نہیں بولے صرف ان کی باتوں پر کبھی جی ہاں حضرت' اور کبھی بجا ہے' فرما دیتے تھے جب جلسہ برخاست ہوا تو مولانا نے محمد خاں اور حکیم صاحب کو چھتے کی مسجد میں حاجی محمد عابد صاحب کے حجرہ کے اوپر جو مکان تھا اس میں ٹھہرا دیا اور میں رات کو مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر سویا صبح کو چھتے کی مسجد میں مولوی محمد یعقوب سے ملاقات ہوئی ہم لوگ کچھ ان کے پاس بیٹھے کچھ حاجی محمد عابد صاحب کے پاس بیٹھے پھر مولانا کے یہاں جا بیٹھے اور کھانے کے وقت مولانا ہی کی خدمت میں بیٹھے رہے اس وقت بھی حکیم صاحب ہی باتیں کرتے رہے تیسرے پہر کو حکیم صاحب مدرسہ کی سیر کو گئے اور تھوڑی تھوڑی دیر سب مدرسوں کے درس میں بیٹھے مگر مولوی محمد یعقوب صاحب کے درس میں سب سے زیادہ بیٹھے جب میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب پر اب تک مولانا کی حالت منکشف نہیں ہوئی تو مجھے اس کا بہت صدمہ ہوا اور میں نے اس کی کوشش کی کہ کوئی علمی گفتگو ہو اور مولانا کچھ کھلیں۔ اس کیلئے میں نے مولوی محمود الحسن صاحب سے بھی کہا کہ تم کوئی علمی بات مولانا سے دریافت کرو اور مولوی عبدالکریم صاحب سے بھی مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ مولانا کی طبعیت اچھی نہیں ہے اگر حکیم مولانا کے معتقد ہو جاویں تو کیا اور اگر غیر معتقد ہو جاویں تو کیا' ہم تو مولانا کو تکلیف نہ دیں گے تمہارا جی چاہے تم خود پوچھ لو میں نے ان پر بہت زور دیا مگر کسی نے نہ مانا' حتی کہ میری ان صاحبوں سے لڑائی اور تو تڑاق بھی ہو گئی مگر انہوں نے کسی طرح نہ مانا حکیم صاحب نے مدرسین کی حالت دیکھ کر محمد خاں سے کہا کہ مولوی محمد یعقوب حدیث ایسی پڑھاتے ہیں جیسے میرے والد پڑھاتے ہیں مگر مرزا حسن علی محدث کی سی نہیں پڑھاتے اور حضرت مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو مجھے بہت ملال ہوا اور میں نے مولوی محمود الحسن صاحب کو بھی برا بھلا کہا اور مولوی عبدالکریم سے تو لپاڈگی ہو گئی (دوستی کے اور احکام ہیں اور مقتدائیت کے

اور احکام)اور میں نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ مولانا سے کوئی علمی بات پوچھ لو مگر تو نے میرا کہانہ مانا دیکھو حکیم عبدالسلام ایسا کہتے ہیں انہوں نے اس پر بھی یہی کہا کہ ہم تو مولانا کو تکلیف نہ دیں گے چاہے حکیم عبدالسلام معتقد یا نہ ہوں۔

خدا کی شان کہ اسی روز حکیم مغیث الدین صاحب سہارنپوری کے صاحبزادے حکیم مشتاق احمد صاحب مولانا کی خدمت میں آپہنچے اور مولانا سے عرض کیا کہ ایک پادری نے آکر قرآن پر یہ اعتراض کیا کہ قرآن میں توریت وانجیل کی نسبت محرف ہونے کا یہ دعویٰ کیا گیا ہے اور قرآن ہی میں اس کا بھی اقرار ہے کہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا[1] یہ قرآن کا صریح تعارض وتناقض بیان ہے یہ سن کر مولانا کو جوش ہوا اور تقریر جواب شروع فرمادی اور دن کے آٹھ بجے سے کھانے کے وقت تک تقریر فرمائی اور حکیم مشتاق احمد صاحب کھانے کے بعد چلے گئے ظہر کے بعد حکیم عبدالسلام نے پھر یہی مضمون چھیڑ دیا اور مولانا نے ظہر سے عصر تک یہی مضمون بیان فرمایا اور مغرب سے عشاء تک یہی مضمون بیان فرمایا اور عشا کے بعد پھر یہی مضمون شروع کر دیا اور حکیم عبدالسلام نہایت شوق سے اس مضمون کو سنتے اور بجا ہے حضور بجا ہے حضور، کہتے رہے جب میں نے یہ دیکھا کہ رات بہت گذر گئی تو میں نے اشارہ سے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ اب اٹھ چلو مگر وہ نہیں اٹھے تھوڑی دیر بعد میں نے پھر کہا، پھر بھی نہ اٹھے جب بارہ بج گئے تب میں نے زور سے کہا کہ حکیم صاحب اٹھیے بہت دیر ہوگئی اور اب مولانا کو آرام کرنے دیجئے تب حکیم عبدالسلام اٹھے اور تقریر ختم ہوئی مولانا کو کھانسی کا مرض تھا مگر آج ایسا اتفاق ہوا کہ اثنائے تقریر میں ایک مرتبہ بھی کھانسی نہ اٹھی اور تقریر کی برجستگی میں ذرا بھر بھی خلل نہ آیا اب تو حکیم

---

[1] غالباً یہ اشارہ ہے لامبدل لکلماته کی طرف اور مولانا نے جو جواب ارشاد فرمایا تو چونکہ وہ اس قصہ میں مذکور نہیں اسلیے ضرورت ہوئی کہ اس کا سہل جواب بھی عرض کر دیا جاوے وہ جواب یہ ہے کہ یہاں کلمات سے مراد خاص قرآن مجید ہے بقرینہ شروع آیت وھوالذی انزل الیکم الکتاب مفصلا اور اس کی عدم تبدیل کا سبب دوسری آیت میں ہے وانالہ لحفظون اور کلمات سے مراد کلام ہے جیسا حدیث میں ہے اصدق ماقال الشاعر کلمۃ لبیداى کلام لبید

(اشرف علی)

صاحب مولانا کے نہایت معتقد ہو گئے اور وہاں سے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے اٹھے مجھے ان کی حالت تو معلوم ہو گئی مگر میں نے ان سے کچھ نہیں کہا صبح کے وقت حکیم عبد السلام اور ہم سب روانہ ہو گئے حکیم صاحب کو پہنچانے کیلئے مولوی محمود الحسن صاحب' حافظ احمد' مولوی عبد الکریم اور دوسرے اشخاص اسٹیشن تک آئے سٹیشن پر پہنچ کر میں نے حکیم عبد السلام کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور میں نے کہا کہ پرسوں جو کچھ آپ نے محمد خاں سے فرمایا تھا وہ میں سن چکا ہوں' اب فرمایئے کہ آپ نے مولانا کو کیسا پایا اس پر حکیم صاحب نے فرمایا اس کا جواب ایک قصہ پر موقوف ہے پہلے وہ قصہ سن لو وہ قصہ یہ ہے کہ باوجود نقشبندی مجددی ہونے کے اور باوجود شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ سے مستفید ہونے کے میرے والد کے اندر چشتیت غالب تھی حالانکہ وہ کسی چشتی سے مستفید نہ ہوئے تھے اور اس بنا پر ان کی کیفیت یہ تھی کہ جس جگہ یہ سنتے تھے کہ وہاں فلاں شے خوبصورت ہے تو سفر کر کے اسے دیکھنے جاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ انہیں معلوم ہوا کہ جے پور میں کوئی تصویر[1] بہت حسین ہے پس وہ اسے دیکھنے کے لیے جے پور روانہ ہو گئے اور جاکر اسے دیکھ آئے حالانکہ یہ سفر بہت لمبا ہے بالخصوص اس زمانہ کے لحاظ سے اسی طرح انہیں معلوم ہوا کہ لکھنو سے بہت دور مقام پر کسی کے یہاں ہانسی حصار سے کوئی اونٹنی آئی ہے جو بہت خوبصورت ہے۔ یہ سن کر اس اونٹنی کو دیکھنے روانہ ہو گئے۔ اور وہاں پہنچ کر اس اونٹنی کو دیکھا اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کا سر جھکایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا کہ کہاں ظہور فرمایا ہے۔ غرض یہ ان کی حالت تھی اب سنو کہ لکھنو کے اطراف میں ایک مقام پر ایک عالم رہتے تھے وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے[2] اور اس کو بہت محبت سے پڑھاتے تھے جب والد صاحب کو اس کے حسن کا قصہ معلوم ہوا تو وہ حسب عادت اسے دیکھنے کیلئے چل دیے جس مسجد میں وہ رہتے تھے

---

[1] مغلوبین معذور ہیں دوسرے کو ایسا کرنا تقلیداً جائز نہیں ع

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال　::　تو نہ کامل مخور می باش لال

[2] دوسرے کو ایسا کرنا جائز نہیں ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　::　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اس کے جنوب میں ایک سہ دری تھی اور اس سہ دری کے اندر جانب غروب ایک کوٹھڑی تھی اور اس کوٹھڑی کے آگے شمالاً جنوباً ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس وقت والد صاحب پہنچے ہیں تو اس وقت لڑکا کوٹھڑی کے اندر تھا اور وہ عالم اس چارپائی سے کمر لگائے ہوئے اور کوٹھڑی کی طرف پشت کیے ہوئے بیٹھے تھے والد صاحب اسباب رکھ کر ان عالم سے مصافحہ کرنے لگے جب یہ سہ دری میں پہنچے ہیں تو وہ لڑکا ان کو دیکھ کر کوٹھڑی میں سے نکلا والد صاحب نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اس لڑکے پر پڑ گئی جس سے مصافحہ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے ان عالم نے جب یہ دیکھا کہ یہ مصافحہ کرنا چاہتے تھے مگر مصافحہ نہیں کر سکے تو انہوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا تو ان کو معلوم ہوا کہ لڑکا کھڑا ہے اور یہ اس کے دیکھنے میں مصروف[1] ہیں جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت بھی ہمارے ہم رنگ معلوم ہوتے ہیں تو انہوں نے اس لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ ان صاحب سے مصافحہ کر وہ لڑکا آیا اور اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے اس وقت ان عالم صاحب نے یہ شعر کو یوں پڑھا

این است کہ خوں خوردہ ودلبر دہ بسے را :: بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

یہ قصہ تو ختم ہوا اب جواب سنو میری آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت دے کہ مرزا حسن علی محدث کو اور اپنے باپ کو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو اور فلاں فلاں کو قبروں میں سے زندہ کر کے لاؤں اور ان کو مولانا کی تقریر سنواؤں اور اس شعر کو یوں پڑھوں

این است کہ خون خوردہ ودل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

حکایت (۲۱۵) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد منیر صاحب اور حضرت مولانا نانوتوی یہ تینوں ایک سال کی پیدائش تھے اور مولانا نانوتوی سب سے بڑے تھے

---

[1] اوپر گذر چکا ہے کہ یہ خوبصورت شے کے دیکھنے کو سفر کرتے تھے حتیٰ کہ سفر کر کے اونٹنی کو دیکھنے گئے یہ صاف دلیل ہے کہ ان کی نظر شہوانی نہ تھی۔ (اشرف علی)

ان سے چھوٹے مولوی منیر صاحب اور سب سے چھوٹے مولانا محمد یعقوب صاحب تھے یہ بیان فرما کر فرمایا کہ میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ مولانا سے بہت بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتے تھے ایک مولوی محمد منیر صاحب دوسرے مولوی امیر الدین صاحب جو حال کے امام جامع مسجد دہلی کے چچا تھے مولوی محمد منیر صاحب تو صرف قاسم ہی کہہ کر خطاب کرتے تھے مگر مولوی امیر الدین صاحب تو ابے تبے سے گفتگو کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی امیر الدین صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ مولانا کے ساتھ اس قدر گستاخی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کچھ تو خیال کیا کیجئے تو مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر میں اس انداز سے گفتگو نہیں کرتا اور ادب سے کام لیتا ہوں تو بولنا چھوڑ دیتا ہے اس لیے میں ادب پر اس کی خوشی کو ترجیح دیتا ہوں [1]

<u>حکایت (۲۱۶)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ ان ہی مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی میں نے کہا ابے قاسم تو کیوں نہیں جاتا تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں مگر اپنے اندر میں کوئی کمال نہیں پاتا پھر کس بنا پر جاؤں [2] میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

<u>حکایت (۲۱۷)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد الرحمٰن خورجوی جو مورچہ والے مشہور ہیں ان کے نانا احمد خاں خورجوی مورچہ والے پڑھے لکھے کچھ نہ تھے مگر مولوی محبوب علی صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے تھے اور مولوی محبوب علی صاحب مولوی محمد اسحاق صاحب و مولوی محمد

---

[1] ؎ چوں طمع خواہد زمن سلطان دین ٭ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
اندرون کعبہ رو قبلہ نیست ٭ چہ غم ار غواص را پاچیلہ نیست
اور گویا سکھانا ہے اتباع رضا کا کہ غیبت میں بھی وہی عنوان پسندیدہ محبوب اختیار کیا

[2] پہلا جملہ کمال معرفت کی اور دوسرا جملہ کمال تقوے کی کہ جب بناء خدمت متحقق نہ ہو تو خدمت کو قبول نہ کیا جاوے۔ صریح دلیل ہے سبحان اللہ یہ ہے علم و عمل۔ (اشرف علی)

یعقوب صاحب پر نہایت فریفتہ تھے حنفی نہایت پکے اور بہت خوش عقیدہ تھے اثنا قصہ میں اتنی بات اور سن لو کہ میں مولانا نانوتوی سے بیعت بھی ہوا تھا اور ان کا نہایت معتقد بھی تھا لیکن ان کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں اس لیے میں ان کی بزرگی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اکثر تعجب کیا کرتا تھا کہ لوگ مولانا کی تعریف کرتے ہیں مگر میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ان کی کس بات کی تعریف کرتے ہیں اب پھر قصہ سنو مولوی احمد حسن صاحب امروہی اس زمانہ میں خورجہ میں مدرس تھے مولانا نانوتوی بھی خورجہ تشریف لے آئے اور مولوی عبدلرحمٰن صاحب مورچہ والوں کے مکان پر قیام فرمایا مولانا ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان کے سامنے مونڈھے پر بیٹھا تھا اتنے میں احمد خاں مورچہ والے تشریف لے آئے اور آکر مولانا کی پائینتیوں بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے بعد مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت بعض اشعار مولوی رومی کے اور شیخ فریدالدین عطار کے اور شیخ سعدی کے اور بہت سے شعر حافظ کے ایسے ہیں جو قریب قریب کفر صریح کے ہیں لیکن اچھے اچھے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ ان اشعار کو حد کفر سے خارج کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں اور ممکن سے ممکن تاویل ان کی تصحیح کی کرتے ہیں لیکن ہم دیکھے ہیں کہ امام محمدؒ وابویوسفؒ کے قول کی مخالفت کرتے ہیں اور ابو حنفیہؒ کے قول کی توجیہ نہیں کرتے۔ علیٰ ہذا بعد کے لوگ جب امام ابو حنیفہؒ کے قول کو کمزور پاتے ہیں تو اس کو چھوڑ کر امام ابو یوسفؒ کے یا امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تاویل نہیں کرتے اس میں کیا راز ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولانا نے مجھے مخاطب بنایا اور ایک لمبی تقریر کی جس کا خلاصہ مجھے یاد رہ گیا ہے اور تقریر بعینہ محفوظ نہیں رہی اور خلاصہ یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ کے ایمان کے مقابلہ میں [1] ان حضرات کے ایمان

---

[1] یہ جواب سائل کے خاص مذاق کے اعتبار سے ہوگا اور عام مذاق کے اعتبار سے یہ جواب ہے کہ ان حضرات کے ایسے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر ہے اور ان کی مقبولیت جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہے منافی کفر ہے اس لیے تاویل ضروری ہوئی کہ معانی ظاہری مراد نہیں بخلاف ائمہ مجتہدین وعلماء ظاہر کے ان کے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر نہیں بلکہ صرف موجب خطا ہیں اور ان کے کمالات جو دلائل صحیحہ سے ثابت ہیں منافی خطا نہیں اسلیے تاویل کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلکہ معانی ظاہرہ کو مراد کہہ کر ان کو خطا کہہ دیا جاوے گا۔ (اشرف علی)

بہت ضعیف ہیں اسلیے اگر ان کے اقوال کی توجیہ نہ کیجاوے تو لوگ بلے دریغ ان کی تکفیر کر دیں گے اور ابو حنیفہؒ کا ایمان اس قدر قوی ہے کہ اگر ان کے تمام مسائل کو بھی ضعیف کر دیا جاوے تب بھی ان پر کسی بد گمانی کا خطرہ نہیں ہو سکتا اسلیے ابو حنیفہؒ کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت نہ ہوئی اور ان بزرگوں کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت ہوئی اور مجھ پر مولانا کی اس التفات آمیز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ میں مولانا کی تقریر کو سمجھنے لگا اور میرا وہ خطرہ دور ہو گیا کہ لوگ ان کی اس قدر تعریف کیوں کرتے ہیں۔

<u>حکایت (۲۱۸)</u>خان صاحب نے فرمایا کہ خورجہ میں ایک شخص تھے حاجی محمد اسحاق خاں، نہایت پابند صوم وصلوٰۃ اور ذاکر وشاغل تھے یہ صاحب مولانا نانوتوی سے بیعت تھے اتفاق سے ایک مرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہو گئے ہیں اس لیے میں ان کی عیادت کے لیے گیا جا کر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانوں میں روڑ ٹھونس رکھا تھا میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے تم کئی روز سے نماز کیلئے نہیں آئے انہوں نے کہا کہ اچھا ہوں مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے اور جب بیلوں کے سانٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے لگتا ہے اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلے میں پس رہا ہوں لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر دوڑتے ہیں اس لیے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ چکی کی آواز سن سکتا ہوں اسی لیے میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں اور کانون میں روڑ ٹھونس رکھا ہے میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا (نانوتوی) کو اطلاع دو انہوں نے کہا کہ تم ہی لکھ دو میں نے کہا کہ تم لکھ کر مجھے دیدو میں اپنے خط میں بھیج دوں گا انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی اور میں نے اپنے

عریضہ کے ساتھ اس کو مولانا کی خدمت میں روانہ کردیا مولانا اس زمانہ میں دہلی میں تھے مولانا نے جواب دیا کہ اس کا جواب[1] تحریر سے نہیں ہو سکتا تم ان سے کہدو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں چنانچہ یہ گئے مولانا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد واشغال کے اوقات بدل دئے یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

حکایت (۲۱۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے اس خواب کو انہوں نے مولوی محمد یعقوب صاحب اور شاہ محمد اسحاق صاحب سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہو گی اور وہ پکا حنفی ہو گا اور اس کی خوب شہرت ہو گی لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی انتقال ہو جاوے گا[2] اور میں نے یہ جواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سنی ہے مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں میں اس خواب کو بیان فرماتے تو فرماتے ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا لیکن خاص لوگوں سے فرمادیتے تھے کہ یہ خواب میرا ہے جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان فرمایا اس وقت میں اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولانا نے مجھ سے بے تکلف اپنا نام لیا تھا۔

حکایت (۲۲۰) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب اعظم علی خاں کے یہاں ایک قصہ خواں نوکر تھا اور یہ قصہ خواں بہادر شاہ کا قصہ خواں تھا اور اس سے بڑھ کر دہلی میں کوئی قصہ خواں نہ تھا نواب صاحب کے یہاں اسے تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اس کے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی ہکلایا تو تلایا اور کسی قسم کا آدمی ہو اس کی اس طرح نقل کر دیتا تھا کہ اصل اور نقل میں امتیاز نہ ہو سکتا تھا ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لائے اور اعظم خاں نے مولانا کی دعوت کی یہ قصہ خواں

---

[1] احقر کا وجدان یہ ہے کہ مولانا نے تصرف فرمایا ہے اور اخفاء تصرف کے لیے اوراد و شغال کے اوقات بدلے ہیں۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ [2] یونہی واقعہ ہوا۔ (اشرف علی)

رافضی تھا اس نے مولانا سے سوال کیا کہ حضرت میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں مولانا نے اجازت دی اس نے عرض کیا کہ خلافت کی قابلیت کس میں تھی اور ابوبکر صدیق کیسے خلیفہ ہو گئے جبکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو خلیفہ نہ بنایا تھا اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ میں جواب عرض کرتا ہوں مگر تم اس کے درمیان میں نہ بولنا جب میں تقریر ختم کر چکوں اس وقت جو کچھ شبہ ہو اس کو پیش کرنا اس نے کہا بہت اچھا مولانا نے فرمایا اگر کوئی پہلوان یا پھکیت یا بگیت بیمار ہو جاوے اور اس وجہ سے کشتی یا پھیکتی خود نہ سکھا سکے اور جب سکھانے کا وقت آوے اس وقت اپنے کسی شاگرد سے کہدے کہ تو سکھلا یا کوئی رئیس یا اہلکار کہیں جاوے اور اپنے کام کے متعلق اپنے بیٹے یا کسی عہدہ دار سے کہہ جاوے کہ میرا کام تم کرنا اور اشخاص مامورین اس خدمت مفوضہ کو انجام دیں تو یہ استخلاف عملی ہو گا اور اس قسم کا استخلاف سے کہیں بڑھ کر ہے جو فقط اس کہنے سے ہو کہ فلاں میرا خلیفہ ہے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب دوسرا مقدمہ سنو اور اس کو ذرا غور سے سنو ارکان اسلام چار ہیں 'نماز' روزہ' حج' زکواۃ۔ مگر دو ان میں اصل ہیں اور دو ان کے تابع نماز اصل ہے اور زکواۃ اس کے تابع کیونکہ نماز کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے اور وہ اس کے دربار کی حاضری اور اس کی تعظیم اور اس سے عرض معروض کا نام ہے اور زکوٰۃ کا تعلق بلاواسطہ محتاجوں اور فقراء سے ہے پس نماز کے مقابلہ میں زکوٰۃ ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اہل دربار کو اپنے دربار میں پانچ وقت حاضری کا حکم دے اور یہ بھی حکم دے کہ ہماری طرف سے جو انعامات وصلات تم کو وقتاً فوقتاً ملے ہیں ان میں سے کچھ ہماری غریب رعایا کو بھی جو دربار کے راستہ میں خیرات کے موقع پر بیٹھ جاتے ہیں دیدیا کرو سو ظاہر ہے کہ حاضری دربار مقصود ہے اور صدقہ وخیرات اس کے تابع اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تقریباً ہر جگہ قرآن میں زکواۃ کو نماز کے بعد بیان فرمایا ہے اور یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ اور اقیمو الصلوۃ واتو الزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ فرمایا۔ اسی طرح حج کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے کیونکہ اس میں محبوب کے در دولت پر حاضر

ہو کر اپنے عشق و محبت کا اظہار ہے اور روزہ میں کسر شوکت نفس ہے جو مانع ہے اس محبت و عشق سے اور ان خامیوں کو دفع کرتا ہے جو اس ناصح نامہربان نفس امارہ کی بدولت اس کی خدمات میں پیدا ہو گئی ہیں اسی لیے روزے تیس مقرر کیے گئے اور حج کا وقت رمضان کے بعد سے شروع کیا گیا کیونکہ آخری وقت حج سے (کہ ۹۔ ذوالحجہ ہے) رمضان تک (بادخال غایت) دس مہینے ہوتے ہیں (بحذف کسر کہ ثلث ماہ سے بھی کم ہے) پس ہر مہینے کیلئے تین مسہل (یعنی روزے) تجویز کئے گئے اور ان سب کو ایک مہینہ میں (یعنی رمضان میں) جمع کر دیا گیا (کہ تیس روزے فرض کر دیے) تاکہ دس مہینوں میں جس قدر نفس امارہ کیوجہ سے عشق و محبت کے جذبات میں خامی اور خلل آگیا ہے ان مسہلوں سے اس کی تلافی ہو جاوے اور وہ اس قابل ہو سکے کہ محبوب کے در دولت پر حاضر ہو کر صحیح طور پر اپنی محبت کا اظہار کر سکے اور جب رمضان میں وہ ان مسہلوں سے اس قابل ہو گیا تو اب یکم شوال سے اس کو اجازت ہوئی کہ اب آؤ اور آکر اپنی محبت کا اظہار کرو یعنی اس وقت سے حج کا وقت شروع ہو گیا اور اس کی ایسی مثال سمجھو جیسے بادشاہ اپنے اہل دولت کو جشن شاہی کی شرکت کے لیے دعوت دے اور اس کے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ خوب نہا دھو کر اور اعلیٰ اعلیٰ خوشبوئیں لگا کر اور عمدہ سے عمدہ پوشاکیں پہن کر غرض پوری طرح شرکت جشن کے قابل ہو کر شریک جشن ہوں سو ظاہر ہے کہ شرکت جشن مقصود ہے اور باقی امور اس کے تابع جب یہ بھی ذہن نشین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ نماز اور حج ارکان مقصودہ ہیں اور زکوۃ اور روزہ ان کے تابع تو اب اصل مقصود سنو' جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات میں صدیق اکبر کو امیر حج بنایا اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے اس خدمت پر آپ کے سوا کسی اور کو مامور نہیں فرمایا پس اسلام کے ایک رکن اصلی کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا اور اس کے ضمن میں اس کے تابع روزہ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا پھر آپ نے اپنے مرض وفات میں خدمت امامت صلوٰۃ آپ کے سپرد کی اور سترہ وقت کی نمازیں اپنے سامنے آپ سے پڑھوائیں اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے یہ خدمت صدیق اکبر کے سوا کسی اور کے سپرد نہیں فرمائی پس نماز کے متعلق آپ

کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا تو دوسرے اعمال مثل جہاد وغیرہ کے متعلق بھی ضمناً استخلاف ثابت ہو گیا اب کونسی وجہ ہے کہ صدیق اکبرؓ کو خلیفہ برحق نہ مانا جاوے اور کس طرح کہا جاوے کہ خلافت کی ان میں اہلیت نہ تھی اور اہلیت خلافت صرف حضرت علی میں تھی اور وہی خلیفہ تھے مولانا نے اس تقریر کو نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور اس قدر دلکش پیرایہ میں بیان فرمایا تھا کہ میں نے مولانا کی کوئی تقریر اس قدر دلکش نہیں سنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی اس لیے اس کا قریب قریب خلاصہ[1] بیان کر دیا گیا ہے اس تقریر کا اس قصہ خواں پر یہ اثر ہوا کہ اسی وقت رفض سے تائب ہو کر سنی ہو گیا۔

حکایت (۲۲۱) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت بیان فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اور مختلف لوگوں کی نسبت حدیث میں لفظ احب وارد ہوا ہے کہیں حضرت عائشہؓ کو احب فرمایا ہے کہیں حضرت فاطمہؓ کو کہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وغیرہ وغیرہ لیکن ابوبکر صدیقؓ کی نسبت حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل[2] بناتا تو ابوبکر کو بناتا اور یہ بات (جس میں مادہ خلت ہو) کسی اور کے لیے نہیں فرمائی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص خاص مادوں کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں مثلاً جس مادہ میں ف کی جگہ (یعنی فاء فعل کی جگہ) ش ہو گا اس کے معنی میں علو کے معنے پائے جائیں گے جیسے شرف، شر، شیطان وغیرہ وغیرہ اسی طرح جس مادہ میں ف ع کی جگہ خ ل ہونگے اس میں علیحٰدگی اور یکسوئی کے معنی پائے جائیں گے جیسے خلوت خلوبیت الخلا خلیفہ خلال وغیرہ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اس کے بیچ میں ایک خلا ہوتا ہے پس عام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردوں میں ہوتی ہے اور خلیل کی

---

[1] جب مقارب اور خلاصہ اس غضب کا ہے تو عین کیسا کچھ ہو گا۔ [2] اگر اس پر یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل کی علت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اس کے عکس کا شبہ ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مبنی لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے محاورات میں خلیل کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا صرف معشوق پر۔ (اشرف علی)

محبت اس خلا میں جو قلب کے اندر ہوتا ہے جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ میرے جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی جگہ نہیں ہے اور اگر بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کی جگہ ہوتی تو ابو بکر صدیقؓ کی محبت اس کو ہوتی اور جب ابو بکر آپ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضرور ہے کہ آپ کی محبت اور سب سے زائد ہو گی اور دوسروں کی محبت کا تعلق جوف قلب سے دور پردوں سے ہو گا اور ابو بکر صدیق کی محبت کا تعلق اس پردہ سے دور جوف قلب سے قریب تر ہے۔

حکایت (۲۲۳) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ نے مولوی محمود الحسن صاحب سے فرمایا کہ کہیں سے ککڑی لاؤ [1] مولوی محمود الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میں تمام کھیتوں میں پھرا مگر صرف ایک ککڑی چھوٹی سی ملی اس کی خبر کسی ذریعہ سے لکھنو مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کو ہو گئی کہ مولانا نانوتوی کا جی ککڑی کو چاہتا ہے اس پر مولوی عبدالحی صاحب نے لکھنو سے مولانا کی خدمت میں بذریعہ ریلوے ککڑیاں بھیجیں اور چند مرتبہ بھیجیں

حکایت (۲۲۴) خان صاحب نے فرمایا ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج [2] سمجھ کر دیتا ہے اس کا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے (یعنی دینے والے کے) گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو ہمارا احسان سمجھے اس کا ہدیہ لے لینے کا جی چاہتا ہے اگرچہ وہ چار پیسے ہی ہوں۔

حکایت (۲۲۵) خان صاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا اس زمانہ میں

---

[1] اس کو منافی زہد سمجھنا تقشف خلاف سنت ہے۔ خود احادیث میں بعض اشیاء کی رغبت ظاہر فرمانا حضور ﷺ سے ثابت ہے محققین کے نزدیک یہ اظہار احتیاج الی النعمۃ اعلیٰ درجہ کی عبدیت و محبت مع المنعم ہے [2] وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھ کر دینا عادۃً ذلیل سمجھ کر دینا ہوتا ہے اور یہ آداب ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدیٰ الیہ کو ذلیل سمجھا جاوے۔ (اشرف علی)

ان کے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے یہ حافظ بالکل آزاد تھے رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے ڈاڑھی چڑھاتے تھے نماز کبھی نہ پڑھتے تھے مگر مولانا نانوتوی سے اور ان سے نہایت گہری دوستی تھی وہ مولانا کو نہلاتے تھے کمر ملتے تھے اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے مولانا ان کو کنگھا کرتے تھے وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے تعلقات تھے مولانا کے مقدس دوست مولانا کی ایک آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا کہ حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور اس لیے میں بھی تمہاری ہی وضع[1] اختیار کرتا ہوں تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھا دو اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے میں آپ کے کپڑوں پہنوں گا اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیجئے اور مولانا نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔

حکایت (۲۲۶)

خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی کا قاعدہ تھا کہ سفر میں ہدیہ نہ لیتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے تنہائی میں کہا کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں مولانا سمجھ گئے کہ کچھ دینا چاہتا ہے آپ نے فرمایا ایک عرض میری ہے پہلے اسے سن لیجئے میرا معمول ہے کہ میں سفر میں

---

[1] مولانا کو یقین تھا کہ اس فرمانے سے ان پر وہی اثر ہوگا جو کہ ہوا۔ اسلیے اس فرمانے پر اعتراض نہیں کرتا۔ یہ اصلاح کے طریقے ہیں جن کو حکماء الٰہی سمجھتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے کہ ایک بی بی کو حضور ﷺ کی طرف سے ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت کا یہ اثر ہوا کہ اس نے فوراً توبہ کرلی : : (اشرف علی)

ہدیہ نہیں لیا کرتا اور مصلحت یہ ہے[1] کہ کبھی آدمی کے پاس ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا سفر میں اپنے دوستوں سے ضرور ملاقات ہوئی ہے اب کسی نے پہلے سفر میں کچھ دیا تھا لہذا اس سفر میں اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو یا تو وہ ملنے سے کترائیگا یا اگر ملے گا تو جھینپ اور شرمندگی کے ساتھ ملے گا

حکایت (۲۲۷) خان صاحب نے فرمایا کہ جن بزرگوں کا اخلاق بہت بڑھ جاتا ہے ان سے مخلوق کی اصلاح نہیں ہوتی اور فرمایا کہ مولانا نانوتوی گو نہایت وسیع الاخلاق تھے مگر اصلاح کے معاملہ میں اخلاق نہ برتتے تھے اور مریدوں اور متعلقین پر برابر روک ٹوک کرتے تھے ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا میری زبان سے بجائے فضل رسول (بضاد معجمہ) فضل رسول (بصاد مہملہ) نکل گیا مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں میں نے کہا فضل رسول آپ نے فرمایا کہ تم فضل رسول کیوں کہتے ہو۔[2]

حکایت (۲۲۸) نواب محمود علی خاں صاحب مولوی محمد قاسم صاحب سے ملاقات کے بیحد متمنی تھے مگر مولانا بھی ان سے کبھی نہیں ملے چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڈھ مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کہیں چل دیتے تھے اور فرماتے کہ نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوادیں اور دوسری ایک عجیب بات یہ تھی اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا دوسری بات کو سن کر تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۲۲۹) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لے گئے وہاں کے پٹھانوں میں ایک شخص رن مست خاں نامی نہایت خوش گلو اور فن سرود سے واقف تھے

[1] کسی مصلحت سے ہدیہ نہ لینا مخالف سنت کے نہیں جیسے کم فہم سمجھتے ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سے مصالح ہیں جن کو صاحب معاملہ ہی سمجھ سکتا ہے البتہ یہ شرط ہے کہ وہ عذر احکام شریعت کے خلاف نہ ہو

[2] یہ حضرات تھے جو لاتلمزو اانفسکم ولا تنابزو ابالالقاب پر عمل کرتے تھے مخالفین کے معاملہ میں بھی : :

وہ ایک دفعہ میرے پھوپھا کے پاس آئے پھوپھا صاحب کھانا پکانے کے شوقین تھے اس وقت بھی یہی مشغلہ تھا کوئی پیاز کتر رہا تھا' کوئی مصالحہ پیس رہا تھا' کوئی آگ جلا رہا تھا' بہشتی پانی بھر رہا تھا کہ رن مست خاں نے اچانک حضرت حافظ شیرازی کی یہ غزل شروع کی۔

غلام نرگس مست تو تاجدارانند

کچھ ایسا سماں باندھا کہ پیاز کترنے والے کے ہاتھ پیازوں پر رہ گئے بہشتی کا ہاتھ مشک اور گھڑے پر رکھا رہ گیا غرض جو جس حالت میں تھا اسی میں ششدر و حیران بنا رہ گیا

یہی رن مست مولانا نانوتوی کی مجلس میں آئے اور مولوی عبداللہ صاحب سکنہ گلاوٹھی نے (جو مولانا کی پشت پر تھے) رن مست خاں کو (جو مولانا کے مواجہہ میں تھا) اشارہ کیا اور ذرا مستعدی کے ساتھ اشارہ ابرو سے حکم دیا اس نے یہی حافظ کی غزل شروع کی اور ایک آدھ شعر پڑھ کر خود بخود رک گیا اور کہا مولانا آپ تو مجھے پڑھنے نہیں دیتے اور بعد میں کہا جب ارادہ کرتا تھا جب ہی کوئی انگلی زبان پر آکر رکھی جاتی اور اسے دبا دیتی تھی لیکن مولانا نے ان کے گلے کی تعریف فرمائی جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا نے مولوی عبداللہ کی طرف خلاف عادت چین بجبیں ہو کر دیکھا اور فرمایا مولوی صاحب یہ کیا بات ہے کہ آپ نے بغیر میرا ایما معلوم کئے اس سے ایسی فرمائش کی اور پھر فرمایا کہ میں جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت [1] کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا جانوروں کے گھونسلہ بھی ہوتا ہے میرے یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا

حکایت (۲۳۰) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی کو حرام کے طعام سے جیسے نفرت تھی ویسے ہی اس کا احساس بھی بہت جلد کرتے تھے مگر دعوت بوجہ دلداری ہر ایک کی

[1] یہ ہے جامعیت کہ سب کا مناسب حق ادا کیا جائے ولنعم ما قیل۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ::: ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

منظور فرما[1] لیتے تھے اور پھر آکر قے کرتے تھے۔

حکایت (۲۳۱) خاں صاحب نے فرمایا ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے حضرت نے مولانا نانوتوی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل تو تھے ہی کوئی ہمارے اسمٰعیل کو بھی دیکھے[2]

حکایت (۲۳۲) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ کو یوں تو ولی اللہی خاندان کے ایک ایک فرد سے محبت اور فدائیت تھی مگر مولانا شہید سے عشق تھا ان کا ذکر سن نہ سکتے تھے کسی نے تذکرہ چھیڑا تو اس کی بات کاٹ[3] کر خود انکا تذکرہ شروع کر دیتے تھے۔

حکایت (۲۳۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اس کا التزام کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف دیکھ کر حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوتا اور وہ باتیں پوچھتا جو حضرت شاہ صاحب کی کتب میں مشکل ہوتی تھیں لیکن شاہ صاحب کی کتاب میں جو انتہائی جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتوی اول ہی دفعہ میں فرما دیتے تھے بارہا اسکا تجربہ کیا۔

حکایت (۲۳۴) حضرت والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رام پور کا ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلبہ کو قواعد جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی

---

[1] دعوت کی منظوری حرام ہونے کی صورت میں نہ تھی بلکہ مشتبہ ہونے کی صورت میں جو فتویٰ سے حلال تھی۔ کیا انتہا ہے اخلاق و شفقت کی [2] منہ پر مدح کرنا جبکہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو جائز ہے اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو تو پھر جائز سے بڑھ کر اولیٰ ہے۔ [3] یہ بات کاٹنا ایسے لطیف طور پر ہوتا تھا کہ بات کرنے والے کو ناگوار نہ ہو: (اشرف علی)

کرانے کے لئے کابل کو تیار کر رہا ہے ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے اور ہم بھی ہر قسم کی سراغ رسانی اور تفتیش حالات کیلئے گورنمنٹ کو مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لیے احکام جاری ہوئے اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رام پور، جلال آباد قرار پائے اور ان کا صدر مقام دیوبند بنا دیا گیا حکام نے دورے کیے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی حضرت نے اجازت دی اور کہلوا دیا کہ جوتہ نکال کر آئیں حاکم آیا اور بیٹھا نہیں بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرت کے سامنے کھڑا رہا واپس ہو کر اس نے حکومت ہند کو رپورٹ کی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقض امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت علیہ السلام ﷺ تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لے جاتے ہیں سوتے اور[1] جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور ﷺ رداء مبارک میں لئے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی اور شدد سے تحفظ منظور ہے لیکن حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے اور حضور ﷺ کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے قریب ہی زمانہ میں وفات ہو گئی۔

حکایت (۲۳۵) حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا کہ رام پور کے اسی مخالف و معاند خاندان کے دور کون

---

[1] یہ ایک کشف صحیح ہے جس میں کچھ استبعاد نہیں اور اس کی جو تعبیر حضرت گنگوہی نے سمجھی شاید یہ ڈھانپنے سے ماخوذ ہو مگر صرف احتمال کافی نہیں اصلی مبنی وجدان ہے : (اشرف علی)

کن دو بھائی تھے جن سے حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا بچپن سے میل جول تھا اور حضرت کا معمول تھا کہ جب رام پور تشریف لے جاتے تو ان دونوں بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرت سے ملتے حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان پر آتے اس خاندان کی اس مفسدہ پردازیوں کے زمانہ میں بھی حضرت کی یہ عادت نہ بدلی حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کو ناگوار ہوتا تھا کہ اب حضرت ان مفسدوں میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں حالانکہ انہوں نے خود حضرت ہی پر کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے مگر زبان سے کبھی نہیں فرمایا ایک دفعہ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی دونوں کا رام پور میں اجتماع ہوا اور حضرت حسب عادت اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم صاحب نے حضرت گنگوہی کے سامنے ناک چڑھا کر فرمایا کہ دیکھئے مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے حضرت مسکراتے رہے جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا[1] تو حضرت نے ذرا مستعد ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں آپ ان کے قلب کی حالت کو ملاحظہ نہیں فرماتے جس شخص کے دل میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی ہستی نہیں ہے تو ایسے شخص کو آپ کس طرح کہیں جانے سے روک سکتے ہیں اور کہیں چلے جانے سے ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

حکایت (۲۳۶) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ جب مباحثہ شاہجہانپور ہو چکا اور حضرت مولانا نانوتوی مظفر و منصور ہو کر واپس تشریف لے آئے تو مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے مولانا کی وفات قریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو ان سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا

[1] حکیم صاحب کی رائے کا منشاء دین کی حفاظت کے ساتھ کہ دیکھنے والوں کو ان لوگوں کے تدین کا شبہ نہ ہو جائے ایک گونہ جذبہ نفس بھی ہے گو مباح ہے چنانچہ ان کا یہ خیال کہ انہوں نے کیا کیا زبردست الزام لگائے ہیں اس کی دلیل ہے کہ حضرت گنگوہی کے جواب کا منشا ان کا غلبہ حال تواضع سے معذور ہوتا ہے باقی تدین کا شبہ سو اللہ تعالیٰ ایسے مغلوب الحال بندوں کو سبب بننے سے بھی محفوظ رکھتے ہیں اور ان کا عذر سب پر واضح فرما دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی کے اس ارشاد میں کہ ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے اثر کو عام لے سکتے ہیں اثر لازم و متعدی کو۔ (اشرف علی)

اور وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کے جتھے میں اسلام کی ایک منادی ہو جائے اور خدا کی رحمت اس کے بندوں پر پوری ہو جائے [1] سو وہ اس میلہ خدا شناسی "(مباحثہ شاہجہان پور) میں ہو چکی چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وفات ہو گئی۔

حکایت (۲۳۷)

خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ جب دیانند سرسوتی کے مقابلہ میں روڑ کی تشریف لے گئے تو علاوہ اور خدام کے منشی نہال احمد دیوبندی اور شاہ جی عاشق علی بھی ہمراہ تھے منشی نہال احمد کو (جو نہایت ذکی تھے) دیانند کے پاس شرائط مناظرہ طے کرنے کیلئے بھیجا گیا منشی صاحب اس کی قیامگاہ پر موجود تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور اس کے لیے کھانا لایا گیا کئی بڑی بڑی تھالیں پوریوں کی تھیں اور سیروں مٹھائی تھی جس کو یہ کئی آدمیوں کا کھانا سمجھے مگر وہ اس اکیلے کے لیے آیا تھا اور اسی تنہا نے سب تھالیں صاف کر دیں منشی صاحب نے اپنی ایک بے تکلف مجلس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بطور مزاح کہا کہ اگر ہمارے مولانا سے علم و فضل میں مناظرہ ہوا تو ان شاء اللہ مولانا غالب آئیں گے ہی لیکن اگر کہیں کھانے میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو کیا ہوگا؟ (کیونکہ حضرت نہایت قلیل الاکل تھے) یہ مقولہ حضرت تک پہنچا تو منشی نہال احمد صاحب بلائے گئے حضرت قیام گاہ کی چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑے تھے کہ یہ حاضر ہوئے اور دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ دیکھئے اب کیا سوال ہوگا اور کہیں وہی بات پہنچ گئی ہے تو دیکھئے کیسی ڈانٹ پڑے گی حضرت نے فرمایا کہ منشی جی تم نے کیا کہا تھا میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں انہوں نے وہی مقولہ دبی زبان سے دہرا دیا فرمایا کہ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوگا تو تم ساتھ ہو اب دوسری بات جو حقیقت ہے وہ سنو تمہارے دل میں یہ

---

[1] یہ استدلال ذوقی ہے اور اس کی نظیر حضرت عمرؓ و حضرت ابن عباسؓ کا سورہ نصر کے نزول سے قرب وفات نبویؐ پر استدلال ہے رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ النصر (اشرف علی)

سوال پیدا کیوں ہوا[1] اور یہ سوال کیوں نہ پیدا ہوا کہ اگر ترک اکل اور فاقوں میں مناظرہ ہوگا تو کون غالب ہوگا تم جانتے ہو کہ کھانا کس کی صفت ہے بہائم اور جانوروں کی' اور نہ کھانا کس کی صفت ہے' حق تعالیٰ کی اور ملائکہ کی تو تم مجھ سے مناظرہ جہالت میں کرانا چاہتے ہو مناظرہ علم میں ہوتا ہے یا جہل میں اگر اسی میں مناظرہ ہوا تو کسی بھینسے یا ہاتھی کو دیانند کے مقابلہ میں کھڑا کر دینا کہ کون زیادہ کھاتا ہے۔

<u>حکایت (۲۳۸)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ کسی عامی نے حضرت نانوتویؒ سے پوچھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں اس سے کیا فائدہ جبکہ نہ کسی کی برائی کسی پر پڑے گی نہ کسی کی نیکی کسی کے کام آوے گی یہ سائل ایک بھرے مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا اور پنکھا بہت بڑا تھا حضرت نے فرمایا کہ بھائی تم اس مجمع میں پنکھا کس کو جھل رہے ہو اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو فرمایا کہ ہوا اوروں کو بھی لگ رہی ہے کہا کہ جی ہاں فرمایا کہ یہ جواب ہے تمہارے سوال کا حق تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں مگر حسب قرب وبعد[2] پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی۔

---

[1] یعنی ایسا احتمال پیدا ہونا جس میں اپنے معتقد فیہ کے مغلوب ہونے کا احتمال ہو دعویٰ محبت و عقیدت اور رجاء من اللہ کے خلاف ہے۔ اور گو ایسے وسوسہ پر مواخذہ نہیں خصوص جب مطابعہ کی حیثیت سے ہو لیکن جو اس کا منشاء ہے یعنی محبت و عقیدت و رجاء میں کمی اس کا تدارک تو اختیار میں ہے کرنا چاہیے اور اس کے تدارک کی طرف اس قول میں اشارہ فرمایا کہ یہ سوال کیوں نہ پیدا ہوا الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس دوسرے سوال کے استحضار و تکرار سے اس پہلے سوال کا تدارک کرنا چاہیے

[2] یہ تشبیہ صرف پہنچنے میں ہے۔ گو یہ تفاوت ہے کہ پنکھے کی ہوا پہنچنا فاعل کے اختیار سے نہیں اور رحمت پہنچنا فاعل کے اختیار سے ہے وہاں کا قانون ہے هم قومه لا يشقى جليسهم جو اپنے عموم سے ہر حالت کو شامل ہے مقاصد حسنہ میں ایک روایت ادفنوا موتكم وسط قوم صالحين الخ نقل کر کے اور ایک راوی سلیمان بن موسیٰ سے اس کو مجروح کر کے کہا ہے ولكن لم يزل عمل السلف والخلف على هذاو مايروى كون الارض المقدسته لاتقدس احدا انما يقدس المرء عمله قد لاينا فيه اور ظاہر ہے کہ اس پر سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں خواہ کوئی روایت ثابت نہ ہو۔ لان انتفاء الخاص لا يستلزم انتفاء العام (اشرف علی)

حکایت (۲۳۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب کے پاس مظفر نگر تشریف لے گئے ڈاکٹر صاحب اس زمانہ میں جیل کے ڈاکٹر تھے حضرت جیل کی سمت تشریف لیجارہے تھے ساتھ میں لوگوں کا مجمع تھا جیل کو جب تھوڑا سا ہی فاصلہ رہ گیا تو کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کی پیشنگوئیاں بسا اوقات اپنے وقت سے ٹل جاتی ہیں اور انبیاء اللہ کی پیشنگوئی اپنے وقت سے نہیں ٹل سکتی تو کیا اولیاء اللہ کو غلط کشف ہوتا ہے فرمایا کہ یہ سامنے کونسی عمارت ہے سائل نے عرض کیا جیل ہے فرمایا کہ اس میں کوئی شک ہے یا یہ بات یقینی ہے عرض کیا کہ نہیں بلاشک جیل ہی ہے پھر فرمایا کہ آپ کے اندازہ میں اس جیل کو یہاں سے کتنا فاصلہ ہوگا عرض کیا کہ تقریباً سو قدم فرمایا کہ سو کے پچانوے یا ایک سو پانچ بھی ہوسکتے ہیں عرض کیا بیشک ہوسکتے ہیں کیونکہ تخمینہ ہی تو ہے فرمایا کہ یہی حال ہے کشف اولیاء کا کہ وہ شے بالکل حق ہوتی ہے جو دیکھتے ہیں مگر چونکہ دور سے دیکھتے ہیں اس لیے اس کی توقیت یعنی زمان و مکان معین کرنے میں ان کا تخمینہ ہوتا ہے جس میں غلطی بھی ممکن ہے اس کے بعد جب جیل کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہ تقریباً دو قدم پر تھا تو فرمایا کہ یہ کیا عمارت ہے سائل نے عرض کیا کہ یہ جیل ہے پھر فرمایا کہ یہ کتنی دور ہے عرض کیا کہ صرف دو قدم فرمایا کہ دو تین یا ایک تو نہیں ہوسکتے عرض کیا کہ اب تو دو قدم یقینی ہے فرمایا کہ یہ حال ہے کشف انبیاء کا وہ دیکھتے بھی حق ہیں اور انہیں اس شے کے سر پر لیجا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور نہایت قریب سے دیکھتے ہیں اس لیے ان سے تخمین و تعین مکان و زمان میں بھی غلطی نہیں ہوسکتی۔

حکایت (۲۴۰) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند مرحوم نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا اسی کا خیال مجھے گذرتا تھا اور حضرت قبلہ والد مرحوم نے اس واقعہ کو یوں فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ حضرت

نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کا اہتمام کبھی خود نہیں فرمایابلکہ اہتمام کے لیے مجھے طلب فرمایااور میں وہی کرتا ہوں جو انہیں مکشوف ہوتا ہے علم ان کا ہے عمل میرا ہے ان کے منشاء علمی وکشفی کو میں سمجھ کر فوراً عملدر آمد کرتا ہوں۔

حکایت (۲۴۱) مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدر آبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے احقر سے فرمایا جبکہ احقر حیدر آباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلاوضو نہیں گیا میں نے انسانیت سے بالادرجہ ان کا دیکھا وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

حکایت (۲۴۲) حضرتؒ نے والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا فیض الحسن صاحب حضرت نانوتویؒ کے ہمعصر تھے اور بہت ہی زیادہ بے تکلف تھے ایک دفعہ انہوں نے غایت بے تکلفی میں ہمصرانہ طریق پر حضرت نانوتویؒ کو فرمایا بے جا گنوار کے لونڈے تجھے ان چیزوں (علوم) سے کیا واسطہ' تو جا کر ہل جوت کھیتی کر حضرت نے ہنس کر جواب دیا ایک بھینسا تو موجود ہے (اشارہ تھا مولانا فیض الحسن صاحب کی طرف کہ مولانا سیاہ فام اور بدن کے موٹے اور دوہرے تھے) دوسرا ہو جائے گا تو ہل جڑے گا[1]

حکایت (۲۴۳) والد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ چھتے کی مسجد میں مولانا فیض الحسن صاحب استنجا کے لیے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں فرمانے لگے کہ توبہ سارے لوٹے مختون ہی ہیں حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ "پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے" (گویا مختون سے کیا[2] ڈر ہے)

---

[1] ایسا بے تکلف مزاح دونوں حضرات کے غایت تواضع کی دلیل ہے متکبرین ایسے عنوانات کو کب گوارا کر سکتے ہیں [2] اس مزاح میں ایک توریہ ہے ایک پہلو تو وہی ہے جس کی طرف ماتن نے بین القوسین اشارہ کیا ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ٹونٹی کے ٹوٹ جانے سے پانی کم سماتا ہے اور گرتا بھی زیادہ ہے جو بعض اوقات بڑے استنجے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ پس اس مزاح کو فحش نہیں کہہ سکتے

حکایت (۲۴۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب بڑے معقولی تھے اور کسی کو اس میدان میں اپنا ہمعصر نہیں سمجھتے تھے ایک دن حضرت نانوتوی کا وعظ ہوا اور اتفاق سے سامنے وہی تھے اور مخاطب بن گئے اور معقولات ہی کے مسائل کار دشروع[1] ہوا وعظ کے بعد انہوں نے کہا اللہ اکبر یہ باتیں کسی انسانی دماغ کی نہیں ہو سکتیں یہ تو خدا ہی کی باتیں ہیں مجھ پر تو یہ اثر ہوا ہے کہ خودی مٹ رہی ہے اسی مجلس میں حضرت سے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں جب آپ جائیں تو پھر وہاں تجدید بیعت کر لیں چنانچہ جب مولانا گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ سے تجدید بیعت کر لی۔

حکایت (۲۴۵) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک وعظ سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی بھی شریک تھے اور ختم وعظ پر فرمانے لگے کہ بھلا ان کے ہوتے ہوئے کوئی واعظ وعظ کہہ کر کیا ایسی تیسی کھائے گا یہ علوم کہاں سے لائے گا اور یہ اثر کہاں سے آئے گا۔

حکایت (۲۴۶) حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمۃ اور منازعۃ کی صورت اختیار کر لی اور مولوی محمود الحسن گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورت حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا مولانا رفیع الدین صاحب

[1] اول تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قصداً ان مسائل کار دشروع فرمایا۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی ہو تو مدعی کی اصلاح کے واسطے علم کا اظہار بھی جائز ہے۔ (اشرف علی)

رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے[1] تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تربتر ہو گیا اور فرمایا یہ کہ محمود حسن کو کہدو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے بس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے مولانا محمود حسن صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔

حکایت (۲۴۷) عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم حضرت نانوتویؒ کے اخلاق مربیانہ اور شفقت ورحمت کی توصیف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ بس حضرت کے اخلاق کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں جو بہت تمناؤں کے بعد پیدا ہوا ہوں' ظاہر ہے کہ مجھ سے انہیں کتنا انس ہو گا اچانک میں گرفتار ہو کر دائم الجس کر دیا جاؤں کہ میری واپسی اور ملاقات کی کوئی توقع ماں باپ کو نہ رہے ظاہر ہے کہ ان پر کس درجہ غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے کہ گویا وہ قبل از مرگ ہی مر جائیں گے اور پھر میں اچانک رہا ہو کر آؤں اور ایک دم ماں باپ کے سامنے پہنچ جاؤں تو تم بتلاؤ کہ ان کی اس وقت کی خوشی ومسرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے بس یوں سمجھو کہ میں اگر دن میں دس مرتبہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تو مجھے دیکھ کر اتنی مرتبہ ہی خوش ہوتے جتنا کہ میرے ماں باپ اس وقت خاص میں خوش ہو سکتے تھے۔

حکایت (۲۴۸) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ عموماً بیعت اپنے

[1] یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے دوسری یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسد عنصری تیار کر لیا ہو مگر وقت گذر جانے پر پھر اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے۔ (اشرف علی)

مرشد کی طرف سے کرتے تھے۔ چند ایک ہی لوگ تھے جن کو براہ راست اپنے سے بیعت فرمایا ایک دیوان محمد یسین مرحوم دیوبندی کہ جب انہوں نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ جاؤ گنگوہ جاکر بیعت ہو وہ فوراً گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی گنگوہ سے واپس ہو کر پھر درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ تم نے گنگوہ جاکر بیعت نہیں کی عرض کیا کر لی۔ فرمایا کہ پھر اب دوبارہ بیعت کیسی عرض کیا کہ حضرت وہ تو تعمیل ارشاد تھی [1] مگر بیعت تو حضرت ہی کریں گے آخر کار خود حضرت نے بیعت فرمایا۔

حکایت (۲۴۹) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب نے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہ سارے بزرگ آفتاب و مہتاب تھے ایک سے ایک اعلیٰ و افضل تھا لیکن بہر حال جس کی قیام گاہ پر جاکر دیکھا ضروریات زندگی میں سے کچھ نہ کچھ سامان پایا حضرت گنگوہیؒ کے حجرہ میں بہر حال سامان مباح میں سے ضروریات تھیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کے حجرہ میں بہر حال کچھ نہ کچھ اشیاء نظر پڑتی تھیں لیکن اس منقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا ذات (حضرت قاسم العلوم) کے حجرہ میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔ چٹائی بھی اگر تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی تھی گویا عمر بھر کیلئے اسی ایک چٹائی کو منتخب فرمالیا تھا۔ نہ کوئی صندوق تھا نہ کبھی کپڑوں کی گٹھڑی بندھتی تھی۔ سفر میں جب یہ حضرات جاتے تھے تو مثلاً حضرت گنگوہیؒ کے خادم خاص عبداللہ شاہ صندوق لیتے ' کپڑے لگاتے ' سامان سفر مہیا ہوتا اہتمام ہوتا۔ لیکن یہاں کوئی اہتمام نہ تھا۔ اگر کبھی ایک آدھ کپڑا ہو تو کسی کے پاس رکھوادیا۔ ورنہ عموماً اسی ایک جوڑے میں سفر پورا ہوتا جو حضر میں پہنے ہوتے تھے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی۔ جب کپڑے زیادہ میلے ہوگئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار لئے اور خود ہی دھولیے اور وہ لباس بھی کیا تھا جو اتنی قلت کے ساتھ رہتا تھا۔ بغیر کرتے کے بندوں دار اچکن (یا انگرکھا) اور پاجامہ۔ سردی ہوتی تو مختصر سا معمولی عمامہ ورنہ عموماً

[1] پس یہ صورت بیعت تھی مگر چونکہ مقدمہ حقیقت بیعت تھی اسلیے بیکار نہ تھی اور چونکہ قرائن سے متیقن تھا کہ شیخ اول کو یہ ناگوار نہ ہوگا۔ اسلیے خلاف طریقت نہ تھی (اشرف علی)

ایک کنٹوپ تمام سردی میں سر پر رہتا تھا۔ مدۃ العمر کسی کپڑے میں بٹن کبھی نہیں لگائے اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے۔ بلکہ ہر جگہ بند استعمال فرماتے تھے۔ اپنے لئے کبھی کچھ نہ تھا اور سب کے لئے سب کچھ تھا۔ اگر ان کے پاس کوئی دنیا کی تلاش میں آتا تو وہ دنیا سے بھی محروم نہ جاتا تھا۔ بہت کچھ آتا مگر اس میں اپنے لئے کچھ نہ تھا بلکہ دوسروں کے لئے۔ اور یہی فرمایا کہ دوسروں کا حق ہے۔ [1]

حکایت (۲۵۰) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علی خان صاحب مرحوم مراد آبادی حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے طبیعت کے بہت پختہ تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا۔ اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گذرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہو گئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا۔ لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتا بھی ہیں یا نہیں۔ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا کہ نہیں بھائی۔ یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا۔ اور کوئی خفگی و ناراضگی نہیں ظاہر کی، بلکہ دل جوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی مجھے تمام امور سے بے کار کر دیا کیا کروں کہاں جاؤں

[1] مقصود درجہ طریق میں جمعیت قلب ہے فطرۃً کسی کو ترک اسباب میں جمعیت ہوتی ہے کسی کو مباشرت اسباب میں پس دونوں میں تفویض ہے محبوب کی تجویز تکوینی کی طرف اور تشریعاً دونوں امر مخیر فیہ ہیں اور بٹن سے اجتناب یہ احتیاط ہے باقی شیوع عام جس سے دیکھنے والے کو کھٹک نہ ہو رافع تشبہ ہے : (اشرف علی)

آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مؤدب عرض کیا کہ حضرت للہ میری اعانت فرما دیجئے میں تنگ آگیا اور عاجز آچکا ہوں ایسی دعا فرمائیے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے بس جوش ختم ہو گیا میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا نکما ہو گیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا خدا کے لئے میری امداد فرمائیے فرمایا بہت اچھا بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا فرمایا کہ ہاتھ لاؤ میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں خدا کی قسم میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں[1] اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے گویا میں دربار

---

[1] یہ ایک اثر تھا تصرف کا مشابہ اس اثر کے جو حدیث مسلم میں وارد ہے عن ابی کعب (فی قصته اختلاف القرائتین وتصویبه ﷺ کلیهما) فلما رای رسول الله ﷺ ماقد غشیتنی ضرب فی صدری ففضت عرقاً وکانما انظر الی الله فرقاً الحدیث (باب بیان القران انزل علی سبعته احرف) ونقل النووی عن القاضی ضرب ﷺ فی صدره تثبیتاله حین راه قد غشیه ذلك الخاطر المذموم اور حضور اقدس ﷺ کا یہ فعل اگر وحی سے تھا تو اس کے تصرف ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اجتہاد سے تھا تو غالب یہی ہے کہ تصرف تھا۔ البتہ ایسے تصرفات کا وقوع بہت ہی نادر منقول ہے اور اس میں بھی شبہ ہے غیر تصرف ہونے کا پس وقوع تصرف کا حکم جازم محتاج دلیل ہے۔ اور مشائخ چونکہ صاحب وحی نہیں ان کے ایسے افعال قرائن سے تصرفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے محققین نے اس کو کمالات مقصودہ میں شمار نہیں کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ تصرفات کا صدور قوت نفسانیہ سے ہوتا ہے۔ اور جسطرح قوت جسمانیہ کمالات مقصودہ سے نہیں جیسے معارعتہ اسی طرح قوت نفسانیہ بھی اور اسی وجہ سے یہ قوت اہل باطن میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ عارف راہمت (یعنی تصرف) نباشد۔ تو وہ اس کے عدم کو اس کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں اور وجہ اس کی یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس میں شان عبدیت سے بعد ہے اور یہ وجہ افعال جسمانیہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اس میں اسباب مادیہ کی طرف احتیاج ظاہر ہے جو عین عبدیت ہے اور تصرفات نفسانیہ میں اسباب خفی ہیں اسلیے احتیاج کی شان اس میں خفی ہے نیز افعال جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے۔ اور تصرفات میں معتقد ہو جاتے ہیں تو اس میں افتتان اور عجب کا خطرہ بھی ہے۔ واللہ اعلم :: (اشرف علی)

الٰہی میں حاضر ہوں میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور خوف طاری نہ ہوا تھا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور بالکل خودی سے گذر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرد ہو گئی فرمایا جاؤ میں اٹھ کر چلا آیا دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا' دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں رہی فرمایا' اللہ کا شکر کرو والحمد للہ ذلک۔

حکایت (۲۵۱) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند جاری ہو چکا تھا لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہیں بنی تھی بلکہ کرایہ کے مکانوں میں مساجد میں تعلیم و تعلیم کا سلسلہ جاری تھا جب یہ سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت نانوتویؒ کی رائے یہ ہوئی کہ کرایہ کے مکانوں سے کام نہ چلے گا بلکہ ایک مستقل جگہ مدرسہ کے نام سے ہونی چاہیے سب نے اس رائے پر لبیک کہا لیکن حاجی محمد عابد صاحب مرحوم اس رائے کے خلاف تھے وہ فرماتے تھے کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف برداشت کرنے کی' جامع مسجد کی عمارت کافی ہے اس کے ہر چہار سمت حجرے بنا دئے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں لیکن بقول حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ حاجی صاحب مرحوم کے[1] سامنے وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت کو نظر آرہا تھا ان کی فراست کے سامنے یہ مکتب مدرسہ اور پھر مدرسہ سے دارالعلوم ہونیوالا تھا اس لیے حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب مدرسہ کیلئے الگ ہی جگہ مناسب ہے مسجد میں مدرسہ کا ہونا بہت سے اشکالات اور دشواریوں کا باعث ہوگا

[1] مدرسہ کے لیے مستقل عمارت نہ ہونے کی رائے کا منشاء تذکرۃ العابدین میں اس طرح لکھا ہے کہ وقت بنائے جانے مسجد کے یہ بات قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہے گا۔ علیٰحدہ نہیں بنوایا جائے گا مگر کئی سال بعد اہل شوریٰ کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیٰحدہ بنوایا جائے۔ اس وقت حاجی صاحب نے کہا تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد میں سہ دریوں کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے عذر کیا کہ مجھ کو علم نہیں تھا کہ اہل شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے میں معافی چاہتا ہوں۔ اس سے دونوں حضرات کا عذر بالکل ظاہر ہے اور دونوں طرف سے معافی کی استدعا دونوں حضرات کے کمال تواضع کی واضح دلیل ہے:: (اشرف علی)

یہ طلبہ کی قوم آزاد ہوتی ہے کبھی شکایت ہوگی کہ مسجد کے لوٹے ٹوٹ گئے کبھی فریاد ہوگی کہ مسجد کی صفیں گم ہو گئیں ٹوٹ گئیں لالٹینیں نہ رہیں' غرض بیسیوں دشواریاں ہونگی اسلیے یہی مناسب ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کے نام سے الگ ہی ہو لیکن حاجی صاحب مرحوم نے ہرگز اس رائے کو تسلیم نہیں کیا اور چونکہ طبیعت کا ایک خاص انداز تھا اس لیے اپنی رائے پر اصرار تھا لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے تھے مگر حضرت نانوتویؒ کے حلم کیوجہ سے کوئی کچھ کہہ بھی نہ سکتا تھا۔ آخر کار حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ مکان مدرسہ کیلئے اشتہار جاری کر دیا جائے اس اشتہار میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو کہ مکان الگ بنے گا یا مکان مسجد میں مدرسہ رہے گا یہ وقت پر ہوتا رہے گا اتنے عرصہ میں حاجی صاحب بھی موافقت کرلیں گے یہ رائے طے ہوگئی اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ سنگ بنیاد رکھنے کے لیے مختلف جگہ کے مسلمانوں کو جمع کیا جائے اور صورت یہ ہو کہ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد حضرت وعظ فرمائیں اور وعظ ختم ہوتے ہی سارا مجمع شہری اور بیرونی حضرات کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے اس جگہ پر آجائے جو مدرسہ بنانے کے لیے تجویز کی گئی اور چار آنہ گز کے حساب زمین کا معاملہ طے ہو چکا تھا چنانچہ اس مضمون کا اشتہار ملک میں بھیجدیا گیا اطراف واکناف سے لوگوں کے خطوط آمد کے متعلق آنے شروع ہوئے معینہ جمعہ کے دن بیرونی حضرات کا جم غفیر جمع ہو گیا علی گڈھ سے بھی بعض سربر آوردہ لوگ آئے اور زیادہ تر حضرت کے وعظ تقریر کے اشتیاق میں یہ مجمع ہوا تھا بہر حال جمعہ کے بعد حسب تجویز مشتہر شدہ حضرت نے وعظ فرمایا وعظ کے آخر میں فرمایا کہ مکان مدرسہ کے لیے سب حضرات فلاں جگہ تشریف لے چلیں تاکہ مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھدیا جائے بس یہ سنتے ہی حاجی صاحب مرحوم کو غصہ آیا اور زور سے فرمایا ہائیں کیا حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب یوں ہی مناسب ہے آپ تشریف تو لے چلیں حاجی صاحب نے فرمایا میں کیوں چلوں' کیا ضرورت ہے اس اسراف کی اور کیوں یہ بیکار اتنا بڑا کام اٹھایا جارہا ہے یہ الفاظ غصہ سے بھرائی ہوئی آواز میں نکلے حضرت نے فرمایا حاجی صاحب آپ سنبھلیں یوں ہی مصلحت ہے کہ مدرسہ الگ بنے اس پر پھر حاجی صاحب زور سے بولے حضرت نے فرمایا حاجی

صاحب کو اختیار ہے سب حضرات چلیں اور سنگ بنیاد رکھیں یہ ایما پاتے ہی تمام شہری اور بیرونی لوگوں کا جم غفیر چلا حاجی صاحب تو چھتہ کی مسجد میں آگئے اور لوگوں کا مجمع حضرت کے ساتھ چلا لیکن حضرت بجائے اس کے کہ پہلے جائے بنیاد پر آتے سب سے پہلے چھتہ کی مسجد میں تشریف لائے اور حاجی صاحب سے پکار کر فرمایا کہ حاجی صاحب! آپ تو ہمارے بڑے اور ہم سب آپ کے چھوٹے ہیں' یہ آپ نے اپنے چھوٹوں کے ساتھ کیا بے رخی اور بے توجہی برتنی شروع فرمادی کچھ ان الفاظ کا ایسا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار آکر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آوازیں نکل پڑیں اور کہا کہ مولانا اللہ میرا قصور معاف فرمایئے حضرت نے حاجی صاحب کو اٹھا کر گلے لگایا اور فرمایا حاجی صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں آپ تو ہمارے بزرگ ہیں بڑے ہیں حضرت حاجی صاحب کو لے کر بنیاد پر پہنچے جو کھد کر تیار تھی اس وقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اس وقت وہاں نہ ہو' سارے ہی مقدسین کو حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر جمع فرمادیا تھا اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے حضرت کا اس وقت ایک خاص امتیاز تھا لوگوں کی رائے ہوئی کہ پہلی اینٹ حضرت رکھیں مگر حضرت ہمیشہ پیش پیش ہوتے اور کسی ظاہری امتیاز سے بچتے تھے کبھی خود آگے نہ ہوتے تھے کام میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے اور آگے کسی کو فرمادیتے تھے مدرسہ قائم ہوا' اس کے انتظامات ہوئے اس میں علمی کارنامے ظاہر ہوئے اور حضرت ہی نے سب کچھ کیا لیکن اپنا نام کبھی نہیں رکھا حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب مرحوم کے نام کرایا غرض کام میں سب کے روح رواں تھے اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے بہر حال جب بنیاد رکھنے کے لیے پہلے حضرت کو تجویز کیا گیا' فرمایا یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور خود ہی تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو مولانا سید اصغر حسین صاحب دام ظلہ ' کے نانا تھے' اینٹ رکھیں کہ وہ سید بھی ہیں اور بزرگ بھی ہیں اور پھر حاجی صاحب اینٹ رکھیں اور پھر تمام اکابر چنانچہ یہی ہوا اول ان دو حضرات نے اینٹ رکھی' پھر حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو بڑھایا کہ آپ اینٹ رکھیں انہوں نے رکھی لوگوں نے کہا حضرت

آپ بھی تو اینٹ رکھیں فرمایا ہاں میں بھی تو آپ سب کے ساتھ حاضر ہوں اور پھر خود بھی اینٹ رکھی اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا ایک عجب خوشی تھی اور سب کے دل فرحت سے مالا مال تھے

حکایت (۲۵۲) عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا جب حضرت نانوتویؒ دہلی میں تعلیم پاتے تھے جس راستہ کو جاتے تھے اس میں ایک مجذوب پڑا رہتا تھا ایک دن اس نے بلایا مولانا کے ہاتھ میں کتاب تھی کہا تیرے ہاتھ میں کیا ہے مولانا نے کتاب سامنے کر دی اس نے اوراق الٹ پلٹ کر کے کچھ من من کی پھر کتاب بند کر کے کہا جا تو بڑا عالم ہے۔

حکایت (۲۵۳) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا راؤ عبدالرحمٰن خاں صاحب پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف وحالت تھے کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لیے تعویذ مانگتا بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا یا لڑکی لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے آپ بتاتے ہیں فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ روپوش ہو کر پنجلاسہ میں مقیم رہے ہیں اور وہیں توجہ کا حلقہ ہوتا تھا اس پر عبداللہ شاہ فرماتے کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں ہم نے اپنے بادشاہ (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سلام پھیرا تو ادھر کی صف لوٹ گئی اور جب بایاں سلام پھیرا تو ادھر کے آدمی گر گئے نہ حلقہ تھا نہ مجلس غرض عبداللہ شاہ اس رتبہ کے تھے اور ایسے زبردست ان کے حالات تھے حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ ان سے اکثر ملنے تشریف لیجایا کرتے تھے اور ان کی یہ عادت تھی کہ مولانا سے ملتے ہی کہتے کہ آؤ حاجی قاسم! اس پر مولانا فرماتے کہ حضرت میں تو حاجی نہیں ہوں تو فرماتے کہ بھائی زبان سے یونہی نکل جاتا ہے جب پہلے حج کو تشریف لے گئے ہیں تو براہ پنجاب فیروزپور کے دریا سے دریائے سندھ میں ہوتے ہوئے پہلا حج فرمایا ہے راستہ میں پنجلاسہ کا علاقہ

بھی پڑتا تھا مولانا نے رفقائے سفر سے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے اور حاجی محمد عابد صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے' فرمایا کہ بھائی میں توپنجلاسہ ضرور جاؤں گا اور راؤ عبداللہ شاہ صاحب سے ضرور ملوں گا چنانچہ تشریف لے گئے اور ملے راؤ صاحب نے فرمایا کہ آؤ حاجی قاسم مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں حج کو جارہا ہوں فرمایا کہ پھر میں نے تمہیں حاجی ہی کہا تھا رخصت کے وقت مولانا نے فرمایا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمایئے اس پر فرمایا کہ بھائی میں تمہارے لیے کیا دعا کروں میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

<u>حکایت (۲۵۴)</u> مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتویؒ دہلی میں مولانا مملوک علی صاحب سے جب تعلیم پاتے تھے تو وہاں کے کالج میں نام مولانا کا داخل تھا مگر بطور خود پڑھتے تھے لیکن امتحانات کی شرکت لازمی تھی چنانچہ جب امتحان کا زمانہ آیا تو رامچندر جو بڑا مہندس تھا اور ہندو سے کرسٹان ہو گیا تھا' ہندسہ کا استاد تھا' اس نے مولانا کو بھی داخل ہندسہ کرنا چاہا لیکن مولانا مملوک علی صاحب نے اس سے فرمایا کہ قاسم درس میں داخل تو نہ ہوگا مگر امتحان میں ضرور شامل ہوگا اور یہ محض اپنی کمال فراست اور تجربہ کی بنا پر فرمایا تھا نیز مولانا نے گوارا نہ کیا کہ میرا استاد غیر مسلم ہو' اور اس سے کراہت کی بہر حال جب امتحان کا زمانہ قریب آگیا تو مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اقلیدس کے مقالے اور اشکال دیکھ لینا امتحان دینا ہوگا چنانچہ حضرت مولانا نے صرف ایک شب میں اقلیدس دیکھی اور چودہ پندرہ شکلیں دیکھی تھیں کہ اس سے جی گھبرا گیا تو چھوڑ دی اور پھر نہیں دیکھی کالج میں اس کی شہرت تھی کہ فلاں طالب علم ہندسہ میں بے پڑھے امتحان دیگا حتیٰ کہ رامچندر کو بھی اس کا علم ہوا تب اس نے اپنے مایہ ناز شاگرد مولوی ذکاءاللہ صاحب کو جو فن ہندسہ میں صاحب تصانیف بھی تھے بلا کر چند سوالات سمجھا دیے اور حضرت کی خدمت میں بطور امتحان بھیجا انہوں نے سوالات کیے اور حضرت مولانا نے فرفر جوابات دینے شروع کیے اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ چند سوالات میں بھی کرتا ہوں چنانچہ کیے

مگر وہ جواب سے عاجز رہ گئے۔

حکایت (۲۵۵) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ایک انگریز مہندس نے اشتہار[1] دیا تھا کہ اگر کوئی شخص مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور منقسم کر دے تو ڈیڑھ لاکھ روپے انعام ہے مظفر نگر کے منصف صاحب بھی فن ریاضی اور ہندسہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے انہوں نے اس پر دلائل قائم کیے اور اپنے زعم میں اسے ثابت کر دیا لیکن میرٹھ پہنچے اور وہاں کے کسی حاکم اعلیٰ کو وہ دلائل دکھائے اس نے کہا کہ بالکل صحیح ہیں آپ اس کا اعلان کریں ضرور آپ اس انعام کے مستحق ہوں گے لیکن ان کے دل میں کوئی اطمینان پیدا نہ ہوتا وہ چاہتے تھے کہ اگر اس پر مولانا ایک نظر ڈالدیں تو مجھے اطمینان ہو جائے مولانا کا مظفر نگر آنا ہوا ان منصف صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے (جو حضرت مولانا کے خاص لوگوں میں تھے) کہا کہ کوئی ایسا وقت بھی میسر آسکتا ہے کہ میں مولانا کو یہ تحریر دکھادوں انہوں نے کوشش کی مگر وقت نہ نکل سکا یہاں تک کہ روانگی کا وقت آگیا اسٹیشن پر تشریف لے آئے لیکن گاڑی دس بیس منٹ لیٹ تھی اس وقت فوراً ان منصف صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اب میری تحریر سنوادو چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا اور بعد منظوری منصف صاحب نے وہ تحریر سنائی اس کو سرسری حضرت نے سنا سب سے آخر میں فرمایا کہ سب صحیح ہے مگر دلیل کا فلاں مقدمہ نظری ہے حالانکہ اقلیدس کی تمام دلائل کی انتہا بدیہی مقدمات پر ہوتی ہے اور اسی لیے اس کے تمام دلائل قطعی سمجھے جاتے ہیں چونکہ وہ سب صاحب فن تھے فوراً سمجھ گئے اور وہاں سے واپس ہوئے اس پر ڈاکٹر صاحب نے بطور مذاق فرمایا کہ تمہیں کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ مولانا کو

---

[1] یہ احقر اس زمانہ میں دارالعلوم میں پڑھتا تھا۔ میں نے اشتہار کے مضمون کو اس عنوان سے سنا تھا کہ زاویہ کی تنصیف تو دلیل سے ثابت ہو گئی ہے مگر اس کی تثلیث کا نہ وقوع ثابت ہوا نہ امتناع۔ اگر اس کا کوئی وقوع ثابت کر دے وہ ایک لاکھ روپے انعام کا مستحق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس ثانی دارالعلوم دیوبند نے اس کی تغلیط میں مفصل تحریر لکھی تھی۔ سو ان دونوں جزوؤں کو واقعہ مذکورہ روایت ہذا سے کوئی تعارض نہیں : (اشرف علی)

یہ تحریر سنائی اور اپنی ساری کاوش دماغ کو غلط ثابت کر دیا تم اعلان کر دیتے اشتہار دینے والے سے کیا سمجھتے لیکن یہ ان کی دیانت تھی کہ جب ان کی تحریر میں غلطی نکل آئی تو پھر انہوں نے اس کی اشاعت نہ کی اگرچہ وہ ایسی غلطی تھی کہ عموماً اس کا سمجھنا دشوار تھا۔

حکایت (۲۵۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے چند دن اقلیدس کا درس بھی دیا ہے چھتہ میں جب اقلیدس پڑھاتے تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہیں چٹائی کا کونہ اٹھا کر اور زمین پر انگلی سے شکل کھینچ کر سمجھا دیتے تھے نہ پرکار تھی اور نہ اوزار تھے۔

حکایت (۲۵۷) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آ نکلے انہوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین سنے جو مثنوی میں بیان فرمائے جارہے تھے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش اگر اس شخص کو اس ظاہر علم کے ساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ کاش آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا جی ہاں میں ایسا ہی محروم ہوں اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرمادیں تو میری نیک نصیبی ہے اس پر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہ مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جوہر بھی علی الوجہ الاتم موجود ہے۔

حکایت (۲۵۸) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبدالعدل صاحب یا کسی اور نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت جب آپ سے کوئی کسی بات کا سوال کرتا ہے تو آپ برجستہ

فرمادیتے ہیں کہ اس کے تین جواب ہیں یا پانچ جواب ہیں تو کیا آپ نے پہلے سے سوالوں کے جوابات سوچ کر ان کی فہرست لگا رکھی ہے یا آپ سوچ کر آتے ہیں فرمایا کہ نہیں بلا اختیار میری زبان سے یونہی نکل جاتا ہے اور اتنے ہی جوابات دے کر طبیعت رک جاتی ہے۔

حکایت (۲۵۹) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ باوجود جفاکشی اور مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ لطیف الطبع اور نازک دماغ تھے تقریر فرمارہے تھے کہ اتفاقاً ایک نہایت ہی بدہیئت شخص سامنے آکر بیٹھ گیا تو حضرت مولانا کی طبیعت [1] رک گئی بالا آخر کسی انداز سے اٹھے اور مجمع ایک دم تہ وبالا ہوا اسی گڑبڑ میں وہ شخص ہی سامنے سے ٹل گیا پھر آکر تقریر شروع فرمائی اور اب طبیعت بے تکان تھی۔

حکایت (۲۶۰) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ اکثر تقریر فرماتے ہوئے بیچ میں چند ایک منٹ سکوت فرماتے اور ایک دم رک جاتے تھے اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت مسلسل تقریر فرماتے ہوئے آپ کیوں رک جاتے ہیں فرمایا کہ ایک ہی مضمون کے بیسیوں پیرائے اور عنوان ایک دم ذہن میں آتے ہیں تو طبیعت رک جاتی ہے اور میں اس پر غور کرنے لگتا ہوں کہ کس کو لوں اور کس کو چھوڑ دوں۔

حکایت (۲۶۱) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ دہلی کے جس کالج میں حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا نام داخل تھا اس کے علوم عربیہ کے ممتحن صدر الدین صاحب ہوئے اور مولانا کا صدرا کا امتحان ان کے پاس گیا انہوں نے کوئی جگہ پڑھوائی مولانا کے ذہن میں اس کا مطلب نہ تھا کیونکہ وہ جگہ کبھی دیکھی نہ تھی تو اس پر تقریر کی اور خود جان رہے تھے کہ کتاب کا یہ مقصد نہیں ہے مفتی صاحب نے اس پر اعتراض کیے تو مولانا نے مفتی صاحب کو ان ہی

---

[1] یہ لطافت امر فطری ہے بعض انبیاء کا اس پر یا اس کے آثار پر اعتراض و نکیر فطرت پر اعتراض ہے۔ بہت سے بزرگوں کے واقعات لطافت کے تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں : :(اشرف علی)

کی تقریروں میں الجھا[1] لیا لیکن اس پر غور کرتے رہے کہ مطلب کیا ہے بالا آخر ایک دم ذہن میں عبارت کا صحیح مطلب آگیا تو فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ "یہ عبارت" فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ اس بات کا جواب تو یہ ہے میں کچھ اور سمجھ رہا تھا مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں یہی تو پوچھتا تھا۔

حکایت (۲۶۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے میں نے خود سنا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا اس وقت حضرت مولانا چھتے کی مسجد کے چھپر والے حجرہ میں تھے اور کوئی خاص کیفیت طاری تھی مولانا نے اس مسئلہ پر تقریر شروع کی لیکن اس تقریر میں لفظ بھی غیر مانوس تھے یہ مستعمل الفاظ نہ تھے اور معانی بھی غیر مانوس، جن کو میں قطعاً نہ سمجھ سکا میں نے عرض کیا کہ کچھ نازل تقریر فرمایئے میں قطعاً نہیں سمجھا تو پھر دوبارہ تقریر فرمائی جو اس سے کچھ نازل تھی، جس کے لفظ مانوس تھے مگر معانی قطعاً بلند اور غیر مانوس جن کو میں نہ سمجھا تیسری دفعہ میں نے پھر کہا کہ میں نہیں سمجھا پھر اس سے اتر کر اور تقریر نازل فرمائی جو قریب الفہم آگئی تھی مگر میں پھر بھی نہ سمجھا اور میں نے عرض کیا کہ میں نہیں سمجھا تو فرمایا کہ مولانا پھر کسی وقت پوچھئے گا چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب اٹھ کر چلے آئے

حکایت (۲۶۳) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آبحیات (حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیف) وغیرہ میں نے حضرت سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے آب حیات کے کچھ اوراق حضرت نے خود نکال دیے تھے کہ انہیں کوئی

---

[1] اور اس میں چونکہ کوئی مضرت اور مفسدہ نہ تھا نہ اس کا منشاء کبر تھا بلکہ اپنی کامیابی امتحان کی اور اپنے مدرسہ واساتذہ کی نیکنامی کی سراسر مصلحت اور منفعت بھی تھی۔ اس لیے تلطف میں کوئی محذور نہ تھا۔ اور ذکاوت پر جو کہ کمالات محمودہ سے ہے دلالت جس درجہ کی ہے واضح ہے علاوہ اس کے اگر اس کا اخلاق فاضلہ کے خلاف ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی نو عمر طالب علموں پر ایسے مواخذات نہیں ہو سکتے جو شیوخ پر ہوتے ہیں:: (اشرف علی)

نہیں سمجھے گا وہ مولانا محمود حسن صاحب کے پاس عم محترم نے خود دیکھے لیکن اب بھی آب حیات (رسالہ) کا پانا آب حیات (چشمہ حیات) پانے سے کم مشکل نہیں [1]

حکایت (۲۶۴) مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ ایک بزرگ سے ملنے کیلئے ریاست رام پور تشریف لے گئے ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہما تھے ریل نہ تھی' مراد آباد کی طرف چلے کہ خود حضرت پا پیادہ ہو لیے منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجز منشی حمید الدین صاحب کو سواری پر بٹھا دیا جس نے پوچھا کہ کون ہیں فرما دیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس. سنبھل ہیں گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا تا کہ خفیہ پہنچیں جب رام پور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعات میں ایک شور برپا تھا مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں حضرت کی غرض اس اخفاء سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارہ میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں لیکن مراد آباد کے حضرات نے جب یہ سنا کر مولانا رام پور تشریف لیجا رہے ہیں اور خفیہ جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ غضب ہو گیا مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی اور وہاں کے تمام اہل معقول یہ اڑائیں گے کہ چھپ کر نکل گئے' اس لیے اہل مراد آباد نے ایک شخص کو رام پور روانہ کر دیا اور اس نے پہنچتے ہی حضرت کی تشریف آوری اور جائے قیام کی عام شہرت دیدی تمام رام پور میں یہ خبر پھیل گئی مولوی ارشاد حسین صاحب مشہور معقولی جو حضرت شاہ عبد الغنی رحمتہ اللہ علیہ کے

---

[1] یہ دونوں واقعے احقر نے بھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے تھوڑے تفاوت کے ساتھ سنے ہیں اور دوسرے واقعے کی نسبت یہ بھی سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان اوراق کے جدا کرنے کا مشورہ دیا تھا اور وجہ اس کی یہ بیان فرمائی تھی کہ ان میں ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اول تو اس اعتراض کو کوئی نہ سمجھے گا۔ اور اگر سمجھ لیا تو پھر اس کا جواب سمجھ میں نہ آوے گا اور شبہ ہی میں مبتلا رہیگا (اشرف علی)

شاگرد یعنی مولانا کے استاد بھائی تھے گو بعض مسائل میں مختلف تھے ملنے آئے اور ایسے ہی مولوی عبدالعلی صاحب منطقی بھی ملنے آئے اور مولوی ارشاد حسین صاحب نے قیام گاہ کے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے تلامذہ اور دوسرے علماء سے کہا کہ اگر رام پور کی عزت رکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو مت چھیڑنا بہر حال خبر پھیل چکی تھی لوگ جوق در جوق ملنے کے لیے آنے لگے اور جب شہرت ہو ہی گئی تو حضرت مولانا احباب سے ملنے کیلئے شہر تشریف لے گئے ایک موقعہ پر جبکہ حضرت کسی سے ملنے کو تشریف لیجارہے تھے پیچھے مولانا احمد حسن صاحب تھے کہ مولوی عبدالحق صاحب کے چند شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو تحذیر الناس کے بارہ میں چھیڑنا شروع کیا مولوی احمد حسن صاحب حضرت مولانا کے لحاظ وادب کیوجہ سے دب کر اور پست آواز میں کچھ جواب دیتے تھے اس مکالمہ کا احساس حضرت کو ہوا تو ان طلبہ سے فرمایا کہ بھائی یہ ظاہر ہے اگر یہ (مولوی احمد حسن) عاجز ہوئے تو میں ان کی مدد کروں گا اور اگر تم عاجز ہوئے تو تمہارے استاد تمہاری مدد کریں گے پھر یہ کیوں نہ ہو کہ تم اپنے استاد کو لے آؤ اور میری ان سے گفتگو ہو جائے بہر حال راستہ ختم ہوا اہل شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور فرمالی شب کو مجلس وعظ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی شہر کے امراء و رؤساء' علما' عمائد شہر' طلبا' غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ بھر گئے تھے اور لوگوں کا ایک میلہ سالگ گیا حضرت مولانا نے تقریر فرمائی بس اس دن شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہوں گی' ورنہ کل شہر مجلس وعظ میں آگیا تھا اور اس آیت کا وعظ فرمایا اذا وقعت الوقعة لیس لوقعتها کا ذبة اور اس آیت کے تحت میں فلسفہ کے ان تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا رد فرمادیا اور اسی آیت سے جزو لایتجزیٰ کا اثبات' قیامت کا ثبوت حدوث عالم وغیرہ امور مہمہ ثابت فرمائے اور ایک غیر معمولی جلال اور خوشی کی شان سے بیان فرمایا یہ جوش کی شان اس وقت سے پیدا ہوئی تھی جبکہ ان طلبہ نے مولوی احمد حسن صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی مولانا مملوک علی صاحب نے اقلیدس کا ایک ترجمہ کیا تھا جس پر مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی نے رکیک الفاظ میں اعتراض کیے تھے ان سب کا جواب بھی اس تقریر

میں ارشاد فرمایااور نہایت جوش میں فرمایا کہ یہ کیابات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں اگر کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آجائیں مگر ہر گز یہ توقع لے کر نہ آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ بر آہو سکیں گے پھر فرمایا کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے غرضیکہ مسائل مناطقہ وفلاسفہ کا نہایت زبردست رد اس وعظ میں فرمایا شہر کے تمام مشاہیر علماء سوائے مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی کے اس وعظ میں موجود تھے مگر بولنے کی جرات کسی کو نہ ہوئی اس کے بعد نواب کلب علی خاں نے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر عثمان کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت کا میں مشتاق ہوں مجھ سے مل لیں حضرت نے اول تو اعذار شروع کئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے غیر واقف لیکن وزیر نے اپنی نہایت شستہ اور سجل تقریر میں عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ رہیں گے تب آخر میں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں' ان کے پیروں میں تو مہندی نہیں لگی ہے بہر حال نہ جانا تھا' نہ گئے اور امرا کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرز عمل رہاہے نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری ساری عمر اسی تمنا میں رہے کہ کسی طرح مل لوں مگر حضرت نے اتنا موقع ہی نہ دیا اگر حضرت کے علی گڈھ آنے کی خبر سن کر وہ علی گڈھ آئے تو مولانا جھٹ خورجہ تشریف لے گئے جو خورجہ گئے تو حضرت میرٹھ آئے اسی طرح بغیر نواب صاحب کی درخواست مانے ہوئے رام پور سے واپس تشریف لے آئے۔

<u>حکایت (۲۶۵)</u> مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے حافظ انوار الحق صاحب دیوبندی کی روایت سے نقل فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد میں حجرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوارہے تھے کہ شیخ عبدالکریم رئیس لال کرتی میرٹھ حضرت مولانا سے ملنے کے لیے دیوبند آئے مولانا نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے

ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا گویا کہ دیکھا ہی نہیں ہے وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے جب انہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ گذر گیا تو حضرت مولانا نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ آہا شیخ صاحب ہیں مزاج اچھا ہے انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لیے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں میں ڈال دیا حضرت نے اسے قدموں سے الگ کر دیا تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر بمنت قبول فرمالینے کی درخواست کی بالا آخر بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا حضرت جب اٹھے تو نہایت استغنا کے ساتھ جوتے جھاڑے اور سب روپیہ زمین پر گر گیا حضرت نے جوتے پہن لیے اور حافظ انوار الحق صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہل دنیا بھی دنیا کماتے ہیں فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیادار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی [1] ہے اور یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرمادیا۔

حکایت (۲۶۶) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ دیوان محمد یسٰین صاحب مرحوم دیوبندی نے فرمایا کہ قاضی پور میں جب حضرت نانوتویؒ تشریف لے گئے ہیں اور عشرہ محرم تھا اور روافض نے حضرت مولانا کو اپنی مجلس میں آنے کی دعوت دی حضرت نے فرمایا کہ منظور ہے مگر اس شرط سے کہ جب آپ لوگ مجلس میں کہہ سن چکیں گے تو ہم بھی کچھ کہیں گے وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور وہیں کچھ مذہبی گفتگو کرتے ہوئے ان سب روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری میں ہم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیں اور حضور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمادیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جائیں گے فرمایا کہ تم اس پر پختہ رہو تو میں

[1] امراء کے ساتھ معاملہ کی ایک شان یہ ہے۔ ایک دوسری شان بھی ہے جو بعض اوقات بزرگوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ دلجوئی کیلئے ان سے مل لیتے ہیں اور ان پر لطف فرماتے ہیں جو مصلحت جس وقت غالب ہو اس وقت اسی پر عمل کرنا محمود ہوتا ہے کسی پر ملامت نہیں دوسرے واقعہ میں تو دونوں شانیں جمع فرمادیں : : (اشرف علی)

بیداری میں زیارت کرانے کے لئے تیار ہوں[1] مگر یہ روافض کچھ کچے ہو گئے۔

حکایت (۲۶۷) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے چھتہ کی مسجد میں فرمایا جبکہ لوگوں کا کچھ مجمع تھا کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مر جاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی عرض کیا کیا حادثہ پیش آیا فرمایا کہ آج صبح نماز میں سورہ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گذرا کہ میں تحمل نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اس لیے میں بچ گیا نماز کے بعد جب میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے یہ ان کی توجہ کا اثر تھا پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کو توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسرونکے قلوب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت و قوت کا کیا حال ہوگا جس میں خود وہ علوم ہی سمائے ہوئے ہیں اور وہ کس طرح ان علوم کا تحمل کیے ہوئے ہوگا

حکایت (۲۶۸) حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مشاہیر امت میں تین قسم کے افراد گذرے ہیں بعض ایسے ہیں کہ حقائق شرعیہ میں ان کا ذہن طول و عرض میں چلتا ہے جیسے امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کہ ہر مسئلے میں پھیلتے زیادہ ہیں اور ترتیب و تفصیل و تہذیب مواد میں زیادہ مستعد ہیں بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے جیسے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کہ حقائق میں اس قدر بلند پرواز ہیں کہ اصحاب ذوق کو بھی ان کے مدرک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن عمق کی طرف زیادہ دوڑتا ہے جیسے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کہ ہر مسئلہ کی تہہ اور اصلیت کا سراغ لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرمادیتے ہیں کہ سینکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی

---

[1] یا تو اس تصرف پر قدرت معلوم ہوگی یا لو اقسم علی اللہ لابرہ پر اعتماد ہوگا و بحمد اللہ ھھنا انتھت التحو ابقی المقلب بسقایات الصیب المزیلۃ الغواشی المتعلقۃ بروایات الطیب : (اشرف علی)

ہیں (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۲۶۹) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب کچھ تصنیف فرماتے تو ایک جزو لکھ کر نقل کیلئے دیتے تھے اور آپ کے مضمون کے ناقل دو ہوتے تھے ایک بتلاتا اور دوسرا لکھتا وہ جزو نقل ہونے نہ پاتا تھا کہ حضرت دوسرا جزو تصنیف فرمادیتے تھے۔

حکایت (۲۷۰) فرمایا کہ امیر شاہ خاں صاحب کہتے تھے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں بعضوں کے خدام تو اپنے شیخ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضوں کے نہیں ہوتے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خدام آپ کے عاشق تھے

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است ::: بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

حکایت (۲۷۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس آپ کے خادم مولوی فاضل حاضر تھے مولانا نے ان کو مٹھائی تقسیم کرنے کے واسطے فرمایا (کیونکہ مولانا کا کوئی جلسہ مٹھائی سے خالی نہ ہوتا تھا اگر کہیں سے آئی ہوئی موجود نہ ہوئی تو خود منگوا کر تقسیم فرماتے) انہوں نے تقسیم کردی آخر میں اتفاق سے اس میں تھوڑی سی مٹھائی بچ گئی تو آپ نے فرمایا الفاضل للقاسم (یعنی بچی ہوئی مٹھائی قاسم کی ہے یا بچی ہوئی تقسیم کنندہ کی) انہوں نے جواب دیا' الفاضل للفاضل والقاسم محروم (یعنی فاضل مٹھائی تو مسمیٰ فاضل کی ہے اور قاسم محروم ہیں یا یہ کہ بچی ہوئی صاحب فضیلت یعنی آپ کی ہے اور تقسیم کنندہ محروم ہے) اہل علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں

حکایت (۲۷۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح میں سنایا کرتے تھے اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے کسی کو پتہ بھی نہ چلا یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف میں آدھا قرآن شریف حفظ کرایا تھا تبسم سے فرمایا کہ چونکہ وہ مولانا سے آدھے تھے اس لیے کرامت بھی آدھی ہوگئی۔

حکایت (۲۶۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ تین کتابیں ایسی ہیں ایک کلام اللہ ایک بخاری شریف ایک مثنوی شریف کہ ان کا کسی سے احاطہ نہیں ہو سکا بخاری شریف کے تراجم کی دلالت کہیں خفی کہیں جلی سچ یہ ہے کہ اس کا کسی سے احاطہ نہیں ہوا ایسے ہی قرآن شریف کا اور مثنوی شریف کا بھی۔

حکایت (۲۶۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ نبو پہلوان نے جو دیوبند کا رہنے والا تھا باہر کے کسی پہلوان کو پچھاڑ دیا تو مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو بڑی خوشی ہوئی اور فرمایا کہ ہم بھی ننو کو اور اس کے کرتب دیکھیں گے حافظ انوار الحق کی بیٹھک میں اسے بلایا اور سب کرتب بھی دیکھے مولانا بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے اور جلال الدین صاحبزادہ مولانا محمود یعقوب صاحبؒ سے جو اس وقت بالکل بچے تھے بڑی ہنسی کیا کرتے تھے کبھی ٹوپی اتارتے، کبھی کمر بند کھول دیتے تھے۔

حکایت (۲۶۵) فرمایا سیوہارہ میں ایک جماعت میں جن میں مسئلہ مولد میں نزاع ہو رہا تھا' مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے کہ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے مولود کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی نہ تو اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں یہ حکایت مولوی محمد یحییٰ سیوہارویؒ سے سنی ہے۔

حکایت (۲۶۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ ریاست رام پور تشریف لے گئے نواب کلب علی خاں مرحوم نے مولانا کو اپنے پاس بلانا چاہا تو مولانا نے یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں' آداب شاہی سے واقف نہیں اس پر نواب صاحب کا جواب آیا کہ آپ کو آداب سب معاف ہیں آپ ضرور کرم فرمائیں' ہم لوگوں کو سخت اشتیاق ہے اس پر مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے' اشتیاق تو آپ کو ہو اور ملنے میں آؤں غرض کہ تشریف نہیں لے گئے۔
(منقول از اشرف التنبیہ)

حکایت (۲۶۷) احقر جامع نے ثقہ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتویؒ کے یہاں ایک

بدعتی درویش مگر صاحب حال مہمان ہوئے تو آپ نے اس کا بڑا اکرام کیا اس کی خبر ایک شخص نے مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے کی تو مولانا سے فرمایا کہ برا کیا اس شخص نے یہ مقولہ مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ سے جا کر کہا تو مولانا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو کفار مہمانوں کا اکرام کیا ہے اس شخص نے اس جواب کو پھر مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے آکر نقل کیا تو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے اس نے پھر اس جواب کو مولانا نانوتوی سے جا کر کہا تو مولانا نانوتوی نے اس کو ڈانٹ دیا کہ یہ کیا واہیات ہے' ادھر کی ادھر لگاتے پھرتے ہو جاؤ بیٹھو اپنا کام کرو۔

<u>حکایت (۲۷۸)</u> مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے ہیں تب قبر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ نگین سامنے رکھے اور یہ کہا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں اس میں ایک نگین بہت خوش نما اور کلاں ہے اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے ایسے ہی مولانا نے ایک خواب ایام طالب علمی میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں اس خواب کی مولانا مملوک علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی تھی کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہو گا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

<u>حکایت (۲۷۹)</u> ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے شکایت کی کہ بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ امیدیں تھیں' کچھ کماتا تو افلاس دور ہو جاتا تم نے اسے خدا جانے کیا کر دیا نہ کچھ کماتا ہے نہ نوکری کرتا ہے حضرت حاجی صاحبؒ اس وقت تو ہنس کر چپ ہو رہے پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ بڑے بڑے اس کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہو گی کہ اس کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا دے گا کہ ان سو سو پچاس پچاس روپیہ کے

نوکروں سے اچھا رہے گا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۰) ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایام روپوشی میں دیوبند تھے زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو میں جاتا ہوں عورتوں سے رک نہ سکے باہر چلے گئے بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی وہ اتنے میں مکان پہنچے تو دوڑ سرکاری آدمیوں کی پہنچ گئی (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۱) مولانا محمد یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ میں تھا جارہا تھا مولوی صاحب (یعنی مولانا محمد قاسم صاحبؒ) بھی میرے پاس آرہے تھے کوٹھے پر ایک چھلنگا پڑا ہوا تھا اس پر پڑے رہتے تھے روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت تلک اسے ہی کھالیتے تھے میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں، سالن دیدیا کرو مگر بدقت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۲) مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا (اس کے بعد مولانا محمد یعقوبؒ تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے کیا ان میں سے ظاہر ہوئے آخر سب کو خاک ہی میں ملا دیا اپنا کہنا کر دکھایا۔ (انتہی بقول مولانا محمد یعقوبؒ)

حکایت (۲۸۳) مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اس کو اٹھا کر کنویں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا آپ نے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا

کہ کلمہ طیبہ جس قدر جس سے ہو سکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا بعد میں حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لیے اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۴) ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسمؒ کو گلاب سے زیادہ محبت تھی جانتے بھی ہو کیوں تھی ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ ﷺ کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے فرمایا کہ ہاں اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۸۵) مولوی محمد نظر خاں نے ایک پرچہ مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کو بغرض بیعت لکھ کر دیا مولانا نے اس کو پڑھ کر جیب میں رکھ لیا اتفاق سے مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نانوتہ تشریف لائے مولوی محمد نظر خاں خبر پا کر نانوتہ آئے اور وہی مضمون لکھ کر مولانا گنگوہی کو پیش کیا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس مضمون کو میں نے مولانا نانوتویؒ کو بھی لکھا مگر کچھ جواب نہ دیا جس وقت یہ تحریر دی ہے تو مولانا اس وقت ظہر کا وضو کر رہے تھے پاس ہی مولانا نانوتوی بھی وضو بنانے آبیٹھے اتفاق سے مولوی محمد نظر خاں سامنے ہی کھڑے تھے مولانا گنگوہیؒ نے مولانا نانوتوی کی طرف تبسم فرما کر مولوی محمد نظر خاں سے فرمایا کہ (ایسے گونگے پیر کو خط کیوں دیا تھا جنھوں نے جواب بھی نہ دیا) مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ بھی ہنسے اور فرمایا کہ (لو اب بولتے پیر کے پاس آ گیا اب جواب مل جائے گا) از تحریرات بعض ثقات (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی جلیل احمد صاحب علی گڈھی در اشرف التنبیہ

حکایت (۲۸۷) مولوی صدیق صاحبؒ انبہٹوی کے صاحبزادے مولوی فاروق صاحب زادہ مجد ھم حضرت سے بیان فرما رہے تھے کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی (جو مولوی فاروق صاحب کے استاد تھے) مجھ سے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھالیا کرتے تھے۔

حکایت (۲۸۸) مولوی فاروق صاحب موصوف الصدر فرماتے تھے کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے سنا کہ مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی میرے اساتذہ تک کی شان مین کچھ کلمات فرماتے ہیں تو خود رام پور مولوی عبدالحق صاحب سے گفتگو کرنے تشریف لے گئے تو مولوی عبدالحق صاحب نے گفتگو کا موقعہ نہیں دیا مگر ان کے بعض طالب علم مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ گفتگو کرنا چاہی تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی تم میری بات کو سمجھو گے نہیں اور مولوی عبدالحق صاحب (میری بات) سمجھ تو لیں گے جب مولوی عبدالحق صاحب نے سنا تو ان طلباء کو ڈانٹا کہ تم کیا جانو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کیا چیز ہیں میں جانتا ہوں۔

حکایت (۲۸۹) پھر مولانا احمد حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحبؒ کی ایک جولاہے نے دعوت کی اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ خود اس جولاہے کے یہاں تشریف لے گئے اس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لیے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا، تمہارے یہاں کچھ پکا بھی ہے اس نے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے فرمایا کہ بس وہ ہی کھالیں گے چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ خوشی مولانا تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ

بس جی تمہاری دعوت ہو گئی۔

حکایت (۲۹۰) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب میں اول اول مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (مولانا احمد حسن صاحب نہایت خوش لباس خوش پوشاک تھے عالی خاندان تھے سید تھے) تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں ایک جولاہا آیا اور دعوت کے لیے عرض کیا مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا یہ امر مجھ کو بہت ناگوار ہوا اتنا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی کہ بھلا جولاہے کی دعوت بھی منظور کر لی مولانا قاسم صاحبؒ نے یہ بات محسوس کر لی پھر جو کوئی دعوت کیلئے آتا تو پہلے یہ شرط کرتے کہ اسکی (یعنی مولانا احمد حسن صاحب کی) بھی دعوت کرو تو منظور ہے یہاں تک کہ جب بالکل میرے قلب کے اندر سے ناگواری نکل گئی تو مولانا نے میری دعوت کی شرط کو ترک کر دیا۔

حکایت (۲۹۱) نیز مولانا امروہی نے فرمایا چونکہ میں بہت خوش لباس تھا تو مولانا کے یہاں ایک بار ایک شخص گاڑھے کا تھان لایا جو نہایت عمدہ تھا مولانا نے قبول فرمالیا اور درزی کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ اس میں سے ایک انگرکھا ہمارے لیے سی دو اور ایک (میری طرف اشارہ کر کے) ان کیلئے سی دواب کے بعد جب وہ تیار ہو کر آیا تو میں نے اس کو صندوق میں رکھ لیا اب مولانا روز دریافت فرماتے کہ بھائی تم نے اس کو پہنا نہیں آخر کار جب میں سمجھ گیا کہ مولانا نہیں مانیں گے تو مجبوراً میں نے اس کو پہنا۔

حکایت (۲۹۲) مولانا احمد حسن صاحب امروہی فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہ جہان پور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب بغیر کسی کے اطلاع کیے ہوئے تنہا بہ نفس نفیس شاہ جہان پور تشریف لے گئے جب مولانا محمود الحسن صاحب نے سنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لے گئے اس کے بعد میں گیا تو شاہ جہان پور میں میری مولانا محمود الحسن صاحب سے ملاقات ہوئی میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا مل گئے مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ نہیں مجھ کو تو ابھی نہیں ملے

تو میں نے کہا کہ اچھا چلو سرائے میں چل کر تلاش کریں چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آنے والے کا نام لکھا کرتا ہے اس سے جا کر میں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی شخص خورشید[1] حسن بھی آئے اس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں چنانچہ ہم نے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا تشریف رکھتے تھے جب صبح ہوئی تو مولانا میدان مناظرہ میں تشریف لے چلے راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا اور مولانا پیدل تھے تو مولانا پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا خیر مولانا نے پار اتر کر لنگی باندھی اور پاجامہ اتار کر نچوڑ کر پیچھے لاٹھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں ڈال لیا اور تشریف لے چلے خیر جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولانا کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھا کر بڑے اعزاز کے ساتھ مولانا کو واپس لائے اور جو پادری کہ وہاں پر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لانا ہو تو میں مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر پر ایمان لاتا جب مولانا وہاں سے واپس تشریف لائے تو اس وقت چونکہ شہر کے لوگوں کو اطلاع ہو چکی تھی اس لیے بہت لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ دفتروں میں نوکر ہیں اس مجبوری سے ہم جناب کی تقریر کے سننے سے محروم رہے اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اس سے مشرف فرمایا جاوے تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے مجھ سے (یعنی مولانا احمد حسن امروہی سے) فرمایا کہ مولوی احمد حسن تم سناؤ اب میں بہت حیران تھا اس لیے کہ میں نے ٹھیک طور پر مولانا کی تقریر سنی بھی نہ تھی مگر مولانا کا حکم اس لیے میں نے بیان کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے کہا کہ صاحبو! مولانا کی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال کوزہ کی سی جو بات سلجھی ہوئی کہوں اس کو مولانا کا مضمون سمجھا جائے اور جو الجھی ہوئی ہو اس کو میری طرف سمجھا جائے اس کے بعد میں نے تقریر بیان کی مگر پھر مجھ کو تقریر کے دوران میں کچھ خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں مگر تقریر کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ من وعن وہی تقریر تھی جو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمائی تھی۔

---

[1] یہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اور غیر مشہور اسم مبارک تھا۔ ۱۲ منہ

حکایت (۲۹۳) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو نوابزادے ریاست حیدر آباد کے آئے ہوئے تھے تو مولانا قاسم صاحبؒ کبھی کبھی ان سے اپنے پیر دبوایا کرتے تھے ایک بار فرمایا کہ مجھ کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ ان سے پیر دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے

(منقول از روایات الطیب)

قطب ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی حکایات

حکایت (۲۹۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ عطاء اللہ صاحب مرحوم کرانوی بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں حاضر تھا اور جناب مولوی اشرف علی صاحب بھی اس زمانہ میں گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے مولانا کا ایک مقام پر وعظ ہو رہا تھا مگر مجھے اس کا علم نہ ہوا تھا اس لیے میں اس میں شریک نہ ہوا تھا اور حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھا رہا اور آپ (یعنی خان صاحب) بھی حضرت کی خدمت میں موجود تھے اس پر حضرت قدس سرہ نے حاضرین سے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو ایک عالم ربانی[1] وعظ کہہ رہا ہے اس کے وعظ میں جاؤ میرے پاس کیا رکھا ہے

حکایت (۲۹۵) خان صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر تھا اور جناب مولانا اشرف علی صاحب بھی گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے صبح کی نماز کے بعد مولوی اشرف علی صاحب حضرت گنگوہی قدس سرہ سے کچھ پوچھتے ہوئے حضرت کے ساتھ حجرہ تک تشریف لے گئے اور سہ دری پر پہنچ کر دونوں حضرات کھڑے ہو گئے اور کچھ دیر تک کھڑے کھڑے گفتگو ہوتی رہی مولوی اشرف علی صاحب اس روز رخصت ہونے والے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا سے اور حضرت گنگوہی قدس سرہ سے مولود وغیرہ کے

[1] ادائے حق محبت عنایتے است ز دوست ؛ وگرنہ عاشق مسکین بہیچ خورسند است۔

باب میں مکاتبت ہوئی تھی [1] اور مجھے حضرت مولانا سے ان کے مسلک سابق کی وجہ سے عقیدت نہ تھی جبکہ میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کا حضرت مولانا کے ساتھ اس خصوصیت کا برتاؤ دیکھا تو میں نے حضرت قدس سرہ سے دریافت کیا کہ کیا مولوی اشرف علی صاحب اچھے ہو گئے تو آپ نے تیز لہجہ میں فرمایا کہ بالکل اچھے ہو گئے۔

<u>حکایت (۲۹۶)</u> خان صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی قدس سرہ دیوبند سے واپسی میں سہارنپور سے رام پور تشریف لیجارہے تھے (اور غالباً یہ وہ واقعہ تھا جس کے بعد حضرت پھر دیوبند نہیں تشریف لیجا سکے) اگلی گاڑی میں حضرت مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب تھے اور پچھلی گاڑی میں میں اور مولوی مسعود احمد صاحب حضرت نے گاڑی کے پیچھے کا پردہ اٹھا کر مجھ سے باتیں کرنی چاہیں مگر چونکہ گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے بات چیت مشکل تھی اس لیے میں اپنی گاڑی سے اتر کر اور حضرت کی گاڑی کا ڈنڈا پکڑ کر ساتھ ساتھ ہو لیا حضرت نے فرمایا میاں امیر شاہ خاں ابتدا سے اور اس وقت تک جس قدر ضرر دین کو صوفیہ سے [2] پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہنچا ان سے روایت کے ذریعہ بھی دین کو ضرر ہوا اور عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی اس کے بعد اس کی قدرے تفصیل فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لا الہ الا اللہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہؓ نے عرض [3] کیا کہ ہم

---

[1] یہ مکاتبت وغیرہ مذکرۃ الرشید میں شائع ہوئی ہے اور میں نے اب اس کا نام ضیاء الافہام ...... رکھدیا ہے تاکہ اگر کوئی استقلالاً شائع کرے تو اس عنوان سے پتہ دینے میں سہولت ہو ملخص اس مکاتبت کا یہ ہے کہ احقر خاص اعمال کی ذات پر نظر کر کے بقید خلو عن المنکرات مباح کہتا تھا اور حضرت ان کے مفاسد کی بناء پر جو عادۃً کالازم ہو گئے ہیں) باجود خلو عن المنکرات کے بوجہ افضاالی المفاسد کے منع فرماتے تھے اور اصول فقہیہ سے اسی کی ترجیح ثابت ہے اسلیے احقر نے اپنے دعوی سے رجوع کر لیا رسالہ یادیاراں میں اس کی تقریر قدرے مفصل ہے۔ (اشرف علی) [2] مراد وہ لوگ ہیں جو صرف صوفی ہیں اور علوم دینیہ سے تحقیقاً یا تقلیداً اور اتباع محققین سے عاری ہیں ورنہ صوفیہ جامعین سے تو بےحد نفع دین کو پہنچا ہے۔ چنانچہ قریب ہی آئندہ سطور میں ان کی شان اصلاح اسی حکایت میں مذکور ہے۔ [3] روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس قال اناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا السماء وان یجامعوا النساء هم فیفضوا الی السماء فنزل ذلك ورای قوله تعالی الا انهم یثنون صدورهم الایه) فیهم

پاخانہ پیشاب وغیرہ کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے کیونکر ہوں یہ انتہا ہے اور ان کو مجاہدات وریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور یہ قوت بفیضِ نبوی صحابہ میں تھی مگر جناب رسول اللہ ﷺ سے کم اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہوگئی اور اس کمی کی تلافی کے لیے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کئے ایک زمانہ تک تو محض وسائل غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے مگر جوں جوں خیر القرون کو بعد ہوتا گیا ان میں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بے حد بدعات علمی و عملی واعتقادی داخل ہوگئیں محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہوگئی، لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا حضرت نے مصلحین میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شہاب الدین سہ وردیؒ اور مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد صاحب قدست اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر طریق سنت منکشف فرمایا تھا اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہی طریق منکشف فرمایا ہے پھر فرمایا کہ طریق سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اس میں رہزنی کا موقعہ بہت کم ملتا ہے چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ ﷺ نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز باجماعت وغیرہ اگر کوئی سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرے اور فرائض دواجبات وسنن موکدہ کا پورا اہتمام کرے، تو نہ خود اس کو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہوگیا اور نہ دوسرے اسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں لیکن اگر کوئی ان امور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ ﷺ نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ اوابین وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بزرگ ہوگیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہوگیا اسی تقریر کے دوران میں حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیہ نے بجائے[1] اس کے

[1] یہی صوفیہ غیر محققین مراد ہیں

استغراق کو مقصود بنالیا۔

حکایت (۲۹۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ' احمد رضا خاں مدت سے میرا رد کر رہا ہے' ذرا اسکی تصنیف مجھے بھی تو سنادو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا حضرت نے فرمایا کیوں میں نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں حضرت نے فرمایا کہ اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں' شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں[1] میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔

حکایت (۲۹۸) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے آخری حج ۱۲۹۶ء میں کیا ہے اور حج کو تشریف لیجاتے ہوئے مولانا نے دہلی میں احمد پائی کی سرائے میں قیام فرمایا تھا اور اوپر بالا خانہ میں مقیم تھے آپ کے پاس بہت سے لوگ مجتمع تھے' جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی بھی تھے اس بالا خانہ میں غربی جانب کوئی کوٹھڑی تھی جس میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا تھا مولوی اسمٰعیل صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ میں اب رخصت ہوتا ہوں مگر مجھے تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے مولانا ان کو ساتھ لے کر اس کوٹھڑی میں تشریف لے آئے جس میں موجود تھا' اور فرمایا کہ فرمایئے مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ مجھے تنہائی میں عرض کرنا ہے اور یہاں یہ شخص (امیر شاہ) موجود ہے مولانا نے فرمایا کہ آپ انکا خیال نہ کیجئے اور فرمایئے تو انہوں نے فرمایا کہ میں بیعت تو ہوں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی ہے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میرے لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے لیکن مجھے ابتداء سے اتباع

---

[1] اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب و اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں ۔۔ ہو کقول علیؑ لا امحوك (اشرف علی)

سنت کا شوق تھا اور جو اوراد حدیث میں وارد ہوئے جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ اور بازار میں جاتے وقت یہ الیٰ غیر ذلک میں ان کا بہت اہتمام کرتا اس لیے مجھے اعمال مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی، کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کرلیا کرتا تھا یہ میری حالت ہے اور اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرمادیں مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں ان میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ حاصل ہے حضرت نے فرمایا پس آپ کو کسی تعلیم کی ضرورت [1] نہیں کیونکہ مرتبہ احسان حاصل ہو جانے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے کوئی گلستان وبوستان وغیرہ پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کرے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضیع اوقات ہے اس لیے آپ کے لیے اشغال مشائخ میں اشتغال تضیع اوقات اور معصیت ہے۔

حکایت (۲۹۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے جو ۱۲۹۹ھ میں حج کیا ہے اس میں آپ کے ہمراہ یہ اشخاص تھے امیر شاہ (یعنی خان صاحب) حافظ عطاء اللہ مرحوم، حاجی محمد یعقوب دہلوی، گھڑی ساز محمد عاشق، مولوی مسعود صاحب کے پہلے سسر (جن کا نام مجھے یاد نہیں) منشی تجمل حسین صاحب انبھٹوی، (حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے) ہم سب لوگ ذیقعدہ کی کسی تاریخ کو بمبئی پہنچ گئے تھے لیکن جس جہاز کے ارادہ سے چلے تھے وہ جہاز ہم سے ایک روز پہلے چلا گیا تھا دوسرا جہاز ریڈ سی کھڑا تھا مگر اس کے روانہ ہونے میں دیر تھی اس لیے ہم کو بمبئی میں گیارہ روز اور ٹھہرنا پڑا اور ہم ۲۰ تاریخ کو جہاز ریڈ سی میں سوار ہوئے۔ ہمارے سوار ہونے کے بعد بھی وہ جہاز کھڑا ہی رہا نہ بیس کو چلا نہ اکیس کو نہ بائیس کو اب لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ اب حج نہیں مل سکتا کیونکہ دن تھوڑے باقی ہیں اور اتنا لمبا راستہ قطع کرنا ہے اور اس کے ساتھ گیارہ شب کا قرنطینہ

---

[1] یہ تحقیق اہل طریق کو حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ خصوص ان کو جو ذرائع کو مقاصد سمجھ بیٹھے ہیں اور خود صوفیہ کی تصریح ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق تو اس شخص پر حیرت ہے جو ان اعمال کو اس عموم سے خارج سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنے والے وہی ہیں جن کو طریقت کی حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی (اشرف علی)

بھی کرنا ہے اور یہ خیال کر کے لوگوں نے جہاز سے اترنا شروع کر دیا جب مولانا کو معلوم ہوا کہ لوگ اترنے لگے ہیں تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ لوگوں سے کہدو کہ عزم حج فسخ نہ کریں ہمیں ضرور حج ملے گا کیونکہ میں اپنے کو عرفات میں اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں دیکھ چکا ہوں ہم نے اطلاع کر دی اس پر کچھ لوگ تورہ گئے اور کچھ پھر بھی اتر گئے حافظ بھی اس جہاز میں تھے اور انہوں نے بھی جہاز سے اترنے کا ارادہ کیا تھا مولانا کو چونکہ ان سے حسن ظن تھا اس لیے مولانا نے حافظ عطاالله سے اور مجھ سے فرمایا کہ حافظ کو سمجھاؤ کہ وہ ارادہ فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملے گا ہم نے انہیں سمجھایا اس پر وہ خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے اپنی عادت کے خلاف خود ان کو سمجھایا اور انہوں نے اقرار کر لیا کہ اب میں نہ اتروں گا باوجود اس کے بھی وہ اتر گئے مولانا کو جب ان کا اترنا معلوم ہوا تو آپ کو بہت ملال ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ناحق اتر گئے' بس جی اُن کی قسمت ہی میں حج نہیں اس کے بعد حافظ ہر سال حج کا ارادہ کرتے تھے مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آجاتا تھا اور تا انتقال ان کو حج میسر نہیں ہوا ایک دفعہ تو یہاں تک ہوا کہ تیاری بھی پوری ہو گئی' یکہ بھی گھر پر آگیا اور وہ سوار ہونے ہی کو تھے کہ یکایک ان کو خیال ہوا کہ ذرا دیر لیٹ جائیں لیٹ کر سوار ہوں گے اور وہ لیٹ گئے لیٹنے میں ان کی کمر میں اتنا زور سے چنکا آیا کہ اب وہ سفر کے قابل نہ رہے اب انہوں نے چنکا نکل جانے تک سفر کو ملتوی کر دیا اور اس کے بعد ارادہ ہی فسخ کر دیا جب مجھے معلوم ہوا کہ حافظ ہر سال ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا تو میں نے ایک جلسہ میں مولانا سے عرض کیا کہ حضرت حافظ ہر سال حج کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا ایک مرتبہ حضور نے فرمایا تھا کہ ان کی قسمت ہی میں حج نہیں ہے' آپ ان کے لیے دعا فرما دیجئے کہ ان کے حج مل جائے جس جلسہ میں میں نے عرض کیا تھا اس میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب' حافظ احمد صاحب' مولوی خلیل احمد صاحب' مولانا محمود الحسن صاحب' حافظ عطاء الله' نواب یوسف علی خاں وغیرہ موجود تھے مگر مولانا نے دعا نہیں فرمائی [1] اور فرمایا کہ یہ تمہارا خیال ہے مگر میں اس قابل نہیں ہوں

[1] یہ دعا مستحب تھی۔ اس کے ترک کے لئے عدم استجابت کا مکشوف ہو جانا کافی ہے۔ خصوص جب یہ بھی مکشوف ہو جاوے کہ جس کے لئے دعا کی درخواست ہے وہ اس عمل کا ارادہ ہی نہ کرے گا۔

میں نے پھر عرض کیا مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں یہ قصہ تو ختم ہوا۔

اب جہاز کی سنیے اللہ اللہ کر کے ہمارا جہاز ۲۳ کی عصر کو روانہ ہوا جب عدن سے آگے پہنچا تو اس میں جس قدر ولائتی تھے سب تبر لے کر جہاز والوں پر چڑھ گئے اور کہا کہ اگر تم نے جہاز کا رخ کامران کی طرف پھیرا تو ہم تم کو مار ڈالیں گے 'سیدھا جدہ لے چلو جہاز والے ڈر گئے اور مجبوراً ان کو جہاز جدہ لے جانا پڑا جب جہاز جدہ پہنچا تو وہاں معلوم ہوا کہ مسافروں کو اترنے کی اجازت نہ ہوگی اور جہاز کو قرنطینہ کے لیے کامران واپس کیا جاوے گا اس خبر سے حاجیوں کو سخت پریشانی ہوئی کہ اللہ اللہ کر کے تو ہم نے قرنطینہ کی قید سے نجات پائی تھی اب پھر وہیں جانا ہوگا تھوڑی دیر میں ایک عرب صاحب تشریف لائے اور انہوں نے کہا گودی کے افسر رشوت خوار ہیں اور وہ لینے کے لئے یہ حجت کر رہے ہیں تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انہیں دلا کر راضی کر لوں گا جب یہ خبر مولانا تک پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کوئی اسے کچھ نہ دے ہم کو کامران واپس نہیں ہونا پڑے گا اور ہم یہیں اتریں گے 'لیکن آج نہیں اتریں گے تو کل اتریں گے چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہو گیا کہ حاجیوں کو اتر جانا چاہیے ان کا کوئی قصور نہیں 'قصور جہاز والوں کا ہے اس لیے اس کی سزا میں جہاز کو دونا قرنطینہ کرنا ہوگا اس پر حاجی اتر گئے اور ہم ۸ تاریخ کو مکہ پہنچ گئے حاجی صاحب ہم کو شہر کے باہر کھڑے ہوئے ملے سنا ہے کہ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اگر مولوی رشید احمد صاحب اس جہاز میں نہ ہوتے تو کسی کو حج نہ ملتا مگر یہ یاد نہیں کہ کس سے سنا ہے

<u>حکایت (۳۰۰)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ حکیم عبدالواحد جلیسر کے رہنے والے ایک شخص تھے جو ہاتھرس میں مطب کرتے تھے نہایت صالح اور متبع سنت تھے کسی نقش بندی بزرگ سے بیعت تھے مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے بہت محبت تھی میں نے ایک مرتبہ ان کو کچھ دبلا پایا تو ان سے حالت دریافت کی انہوں نے فرمایا کہ میں چند روز سے سخت تکلیف میں ہوں میرے اوپر بجلی گرتی ہے کبھی رات کو کبھی دن کو اور میں مر جاتا ہوں اور سخت تکلیف سے مرتا ہوں اور اس کے بعد زندہ ہوتا ہوں تو تکلیف سے ہوتا ہوں یہ بجلی اگر سوتے میں گرتی ہے تو بالکل خاکستر ہو جاتا ہوں

ان کے پیر کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے مجھ سے مشورہ لیا میں نے کہا کہ مولانا گنگوہی کو لکھو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم لکھ دو میں نے کہا کہ آپ لکھ کر مجھے دیدیں میں اپنے عریضہ کے ہمراہ اسے روانہ کر دوں گا انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی میں نے اسے مولانا کی خدمت میں روانہ کر دیا مولانا نے جواب دیا کہ یہ باتیں تحریر میں آنے کی نہیں ہیں 'ان کو میرے پاس بھیجدو اس پر وہ گئے اور جاتے ہی بلا کچھ کہے سنے اچھے ہو گئے۔[1]

حکایت (۳۰۱) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور میں آپ کے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی اور اس پر لوگوں میں شورش ہو رہی تھی حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحاناً سو مسئلے پوچھے اور سو کے سو کا میں نے جواب دیدیا ہے اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے اس کے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے[2] عالم میرے خلاف ہونگے تو ان شاء اللہ حق میری جانب ہوگا۔

حکایت (۳۰۲) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں بوجہ حدیث پڑھنے کے عرصہ تک شاہ عبدالغنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری رہی اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی سے ہوتا تھا مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے کہ نہیں بیعت تو حضرت امدادؒ ہی سے کریں گے[3]

---

[1] اگر یہ تصرف تھا تو اس کے اخفا کے لئے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرمانا یہ بھی ایک مذاق ہے جیسا کہ اس سے قبل کی حکایت میں اخفا ایک مذاق ہے۔ منشا اخفا کا بعد ہے ریا سے اور منشاء علم اخفاء کا بعد ہے وسوسہ ریا سے یعنی یہ احتمال ہی نہیں ہوا کہ اس میں ریا ہوگی[2] ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است : : اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کے نزدیک کثیر کے مقابلہ میں واحد حق پر ہو سکتا ہے مولانا سے عقیدت رکھ کر کوئی اس کے خلاف کا قائل ہو وہ اس سے محجوب ہے : : (اشرف علی) (منقول از امیر الروایات)[3] مدار اس کشش کا مناسبت ہے۔ اس کو تفاضل میں کچھ دخل نہیں حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف اور اسی باب میں کہا گیا ہے ہم شہر پر ز خوباں منم وجمال ما ہے : : چہ کنم کہ چشم بد خو نہ کند بکس نگاہ ہے اور ایسی ترجیحات کو تفاضل پر مبنی کرنا یا اس سے تفاضل پر استدلال کرنا رجم بالغیب ہے : : (اشرف علی)

حکایت (۳۰۳) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب میں ابتداً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔[1]

حکایت (۳۰۴) حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب و عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ حضرت نانوتویؒ کچھ شرما سے گئے مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔[2]

حکایت (۳۰۵) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مجھے محمود (حضرت کے صاحبزادے) مرحوم کا صدمہ ضرور ہے مگر مولانا کی وفات کے بعد صدمہ کا کوئی صدمہ مقابلہ نہیں کر سکتا اور اس واقعہ کو حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے یوں بیان فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے ایک مجمع میں فرمایا کہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو میں مولانا کے صدمہ کا تحمل نہ کر سکتا اور مر جاتا اس پر مولوی محمد حسن صاحب مراد آبادی نے جرات کر کے عرض کیا' حضرت وہ بات کیا فرمایا "میاں وہی" انہوں نے پھر ذرا جرات کر کے عرض کیا کہ حضرت وہی اور وہ بات کا

---

[1] افسوس ایسی جماعت کو معاندین بے ادب کہتے ہیں بلکہ اگر اس پر افراط فی الادب ہونے کا شبہ کیا جاتا تو گنجائش تھی جس کا جواب ہم غلبہ حال سے دیتے اور ایسا غلبہ اخیر میں اعتدال سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ [2] اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے اور مولانا گنگوہی کا یہ کمال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

آخر مطلب کیا ہے فرمایا کہ میاں وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو۔[1]

حکایت (۳۰۶) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا فرمایا کہ کہدوں عرض کیا گیا کہ فرمایئے پھر فرمایا کہدوں عرض کیا گیا کہ فرمایئے پھر فرمایا کہدوں عرض کیا گیا فرمایئے تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا پھر اور جوش آیا فرمایا کہدوں عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمایئے فرمایا (کہ اتنے) سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی یہ کہہ کر اور جوش ہوا فرمایا کہ اور کہدوں عرض کیا گیا کہ فرمایئے مگر خاموش ہو گئے لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔[2]

---

[1] اور میں نے بجائے اس عبارت کے کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو کسی راوی سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو۔ مراد نسبت باطنیہ سے ہے کہ اس سے ایسی مقادمت کی قوت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حزن طبعی منافی کمال باطنی کے نہیں مگر ناقص کی طبیعت غالب ہو جاتی ہے اور کامل کی عقل اور دین : :[2] اس حکایت کے آغاز میں بار بار استفسار فرمانا کہ کہدوں امتحان اشتیاق واہلیت مخاطب کے لیے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے

بر سماع راست ہر تن چیز نیست :: طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اسلیے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایک بار سوال کرنا اسلیے کہ طلب کے بعد حصول اوقع فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تخیل کی قوت ہے اور کبھی بطور خرق عادت کے روح کا تمثل بشکل جسد ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم ودوام کے ساتھ حاضر وناظر ہونے کے اعتقاد کی یا استعانت واستغاثہ کے عمل کے گنجائش نہیں اور اس کے بعد کے مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس رہنے دو اور اس کے بعد اصرار پر جواب میں مرتبہ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اسی مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اس وقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہل ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی۔ بعد اصرار کے فرمانے میں حالانکہ اسکی تعلیم ہے کہ یہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبے غیر مقصود اور حال ہیں و شتان ما بینہما اور اگر یہ اسکی تفسیر نہیں تو اس کا اخفاء فرمایا شاید افہام عامہ اس کے محتمل نہ ہوتے شاید تجلیات ربانیہ میں سے کوئی تجلی ہو اور اس کی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسے صوفیہ کے ایسے اسرار میں اہل ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں[2] وہی مقام نکل آنا گو اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے مگر قرائن سے یہ بات کشف سے معلوم ہوتی ہے ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقع پر دیکھو۔ اور غلط سے مراد بے اصل ہے خطائے اجتہاد کی نفی مراد نہیں : : (اشرف علی)

حکایت (۳۰۷)

خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے لاؤ شامی اٹھا لاؤ شامی لائی گئی حضرت اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے انداز سے کتاب ایک دم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا[1] سب کو حیرت ہوئی حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔

حکایت (۳۰۸) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب لطف علی خاں رئیس چھتاری بیمار ہوئے اور مجھے مع ایک ہمراہی کے دعا کرانے کے لئے پہلے دیوبند بھیجا کہ حاجی عابد حسینؒ سے دعائے صحت کراؤ اور پھر گنگوہ پہنچ کر حضرت سے دعائے صحت کراؤ میں دیوبند سے دعا کرا کر گنگوہ پہنچا حضرت مجمع میں تشریف رکھتے تھے میں نے دعا کے لیے عرض کیا اس پر حضرت نے ایک حکایت سنائی شروع فرمائی کہ کسی رئیس کو باجا سننے کا شوق تھا ہر قسم کے باجا بجانے والے آتے تھے ایک دن جبکہ کئی قسم کے مختلف باجے بجائے جا رہے تھے' ایک صاحب اپنی لاٹھی منہ میں لے کر ہو ہو کرنے لگے رئیس نے تمام باجے رکوا کر کہا کہ اب بجاؤ تو انہوں نے کہا حضور میرا باجا تو رلگڈے ہی میں بجا کرتا ہے یہ حکایت سنا کر فرمایا کہ لوگ آتے ہیں کہیں کہیں[2] رلگڈے میں یہاں بھی آنکلتے ہیں میرے پاس کیا رکھا ہے پھر دوسرے وقت خلوت میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ مجھے تو ان کی صحت کی طرف سے مایوسی ہے کیا کروں میرے دل میں تو ان کی صحت آتی نہیں میں (خان صاحب) واپس ہو گیا یہاں تک کہ شعبان آگیا اور مدارس کی تعطیل ہو گئی نواب

---

[1] یہ دوسری جگہ جانے پر نکیر نہیں بلکہ دعویٰ اخلاص پر نکیر ہے : : [2] دعا سے انکار نہیں بلکہ الحاء فی الدعا سے ایک مانع طبعی کا بیان ہے : : (اشرف علی)

یوسف علی خاں صاحب نے مجھے پھر دوبارہ یہ کہہ کر روانہ کیا کہ دیوبند سے مولوی حافظ احمد صاحب کو ساتھ لو اور گنگوہ پہنچ کر مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو ساتھ لو اور تم چاروں مل کر حضرت سے نہایت التجا کر کے یہ عرض کرو کہ حضرت اب تو لطف علی خاں کیلئے ویسی ہی دعا کر دیجئے جیسی مکہ مکرمہ میں یوسف علی خاں کیلئے کی تھی چنانچہ میں دیوبند سے مولوی احمد صاحب کو لے کر گنگوہ پہنچا اور تخلیہ میں مولوی مسعود احمد صاحب سے سارا واقعہ عرض کر دیا اور خلوت کے منتظر رہے لیکن خلوت کا موقعہ نہ ملا ملا شمس الدین اور مولوی ظہور الحسن صاحب رجسٹرار آئے ہوئے تھے اور تمام وقت صبح سے دس گیارہ بجے تک حجرہ میں لیٹے اسی مجلس میں میں اور حافظ صاحب حجرہ میں داخل ہوئے اور سلام کیا رمضان کا مہینہ تھا حضرت نے فرمایا خیر تو ہے 'کیوں آئے ہم نے عرض کیا حضرت 'عرض کریں گے ابھی تک خلوت کا موقع نہیں ملا تھا کہ حضرت قضائے حاجت کیلئے اٹھے اور واپس ہو کر حجرہ بند فرمایا تو پھر ملا شمس الدین اور ایک اور صاحب کواڑ کھول کر حجرہ میں داخل ہونے لگے حضرت نے فرمایا کون ان کی جو شامت آئی بول پڑے کہ شمس الدین جھڑک کر فرمایا کہ نکل جاؤ بس انکا نکلنا تھا کہ خلوت ہوگئی فوراً مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بلا لیے گئے اور ہم سب نے مل کر ایک تمہید اٹھائی کہ حضرت 'لطف علی خاں ایسے ہیں اور ایسے ہیں اور مدرسہ دیوبند کے اس قدر بہی خواہ ہیں حضرت ان کیلئے دعائے صحت فرمائیں فرمایا کہ بھائی کیا کروں میرے دل میں تو ان کی صحت آتی نہیں پھر ہم لوگوں نے اصرار کیا حضرت نے پھر یہی فرمایا آخر کار مولوی مسعود احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بس یوں فرما دیں کہ اچھے ہو جائیں گے فرمایا کہ بھائی ایک تو ایسا کہنا ہوتا ہے جیسا میں نے ابھی مدرسہ کی نسبت کہا تھا[1] اور ایک کہلوائے سے کہنا انہوں نے عرض کیا نہیں حضرت بس یہ

---

[1] اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مجلس میں مدرسہ دیوبند کی مخالفتوں اور اس کے مخالفوں کا تذکرہ اٹھایا اور اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ان ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا جو دیوبند میں مدرسہ کے خلاف کی جا رہی تھیں 'حضرت سنتے رہے سنتے رہے آخر میں ایک دم تکیہ سے کمر اٹھا کر سیدھے ہو بیٹھے اور انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا 'کچھ نہیں ہوگا۔ یہ ظہور تھا شان عمری ماکنا نبعد ان السکینۃ تنطقعلی لسان عمر کا (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ عن علی) (کذافی المشکوۃ)

جملہ فرماہی دیں فرمایا کہ اچھا بھائی تم کہتے ہو میں کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ اچھے ہو جائیں گے[1]
تیسرے[2] ہی دن گنگوہ خط پہنچا کہ لطف علی خاں اچھے ہو گئے اور اگلے دن اطلاع آگئی کہ انتقال ہو گیا۔

حکایت (۳۰۹) خان صاحب نے فرمایا کہ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مکاشفات کی تین قسمیں ہیں ایک تحت التکوین اس میں کافر و مسلم برابر ہیں ایک لوح محفوظ سے وہ خاص مسلمین کیلئے ہے مگر اس کیلئے ہے یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتب اور ایک خالص علم اللہ سے یہ مخصوص انبیاء علیہم السلام کیلئے ہے پہلے دو میں کشفی غلطی کا احتمال ہے مگر ثالث میں امکان نہیں کیونکہ پہلے دو میں زمان و مکان کی تعیین تخمین سے ہو سکتی ہے مگر علم الٰہی میں ماضی و حال اور استقبال برابر ہیں اس لیے انبیاء علیہم السلام کے علوم غلطی سے پاک ہیں۔[3]

حکایت (۳۱۰) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اپنے سلسلہ کے ایک استاد سے نقل فرماتے تھے جس شخص کو دنیا کا بنانا ہو اور دین سے کھونا ہو اس کو طبیبوں کے سپرد کر دے اور جس کو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے کھونا ہو اس کو صوفیہ کے سپرد کر دے اور جس کو دونوں سے کھونا ہو اس کو شاعروں کے سپرد کر دے اس پر میں نے (یعنی حضرت مرشدی حکیم الامتہ مولانا تھانوی

---

[1] اس میں ظہور ہے لواقسم علی اللہ لابرہ کا کہ تھوڑی دیر کے لیے اچھے ہو گئے پھر اصلی وارد کا ظہور ہوا کہ انتقال کر گئے۔ (اشرف علی) [2] یہ تحقیق ان روایات سے متاید ہے فی الدرالمنثور اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ قال ان اللہ لوحاً محفوظا مسیرۃ خسمائتہ عام من درۃ بیضاء لہ دفتان من یا قوت والدفتان لوحان للہ کل یوم ثلاث دستون لحظئہ یحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب وفیہ اخرج عبدالرزاق وبن جریر عن سیار عن ابن عباس انہ سال کعباً عن ام الکتب فقال علم اللہ ماھو خالق وما خلقہ عالمون فقال لعلمہ کن کتا بافکان کتا باوفیہ اخرج ابن ابی شیبتہ وابن المنذروابن ابی حاتم عن عکرمتہ ام الکتاب قال اصل الکتاب (تفسیر سورہ رعد) التائید ظاھر من تفسیر ام الکتاب بمعنی اصل الکتاب یعلمہ تعالی الذی لا یغیر ولا یبدل ومن وقوع المحو والا ثبات فی اللوح واما قولہ فقال لعلمہ کن کتاباً فکان کتابا المراد بہ الجزء الخاص من اللوح الذی لایغیر ولا یبدل وفی الایۃ اقوال اخری ومقصود نا الدلاتہ علی قول مولانا بالروایات

مد ظلہ العالی) عرض کیا کہ حضرت جس کو دونوں کا بنانا ہو تو فرمایا کہ یہ ناممکن ہے (قال العارف الرومی)

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں :: ایں خیال است و محال است و جنوں (جامع)

حکایت (۳۱۱) فرمایا کہ مولانا صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کسی گرو کے پاس گیا گرو نے پوچھا کیسے آئے ہو کہا چیلہ بننے آیا ہوں گرو نے کہا کہ چیلہ بننا بہت مشکل ہے اس نے کہا تو گرو ہی بنادو۔

حکایت (۳۱۲) فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر بکثرت ہوتا تو فرماتے کہ جب تم آجاتے ہو تو قلب زندہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب میں پہنچتا تھا تو اکثر حاجی صاحبؒ کا تذکرہ آجاتا تھا اور حضرت جانتے تھے کہ اس (یعنی مرشدی مد ظلہم) نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کی ہے' یہ حضرت کے حالات سے مسرور ہوگا ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا شخص جو امام وقت ہو وہ ایک ایسے تھوڑے لکھے پڑھے بزرگ (یعنی قطب عالم حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ) کا ایسا منعقد ہو جائے

حکایت (۳۱۳) فرمایا ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے مولانا گنگوہی کا تو قدم قدم پر انتظام اور مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ لاابالی' کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے کچھ پرواہ ہی نہیں اس وقت ایک گروہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپ کے ہمراہ حج کو چلیں گے آپ نے فرمایا کہ زادراہ بھی ہے انہوں نے کہا ایسے ہی توکل پر چلیں گے مولانا نے فرمایا کہ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم میجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھدینا بڑے آئے توکل کرنے' جاؤ اپنا کام کرو پھر ان لوگوں نے حضرت مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا تو آپ نے اجازت دیدی۔

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب ان لوگوں کو دیدیتے اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دید یتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھئے تو فرمایا انما أناقاسم و الله یعطی. اسی سفر میں مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمتہ اللہ سے فرمایا کہ صبح سے شام تک پھرتے ہی ہو کچھ فکر بھی ہے تو فرمایا کہ حضرت آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا فکر ہے۔

<u>حکایت (۳۱۴)</u> فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی ذاکر نے حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ذکر کے وقت نیند آتی ہے۔ فرمایا تکیہ رکھ کر سو جایا کرو ذکر پھر کر لیا کرو۔ نیند کا علاج سوائے سونے کے کچھ نہیں۔

<u>حکایت (۳۱۵)</u> فرمایا کہ ایک مرتبہ میں دیوبند پڑھتا تھا وہاں ایک سیاح ولایتی صاحب آئے وہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ سے جمعہ کی نماز پڑھانے کی اجازت لے کر منبر پر پہنچ گئے خطبہ شروع کیا چونکہ ربیع الاول کا زمانہ تھا خطبہ کے اندر مولود شریف شروع کر دیا اور خطبہ نہایت طویل کہ ختم ہونے پر ہی نہ آوے لوگ پریشان ہو گئے حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی اتفاقاً تشریف فرما تھے چونکہ مولانا کو حق تعالیٰ نے ہمیشہ سے اظہار حق کی شان دی تھی' ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ مولانا خطبہ ختم کیجئے وہ بولے چپ رہو خطبہ میں بولنا حرام ہے (وہ پہچانتا نہ تھا) مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ حرام و حلال کیا لیے پھرتے ہو تم اس قابل ہو کہ منبر سے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اتار دیا جاوے پھر اس نے یہی جواب دیا' چپ رہو مگر اس نے جلد ہی خطبہ ختم کر دیا خطبہ کے بعد لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے نہ معلوم یہ کون بلا ہے مولانا گنگوہی سے امامت کیلئے عرض کیا مگر مولانا نماز پڑھانے کھڑے نہ ہوئے (تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اپنی امامت کیلئے کہا تھا) مولانا محمد یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی مولانا گنگوہی نے یہ دانش مندی کی کہ نماز کے بعد فوراً جوتہ اٹھا کر چلدئے ان ولایتی صاحب نے نماز کے بعد کہا کہ بلاؤ اس وہابی کو

جو خطبہ میں بولتا تھا اور بہت دیر تک بکتا رہا حضرت مولانا محمد یعقوب نماز پڑھتے رہے' آپ کو غصہ بھی بہت آیا لیکن تحمل کیا ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہماری جماعت کے حضرات فتنہ کو پسند نہیں فرماتے تھے مولانا گنگوہیؒ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں موجود ہوا تو فساد ہو جائے گا کیونکہ لوگ میری حمایت کریں گے اس لیے دفع الوقتی فرما گئے اور اب یہ حالت ہے کہ فتنہ وفساد کو تلاش کرتے پھرتے ہیں خطبہ کی طوالت پر فرمایا کہ فقہ کی بات یہ ہے کہ خطبہ کو خفیف کرے اور نماز کو طویل یعنی بہ نسبت خطبہ کے طویل کرے۔

حکایت (۳۱۶) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو اس جگہ (خانقاہ امدادیہ اشرفیہ) سے بڑی محبت تھی جب بینائی جاتی رہی ہے تو فرماتے تھے کہ اگر آنکھیں ہوتیں تو اس جگہ کو اب دیکھتا (کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہاں بودوباش رہی ہے اس وجہ سے حضرت کو بڑا تعلق تھا)

درمنز لے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد :: باخاک آستانش داریم مرحبائی

حکایت (۳۱۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو اطلاع کی کہ حضرت یہاں مدرسہ کی سی صورت ہو گئی ہے دعا فرمادیجئے گا مولانا نے تحریر فرمایا کہ اچھا ہے بھائی مگر خوشی تو جب ہو گی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہو جاویں گے (جامع کہتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت کی خواہش باحسن الوجوہ پوری ہو گئی)

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں :: مے دہد یزداں مراد متّقین

گفتہ او گفتہ اللہ بود :: گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حکایت (۳۱۸) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کی پھوپی بیمار تھیں آپ ان کی تیمارداری میں تھے جس طبیب کے یہاں آپ تشریف لے جاتے تھے وہ بہت نخرے کرتا تھا مولانا کو غصہ آگیا اور طب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور اچھے طبیب ہو گئے جب مولوی مسعود احمد صاحب طب پڑھ کر تشریف لائے ہیں تب آپ نے اس کام کو چھوڑ دیا کہ بھائی

اب مسعود آگئے ان سے رجوع کرو۔

حکایت (۳۱۹) فرمایا کہ ایک ڈپٹی صاحب مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے مولانا معمولی گفتگو کر کے درس میں مشغول ہو گئے ان کو اس پر رنج ہوا اور دوسروں سے شکایت کی کہ بڑے برے اخلاق ہیں (اس پر ہمارے حضرت نے تبسم سے فرمایا کہ الحمدللہ مولانا کی یہ سنت مجھ کو بھی نصیب ہے' اور میں بھی اس طرح بدنام ہوں سنا ہے کہ سال کے ختم یا شروع پر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ خطابات تقسیم ہوتے ہیں تو مولانا کے لیے بھی شمس العلماء کا خطاب تجویز ہوا تھا اس میں ان ڈپٹی صاحب سے بھی پوچھا گیا چونکہ یہ حاکم پرگنہ تھے تو انہوں نے مخالفت کی کہ مناسب نہیں ہے اس پر ڈپٹی صاحب نے خوش ہو کر مولانا کے آدمیوں سے فرمایا کہ ہم سے مولانا اچھی طرح نہ ملے ہم نے بھی خطاب نہ ملنے دیا مولانا نے سنا تو فرمایا کہ بھائی میں تو ان کا بڑا ممنون ہوں کہ مجھے اس بلا سے نجات دی میں تو دعا کرتا ہوں ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جب سنا ہوگا تو بڑا اکتا ہوگا کہ یہ کام کیا تو تھا رنج کیلئے مگر ہو گئی خوشی جیسے سلیمان دارائیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو خوش ہو کیونکہ شیطان دشمن ہے جب تم وسوسہ سے خوش ہو گے اور وہ تمہاری خوشی چاہتا نہیں' وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا۔

حکایت (۳۲۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر آج کل کے نوجوان مولوی اعتراض کرتے ہیں اور حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ حالانکہ امام وقت تھے مگر کبھی آپ کی زبان سے اعتراض نہیں نکلا اور اعتراض تو کیسا' مولانا تو بالکل عاشق فانی تھے ایک دفعہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ مولوی صادق الیقین صاحب سے فرماتے تھے کہ فلاں صاحب نے کیسی بری بات کہی کہ حضرت تو بدعتوں میں مبتلا ہیں' ہماری نسبت تو قطع ہو گئی دیکھو کیسی رنج کی بات ہے بھلا ان باتوں سے نسبت قطع ہوتی ہے بھلا حضرت حاجی صاحب بدعتی ہیں۔

حکایت (۳۲۱) فرمایا کہ جب مولوی صادق الیقین حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں جانے

لگے تو مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی (دیکھئے ان بزرگوں کو نور باطن تو ہوتا ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نور ظاہر بھی اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ جس کی انتہا نہیں) کہ میاں صادق الیقین جیسے جارہے ہو ویسے ہی چلے آئیو اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجئو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس سے حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا کہ وہاں جاکر حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے افعال میرے خلاف دیکھو گے اگر مجھ سے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑ دو گے اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑ دو گے چنانچہ انہوں نے مسلک مولانا کا رکھا اور حضرت حاجی صاحب کے بھی جان نثار تھے مجھ سے مولوی صادق الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین و آسمان کا فرق ہے کوئی تطبیق ہو ہی نہیں سکتی میں نے عرض کیا کہ فاتحہ خلف الامام کو ایک حرام کہتے ہیں ایک فرض کہتے ہیں اس میں بھی تو کوئی تطبیق نہیں ہو سکتی پھر ہم دونوں کو حق پر مانتے ہیں اور تقلید کرتے ہیں ایسے ہی یہاں سمجھو۔

<u>حکایت (۳۲۲)</u> فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ کے قطب الدین ایک صاحبزادے تھے ان کی شادی لکھنو ہوئی تھی اور ولیمہ نانوتہ میں ہوا تھا مولانا نے بڑی خوشی میں ولیمہ کیا تھا اور اس میں پلاؤ زردہ بہت اچھا پکوایا تھا کھانے میں ذرا دیر ہو گئی تھی' جمعہ کا دن تھا گاؤں والے بھی ولیمہ میں آئے ہوئے تھے تو مولانا نے فرمایا کہ پہلے ان گاؤں کے آدمیوں کو کھانا کھلا دو کیونکہ ان کو دور جانا ہے گھر کے آدمی پھر کھالیں گے جب ان کو کھانے بٹھایا تو چاروں طرف سے زردہ کی مانگ ہونے لگی مولانا پریشان ہوئے' کیونکہ زردہ بہ نسبت پلاؤ کے تھوڑا پکتا ہے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی اس کی خبر ہوئی تو مولانا فوراً تشریف لائے اور مجمع میں آکر فرمانے لگے کہ یہ پلاؤ بھی کھانے ہی کے واسطے پکا ہے اور زردہ اندازہ سے پکا ہے اور کھلانے والوں کو حکم دیا کہ اب پلاؤ دو زردہ نہ دو بس سب دم بخود ہو گئے پھر کسی نے نہ مانگا اور کام حسن و خوبی کے ساتھ انجام کو پہنچ گیا ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا کے اندر شان انتظام بڑی تھی کسی کے کہنے کی پرواہ نہ کرتے تھے اسی وجہ سے اکثر لوگ متشدد کہتے تھے ہنس کر فرمایا اور الحمد للہ اب یہ میراث مجھے ملی ہے

حکایت (۳۲۳) فرمایا کہ ہمارے حضرت خلوت عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے اس سے شہرت ہوتی ہے مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے بھی کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی البتہ مولانا رائپوری رحمتہ اللہ علیہ پر بہ نسبت دوسرے حضرات کے قدرے اس کا غلبہ تھا (اور یہ اثر ان کے پہلے پیر کا تھا) باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول تھا چنانچہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ بھی تھوڑی سی دیر حجرہ بند کر کے اس میں بیٹھتے تھے ایک دفعہ میں نے مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا کر میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں اس سے شہرت ہوتی ہے۔

حکایت (۳۲۴) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کسی شخص نے دریدہ عبا بھیجی آپ نہ ہنسے نہ تحقیر کی بلکہ اس کو رفو کرا کر نماز جمعہ اسی سے پڑھی ایسے ہی مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے ایک ٹوپی چھینٹ کی جس پر شالباف کی گوٹ اور گوٹہ لگا ہوا تھا بھیجی آپ نے اس لانے والے کے سامنے فوراً اوڑھ لی کہ مہدی سن کر خوش ہوگا۔

حکایت (۳۲۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے تم چلتے ہو مولانا نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں حضرت میں تو نہیں جا سکتا میں تو ہندوستان میں اس کو منع کرتا ہوں حضرت نے فرمایا جزاک اللہ میں اتنا تمہارے جانے سے خوش نہ ہوتا جتنا نہ جانے سے ہوا۔

حکایت (۳۲۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمتہ اللہ کی بہت تعریف فرما رہے تھے بعد میں فرمایا مگر جو بات اس شخص (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ) میں تھی وہ کسی میں نہ تھی حالانکہ گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ترجیح دے رہے ہیں یہ مقولہ خود حضرت گنگوہی سے سنا ہے

حکایت (۳۲۷) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اس قدر ذکی الحس تھے کہ ایک مرتبہ جب آپ مسجد میں عشاء کی نماز کو تشریف لائے تو فرمایا آج کسی نے مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے مغرب کے بعد جلائی تھی جس کا اثر مولانا کو عشاء کے وقت محسوس ہوا اور آپ کے یہاں عشاء کی نماز قریب ثلث شب کے وقت ہوتی تھی۔

حکایت (۳۲۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔

حکایت (۳۲۹) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے مولانا عبدالرحیم صاحب نے یا ان کی موجودگی میں کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ تسخیر کا عمل جانتے ہیں فرمایا ہاں جب بھی تو میرے یہاں مولانا عبدالرحیم صاحب جیسے لوگ آتے ہیں (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب

حکایت (۳۳۰) احقر جامع نے مکرمی مولانا مولوی احمد شاہ حسن پوری مدظلہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے مکرمی حکیم مولوی محمد یوسف صاحب گنگوہی نے بیان کیا کہ پیران کلیر میں میں نے ایک درویش صاحب کا یہ طرز دیکھا کہ وہ کسی بزرگ کے مزار کے اندر نہیں جاتے تھے بلکہ مزار کے قریب دروازہ سے باہر کھڑے ہو کر کچھ رویا کرتے تھے یہ درویش صاحب حکیم محمد یوسف صاحب سے ملنے گنگوہ آئے حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ہم ان کو ظہر کے وقت مسجد خانقاہ قطب عالم شیخ عبدالقدوس قدس سرہ میں لے گئے وہ بزرگ درویش بعد نماز ظہر حسب عادت مزار شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر کچھ دیر تک رو کر واپس آئے حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے، ہم کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت اقدس محبوب الٰہی مولانا رشید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر لے چلیں اور ظاہر نہ کریں کہ مولانا کے مزار پر لے جاتے

ہیں حکیم صاحب نے ان درویش سے یہ فرمایا کہ جنگل کی طرف تشریف لے چلئے درویش صاحب نے فرمایا بہت بہتر حکیم صاحب موصوف گنگوہ سے غرب کی جانب جو ایک مسجد حضرت اقدس مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب بنی ہوئی ہے اس طرف کو لے چلے فرش مسجد کے شمالی کنارہ پر جس وقت یہ درویش پہنچے نہایت زور سے اس درویش نے چیخ ماری اور کھڑے ہو کر شدت سے روتے رہے اس میں عصر کا وقت آگیا اور حکیم صاحب نے عصر کی اذان پڑھی اذان کے بعد بھی وہ درویش کھڑے ہو کر روتے رہے جب حکیم صاحب نماز کے واسطے کھڑے ہوئے تب وہ درویش تکبیر کے وقت نماز میں شریک ہوئے نماز کے بعد جب درویش صاحب واپس ہوئے تو حکیم صاحب سے فرمایا کہ ایسا نہیں کیا کرتے ہیں جیسا آپ نے میرے ساتھ کیا بعض وقت ایسے موقع پر جان نکل جاتی ہے انسان کو جب کسی بزرگ کے مزار کی خبر ہو جاتی ہے تو کچھ سنبھل کر جاتا ہے یہ حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ہے کہ حضرت ممدوح نے شریعت کے پردہ میں اپنی نسبت عالیہ کا اخفا فرمایا تھا

<u>حکایت (۳۳۱)</u> مولوی محمد قاسم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اس کو اٹھا کر کنویں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا آپ نے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیب جس قدر جس سے ہو سکے پڑھو' اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا بعد میں حضرت نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۲) ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حدیث کے درس میں اہل جنت کا ذکر آیا کہ مرد سبھی آغاز سے بے ریش ہوں گے تو ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت مرد کے چہرہ کی زیبائش تو ڈاڑھی سے ہے یہ حسن جنتیوں کے لئے کیوں تجویز ہوا بیساختہ آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ اس کا مزہ ان سے پوچھو جو ڈاڑھی منڈاتے ہیں (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۳) مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ چونکہ بہت متبع سنت تھے' ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے' دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں لوگوں نے اس کا اندازہ کیا جب مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں پر رکھا جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھنٹی انگوٹھے میں ڈالی اس کے بعد بایاں پاؤں میں کھڑاؤں پہنی سبحان اللہ کیسا دونوں سنتوں کو جمع فرمایا ہے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۴) مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمیں تو حاجی صاحبؒ کے دردنامہ میں ایک شعر پسند آیا ہے

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا :: تماشہ کو بھی تو میرے نہ آیا

حکایت (۳۳۵) مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے اور یوں بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۶) مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا ان کے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا دیوبند مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ گنگوہ

حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے 'اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت کھینچ لائی ہے مولانا نے ارشاد فرمایا کہ تم گنگوہ ہی جاؤ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد ہی کی دعا پر موقوف ہے میں اور تمام زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حکیم ضیاالدین صاحبؒ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حکیم صاحب نے سفارش کی تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں 'کیا بلکہ یہ صاحب مدرسہ دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے قصوروار اللہ کے ہیں 'اللہ سے توبہ کریں 'بندہ بھی دعا کرے گا چنانچہ ادھر انہوں نے توبہ کی ادھر مطالبہ سے برات کا (کمشنر صاحب سے) حکم آگیا (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۷) ایک مرتبہ مولوی یحیٰؒ صاحب کو کسی کام میں زیادہ دیر لگ گئی تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار پکارا کہ خدا جانے کہاں بیٹھ گئے (کیونکہ اگر مولوی یحیٰ ذرا دیر کو بھی مولانا سے الگ ہوتے تو بار بار یاد فرماتے تھے) جب مولوی یحیٰ صاحب آئے تو مولانا نے فرمایا

مت آئیو او وعدہ فراموش تو اب بھی :: جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

(منقول از اشرف التنبیہ) (از تحریرات بعض ثقات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۳۳۸) ایک بار (حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے) فرمایا کہ شیخ عبد القدوسؒ عشاء سے فجر تک ذکر جہر کیا کرتے تھے آخر اس قدر غلبہ ہو گیا کہ صاحبزادے آتے تو شیخ ان کا نام دریافت فرماتے تھے وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض کرنے نہ پاتے تھے کہ شیخ پھر مستغرق [1] ہو جاتے تھے اسی طرح کئی کئی بار سوال و جواب کے بعد کلام کی نوبت پہنچتی تھی۔

---

[1] حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے قلب کو اول میں ذکر جہر سے جو زیادہ دھنا ہے تو اب مجھ کو مہلت نہیں دیتا ۱۲ منہ قدس سرہ

حکایت (۳۳۹) ایک روز فرمایا گنگوہ کے لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس کی خدمت میں بمقام شاہ آباد ضلع انبالہ ایک عریضہ اس مضمون کا بھیجا کہ شاہی عامل گنگوہ میں بغرض بندوبست اراضی آیا ہوا ہے حضور تشریف لاکر اپنی اراضی جو دابر کے قریب ہے اپنے نام درج کرالیں حضرت شیخ نے اس کا جواب لکھا کہ "بندگان خدارا از خلق خدا چہ کار"

حکایت (۳۴۰) ایک روز فرمایا کہ شاہ ابو سعید گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے شاہ نظام رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آکر استقبال کیا اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے کر بلخ پہنچے وہاں پہنچ کر صاحبزادہ صاحب کی خوب خوب خاطریں کیں ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے ان کو مسند پر بٹھاتے خود خادموں کی جگہ بیٹھتے آخر جب شاہ ابو سعید نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اس وقت شاہ ابو سعید نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کے لئے میں یہاں آیا مجھے تو وہ دولت چاہیے جو آپ ہمارے یہاں سے لے کر آئے ہیں "بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ آنکھ بدل گئے اور جھڑک کر فرمایا کہ جاؤ طویلہ میں جاکر بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب کی فکر رکھو غرض یہ طویلہ آئے' شکاری کتے ان کی تحویل میں دے دیے گئے کہ روز نہلائیں دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے آدمی سے کہہ دیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کو دو روٹیاں جو کی دونوں وقت گھر سے لادیا کرو اب شاہ ابو سعید صاحبؒ جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا تین چار ماہ بعد ایکروز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے جائے تو اس دیوانے کے پاس

سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابو سعید پر پڑی شاہ ابو سعید کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا تیوری چڑھا کر بولے "نہ ہوا گنگوہ ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا" غیر ملک ہے شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اس لیے کچھ نہیں کر سکتا" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا حضرت نے فرمایا "ہاں ابھی بو ہے صاحبزادگی کی" پھر دو ماہ تک خبر نہ لی اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابو سعید پر ڈال کر جواب سنے کہ کیا ملتا ہے چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی اس مرتبہ شاہ ابو سعید نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے حضرت شیخ نے فرمایا "ابھی کچھ بو باقی ہے" پھر دو چار ماہ بعد بھنگن کو حکم دیا کہ "اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ہوا ٹوکرہ سر پر پھینک ہی دیجئو کہ پاؤں تک بھر جائیں" چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابو سعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا اس لئے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے "مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی" یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکرہ میں ڈالنی شروع کی کہ لا میں بھر دوں" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آکر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ الٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی شیخ نے فرمایا "بس اب کام ہو گیا" اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ ہونا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے شاہ ابو سعید کتوں کی زنجیر تھامے پابر کاب ہمراہ ہو لئے کتے تھے زبردست شکاری کھاتے پیتے توانا اور ابو سعید بیچارے سوکھے بدن کمزور اس لئے کتے ان کے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے بہتیر اکھینچتے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے آخر انہوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی شکار جو نظر پڑا تو کتے اس پر لپکے اب شاہ ابو سعید بیچارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کے کھینچتے کھینچتے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر چبھی بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انہوں نے اف نہ کی

جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہوں گے اور فرمائیں گے حکم کی تعمیل نہ کی، کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان منظور تھا سو ہو لیا اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں "نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی" صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا کہ خاندان چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لے کر آیا تھا، تم ہی ہو جو کہ میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لیے جاتے ہو مبارک ہو وطن جاؤ غرض مجاز حقیقت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔

حکایت (۳۴۱) ایک روز فرمایا کہ یہ جبہ جو سجادہ صاحب کے یہاں رکھا ہوا ہے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے پچاس سال تک زیب تن رکھا ہے بعض لوگوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ فقیری کوئی پرانے کپڑے پر نہیں ہے کہ آپ اس پر پیوند پر پیوند لگاتے جاتے ہیں حضرت نے فرمایا بخدا مجھے حلال کمائی کا کوئی کپڑا دستیاب نہیں ہوتا جس کو پہنوں اور اسے اتار دوں آخر آپ کے چند خدام حضرت جلال تھانیسری وغیرہ نے مزدوری کر کے چوبیس ٹکے اکٹھے کیے اور اس کا کپڑا مول لیا جس میں سے ایک پاجامہ اور ایک کرتہ بنایا ان کو شیخ نے پہن لیا پھر جب یہ پرانے ہوئے تو ان پر پیوند پر پیوند لگانے شروع کر دیے پھر بعد میں کوئی کپڑا نہیں بنایا۔

حکایت (۳۴۲) ایک دن ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرمایا ہے کہ الحمد للہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ ہیں شاید متقدمین میں بھی ایسا مجاہدہ کرنے والا کوئی نہ ہوا ہو چالیس سال سے ہر روز صرف ایک بادام کھاتے ہیں اسی پر گذارا ہے اس کے سوا دنیا کی کوئی چیز نہیں کھاتے"

حکایت (۳۴۳) ایک بار ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر فاقہ پر فاقے اٹھائے ہیں صاحبزادے بھوک کے مارے بلکتے چیختے اور روتے تھے ان کی والدہ بہلانے کے

واسطے چولھے پر خالی ہانڈی چڑھا دیتیں اور جب بچے بھوک سے بیتاب ہو کر کھانے کا تقاضا کرتے تو ان کو چمکارتیں اور تسلی دیکر فرمائی تھیں دیکھو چولہے پر کیا چڑھا ہوا ہے گھبرائے کیوں جاتے ہو جب تمہارے والد آئیں گے ان کے ساتھ کھانا کھائیو بچے روتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مچلتے ہوئے کہتے کہ جلدی چلو ہمیں گھر پر چل کر کھانا کھلاؤ حضرت ان کے ہمراہ گھر میں تشریف لاتے اور بیٹھ کر خود بھی ان کے ساتھ آبدیدہ ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ میرے گناہوں کے باعث ان معصوم بچوں پر بھی مصیبت آئی یہی قصہ دن میں دو چار دفعہ ہوتا تھا۔

حکایت (۳۴۴) ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے سو جس کا ذکر اتنا لمبا ہو اسکا حال کتنا لمبا ہو گا۔

حکایت (۳۴۵) ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور میرے گھر کے لوگوں نے فاقے اٹھائے مگر بحمد للہ میں نے کبھی قرض نہیں لیا۔

استاذ العلماء جناب مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ

صدر مدرس دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت (۳۴۶) خان صاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں فرمایا مجھے حکم ہوا ہے[1] کہ دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا ہم اس جگہ کو آباد کر دیں گے میں اسلئے اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جاویں خان صاحب نے فرمایا کہ اس جلسہ میں مولوی عبدالحق صاحب مولف تفسیر حقانی اور مولوی فخرالحسن گنگوہی بھی موجود تھے اور مولوی عبدالحق صاحب نے اس

[1] یہ شان اقطاب التکوین کی ہوتی ہے بعض مقبولین کو قطبیت ارشادیہ کے ساتھ قطبیت تکوینیہ کا مرتبہ بھی عطا ہوتا ہے اور مولانا کی قطبیت ارشادیہ میں کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ (اشرف علی)

مقام کے آباد ہونے کی کیفیت مولوی ناظر حسن صاحب سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں دربار ہوا تھا اور جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب پھرے تھے وہ جگہ اکثر آباد ہوگئی ہے [1]

حکایت (۳۴۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ چھتہ کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں پیچھے کھڑا تھا آپ مجھ سے باتیں کر رہے تھے حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب (مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور اچھے شاگردوں میں تھے اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے) حاجی محمد عابد صاحب سے باتیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنو کے باشندے نصف مجذوب مکہ معظّمہ کو ہجرت کر گئے تھے جب میرا مکہ جانے کا اتفاق ہوا تو واپسی کے وقت انہوں نے بہت شدومد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو ہندوستان مت جاؤ اس واسطے کہ وہاں انقلاب ہو رہا ہے جو غدر سابق سے بڑھ کر ہوگا یہ سن کر جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے چونک کر اور پیچھے کو مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں اور اور ان کو ہندوستان سے کیا تعلق ہے ہندوستان ہمارا ہے یا ان کا یہاں کچھ نہیں ہونے کا رات کو ان کی دن کو ان کی رات کو انکی دن کو انکی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپیٹ جائے گا جھاڑ دپھر جائے گی کسی قسم کا غدر نہیں ہوگا اس پر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبدالسلام سے کہا کہ سن لو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔

حکایت (۳۴۸) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی درس گاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور چند دوسرے اشخاص بھی اس وقت پہنچ گئے مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ افورات مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے کچھ جواب) ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو کہ ظاہراً گستاخی میں داخل تھا) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ بس چپ رہو بحومت ایسی گستاخی یہ سن کر میں خاموش ہوگیا اور بہت کچھ استغفار اور معذرت کی بالآخر میرا قصور معاف

---

[1] یہ اسی شان قطبیت کی فرع ہے۔ (اشرف علی)

ہو گیا اس کے بعد آسمان سے ایک پیڑھا یا کھٹولا (یہ مجھے یاد نہیں کہ آپ نے کیا فرمایا تھا) اترا جس کی پٹیاں سیر وے پاوے سب الگ الگ تھے) میں نے عرض کیا کہ حضور میں سمجھ گیا حضور نے فرمایا' ہاں انتہا کلامہ الشریف خاں صاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں حضرت مولانا نانوتوی بمرض الموت علیل تھے مولوی فخر الحسن نے اس واقعہ کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور گھبرا کر فرمایا کہ افو مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا' توبہ توبہ توبہ بھائی یہ انہی کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہیں[1] اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔

حکایت (۳۴۹) خان صاحب نے فرمایا کہ حاجی منیر خان صاحب خان پوری (یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحاق صاحب ملقب بہ چھوٹے میاں صاحب سے بیعت تھے) اور فیض محمد خان صاحب نواب دتاولی اور میاں جی محمدی صاحب (یہ میرے استاد اور سید صاحب سے بیعت تھے) اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے) اور نواب قطب الدین خاں صاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی یہ لوگ میں نے ایسے دیکھے جن کی ولایت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی بلکہ ان کے چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں اس پر میں ایک بات سناتا ہوں مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے مجھے ان سے بہت ملاقات تھی اور وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے حج بھی بہت کئے تھے مگر ہمارے بزرگوں کے ساتھ ان کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوء عقیدت تھی ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی دعوت تھی میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی اور

---

[1] بعض مراتب مجذوبیت میں ایسے اقوال داخل ادلال ہو کر عفو فرما دیے جاتے ہیں اور بعض مجاذیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے احقر نے خود مولانا سے سنا ہے کہ ایک بار خط لکھ کر میں نے دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام بھول گیا۔ بجز جذب کے اور اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے (اشرف علی)

ہم لوگ دروازہ کے قریب بیٹھے تھے جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو ہم دونوں باہر آکر کھڑے ہو گئے تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے امام صاحب نے جو مولانا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بد اعتقادی تھی ان کی نورانی صورت[1] ان کی ولایت پر خود شاہد ہے ایسی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا دوسروں کی نہیں ہو سکتی اور ان پر اس وقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بیتاب ہو گئے اور ہائے ہائے کہتے ہوئے انہوں نے مولانا کے قدم پکڑ لیے اور بہت روئے

حکایت (۳۵۰) مولوی محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب مراد آباد میں تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب چھتاری تشریف لاویں مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے نواب صاحب اس کو سو روپے دیتے ہیں ہمیں وہ خود بلاتے ہیں اس لئے شاید دو سو دیدیں سو دو سو روپے ہمارے کے دن ہم وہاں جا کر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگاویں گے (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۵۱) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ظرافت سے فرمایا کہ دیکھو بھائی ستمبر کا نام کریما میں بھی آیا ہے اور یہ شعر پڑھا۔ ستمبر ضعیفان مسکین مکن۔ الخ

حکایت (۳۵۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ قرآن وحدیث کا مدلول جو بے تکلف ماہر کے ذہن میں آجائے وہ صحیح ہے اور اس کے بعد اپنے اہوا کی نفرت ہے۔

[1] قال الرومی ع نور حق ظاہر بود اندر ولی :: نیک بیں باشی اگر اہل دلی

قال الکاندھلوی فی ترجمہ ع

مرد حقانی کی پیشانی کا نور :: کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور (اشرف علی)

حکایت (۳۵۳) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مہر املی کے بیج کے برابر تھی لوگوں نے کہا کہ ذرا بڑی مہر بنوا لیجئے مولانا نے فرمایا کیا ہوگا یہ چھوٹی سی ہی ایسی ہے کہ اول اس کو تلاش کرتے ہیں جہاں یہ نہ ہو بڑی بڑی مہریں اینٹ سی بیکار سمجھی جاتی ہیں۔

حکایت (۳۵۴) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مزاح میں فرماتے تھے کہ ولی ہونے میں تو میرے شک نہیں مگر بگاڑنے کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں

حکایت (۳۵۵) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے مولوی مظہر الدین نامی نے جو میرے ساتھ موجز میں شریک تھے اور ریاست رام پور کے رہنے والے تھے' ایک قصہ اپنے شہر کا بیان کیا کہ وہاں ایک شخص پر ایسا قبض شدید طاری ہوا کہ انہوں نے خودکشی کا ارادہ کر لیا اور کچھ تعجب نہیں۔

بے دوست زندگانی ذوق چناں ندارد : : ذوق چناں نداروبے دوست زندگانی

بیچارے فن سے ناواقف تھے اسلیے وارد کی حقیقت کو نہ سمجھے مولوی ارشاد حسین صاحب کے پاس پہنچے اس وقت وہ مثنوی پڑھا رہے تھے انہوں نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا شیطان ہوں مولوی صاحب نے کہا کہ اگر شیطان ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ سن کر وہ سیدھے اٹھے ہوئے قیام گاہ کو چلے گئے اور یہ سمجھ گئے کہ اب تو ایک شیخ کا بھی یہی فیصلہ ہے واقعی میں ایسا ہی ہوں اپنے وجود ناپاک سے دنیا کو پاک کر دینا چاہیے مرید سے بلا کر کہا کہ میں اپنا گلا کاٹوں گا اگر کچھ باقی رہے جائے تو تم تکمیل کر دینا چنانچہ انہوں نے حجرہ میں جا کر اپنی گردن کاٹ لی جب وہ مر چکے تو مرید بھلے مانس نے جو حصہ باقی رہ گیا تھا اس کو بھی علیحدہ کر دیا پولیس نے مرید کو گرفتار کر لیا نواب صاحب والی ریاست رام پور کے یہاں مقدمہ پیش ہوا اس نے سارا قصہ بیان کر دیا مولوی ارشاد حسین صاحب کو خبر ہوئی اور انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی نواب صاحب نے اس مرید کو چھوڑ دیا ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہ قصہ سن کر یوں فرمایا کہ ان کو یہ

جواب دینا چاہیے تھا کہ اگر شیطان ہو تب بھی کیا حرج ہے شیطان بھی تو انہی کا ہے اس سے نسبت کہاں منقطع ہوئی اس سے قبض جاتا رہتا کسی نے ہمارے حضرت سے عرض کیا کہ نسبت تو مقبولیت کی مطلوب ہے نہ کہ مردودیت کی فرمایا یہ انکا علاج تھا اس سے انکا قبض جاتا رہتا ایسے وقت حقیقت کی طرف نظر نہیں جاتی ہے مخاطب کی خصوصیت کے اعتبار سے علاج کیا جاتا ہے اور اس رمز کو مصلحین خوب سمجھتے ہیں۔

حکایت (۳۵۶) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے کا جس قدر شوق ہو اس سے کچھ کم پڑھنا چاہیے شوق کو باقی چھوڑ دے اور مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جب چکئی پر تھوڑا تاگا رہ جاتا ہے تو پھر لوٹ آتی ہے اور جب بالکل نہیں رہتا تو نہیں لوٹتی۔

حکایت (۳۵۷) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ماہانہ امتحان نہ لیتے تھے جب مہینہ ختم ہوتا تو پرچہ امتحان کا منگا کر بلا امتحان ہی سب کے نمبر لکھدیتے تھے ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت بلا امتحان ہی نمبر لکھدیتے ہیں فرمایا مجھے سب کی لیاقت معلوم ہے (مالک اپنے بچھڑے کے دانت خوب جانتا ہے) اور اگر کہو تو لاؤ سب کا امتحان لے لوں مگر یاد رکھو کہ اس سے کم ہی نمبر آئیں گے مولانا کا رعب بہت تھا سب طالب علم چپ ہی ہو گئے۔

حکایت (۳۵۸) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے سبق پڑھانے کے اندر آنسو کثرت سے جاری ہو جاتے تھے ایک دفعہ ہم نے چاہا کہ مولانا سے مثنوی شروع کریں تو مہتمم صاحب نے فرمایا کہ انہیں مدرسہ میں بیٹھنے دو گے یا نہیں اگر مثنوی پڑھانے لگے تو جنگلوں کو نکل جائیں گے آگ بھڑک اٹھے گی۔

حکایت (۳۵۹) فرمایا کہ ایک مرتبہ اجمیر میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صبح کی نماز کو تشریف لا رہے تھے راستہ میں کان میں بھڑ بھونجوں کے دھان کوٹنے کی آواز آئی بس مولانا کو وہیں وجد ہو گیا

کسانیکہ یزداں پرستی کنند :: بر آواز دولاب مستی کنند

حکایت (۳۶۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب چھتہ کی مسجد میں وضو فرمارہے تھے کہ ایک طرف سے کسی غمزدہ عورت کے رونے کی آواز آئی بس وہیں وضو کرتے کرتے اس غمزدہ کی گریہ سے مولانا کی حالت بدل گئی۔

حکایت (۳۶۱) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے مولوی علاؤالدین صاحب میرے ساتھ پڑھے ہیں اور میرے ساتھ ہی دستاربندی میں مجھ سے ان کی (یعنی مولوی علاؤالدین) تقدیم ہو جائے اس پر حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا جس کا استحقاق ہے وہی ہو گا۔

حکایت (۳۶۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولوی علاؤالدین کا انتقال خاص بقرعید کے روز ہوا ہے نماز سے پہلے ان کی بہت غیر حالت تھی جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ اللہ کے سپرد اللہ خاتمہ بالخیر کرے نماز میں پہنچ گئے نماز میں دیر نہ کی حالانکہ مولانا کی وجاہت ایسی نہ تھی کہ اگر کتنی ہی دیر فرماتے تب بھی لوگوں کو گراں نہ ہوتا مگر ایسا نہیں کیا وقت پر پہنچے۔

حکایت (۳۶۳) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں وبا پھیلی ہے تو اس زمانہ وبا میں مولانا محمد یعقوبؒ کے گھرانے کے چودہ آدمی مرے تھے مگر مولانا بہت ہی متحمل رہے ذرا تزلزل اپنے اندر نہیں آنے دیا البتہ ایک دفعہ تو وضو کرتے ہوئے میں نے یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا تھا کہ آپ ایک خاص شان سے اس کو پڑھ رہے تھے

غیر تسلیم ورضا کو چارہ :: در کف شیر نر خونخوارہ

حکایت (۳۶۴) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں ہیضہ پھیلا ہے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہاں ایک وبا آنے والی ہے اگر ہر چیز میں سے صدقات کئے جاویں تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ بلا ٹل جاوے بعض اہل دیوبند نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہوگئی ہے اس کی خبر کسی نے مولانا کو

کر دی تو مولانا کو اس پر بہت غیظ آیا اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند اس جملہ کو چند بار تکرار فرمایا اس وقت حاجی محمد عابد صاحبؒ حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے اس کلمہ کو سن رہے تھے وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرمار ہے ہو مولانا نے دریافت فرمایا کہ کیا کہا ہے حاجی محمد عابد صاحب نے وہی جملہ سنا دیا کہ یوں فرمار ہے تھے مولانا نے فرمایا کہ اب تو یوں ہی ہو گا اس کے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی پس دیوبند خالی ہی ہو گیا جب یہ وبا ختم ہو گئی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرا بھی وقت آگیا کیا ابھی دیر ہے بس اس کے بعد اپنے وطن نانوتہ پہنچے اور وہیں جا کر مبتلائے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

حکایت (۳۶۵) فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا بس اس کثرت سے مٹی لئے گئے کہ جب ہی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہیو لوگ جوتہ پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔

حکایت (۳۶۶) فرمایا کہ میرٹھ مطبع مجتبائی میں ایک مقام پر مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہما ایک جگہ ہی ٹھہرے ہوئے تھے مگر مولانا نانوتوی تو نیچے کے درجہ میں تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ اوپر کے درجہ میں تھے کہ ایک رنڈی اپنی چھوکری کہ جو سیانی تھی

اپنے ہمراہ لائی اور مولانا قاسم رحمتہ اللہ علیہ سے (چونکہ مولانا محمد قاسمؒ بہت مشہور تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ اس قدر مشہور نہ تھے کسی نے ان ہی کا پتہ دیدیا) عرض کیا کہ یہ میری چھوکری ہے اور مدت سے بیمار چلی جارہی ہے میری اوقات بسر اسی پر ہے آپ اسے تعویذ یا دعا کر دیجئے (مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع میں فرق آئے نہ اس کی دل شکنی ہو) اس سے فرمایا کہ اوپر ایک بزرگ ہیں تم ان کے پاس لے جاؤ یہ اوپر پہنچی مولانا محمد یعقوب نے پوچھا کیا بات ہے اس نے عرض کیا کہ میری یہ لڑکی ہے اس کو مرض ہے اور میری اسی پر کمائی ہے آپ دعا یا تعویذ کر دیجئے مولانا محمد یعقوب نے نہ معلوم دعا کی یا تعویذ دیا اور اسے رخصت کر کے نیچے تشریف لائے اور پوچھا کہ اسے کس نے بھیجا ہے؟ مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ خاموش ہوگئے تو فرمانے لگے کہ بڑے متقی نکلے اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا اپنے نفس پر کس کا اعتماد ہے خدا کے فضل سے اس کی چھوکری کو آرام ہوگیا تو وہ مٹھائی لائی اور سیدھی اوپر مولانا کے پاس پہنچی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت آپ کی دعا سے میری لڑکی کو صحت ہوگئی یہ مٹھائی شکریہ میں لائی ہوں مولانا نے فرمایا رکھدو چنانچہ وہ رکھ کر چلی گئی مولانا نیچے تشریف لائے اور فرمایا کہ حرام کمائی کی ہے اس کا کھانا حرام ہے مساکین کا حق ہے اغنیاء کا حق نہیں جس کا دل چاہے لیلے (ہمارے حضرت نے فرمایا دیکھئے شریعت و طریقت سب جمع کر دی)

<u>حکایت (۳۶۷)</u> فرمایا ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن جب جنت نہ بھرنے کی شکایت کریگی تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کریگا اور اسے بلا عمل جنت میں داخل کرے گا تو یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہوں گے فرمایا نہیں کیا خاک مزہ ہوگا وہ راحت کا لطف کیا اٹھائیں گے جو راحت بعد کلفت کے حاصل ہو اس میں لذت ہوتی ہے جنت میں آرام و چین ہم کو ہوگا جو مختلف شدائد و آلام مصائب و نوائب جھیلے ہوئے ہیں

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست : حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند (جامع)

حکایت (۳۶۸) فرمایا کہ ایک مشہور شعر ہے

اہل دنیا کافران مطلق اند ::: روز و شب در زق زق و در بق بق اند

ہمارے مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ اس شعر کی شرح یوں فرماتے تھے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مولانا نے اہل دنیا کو کافر کہا ہے بلکہ کافران مطلق کو اہل دنیا کہا ہے یعنی پورے اہل دنیاوہی ہیں جو کافر ہیں حاصل یہ کہ اہل دنیا مبتدا اور کافران مطلق خبر نہیں بلکہ اس کا عکس ہے

(منقول از اشرف التنبیہ)

ازاضافہ مولانا محمد نبیہ صاحب ٹانڈی

حکایت (۳۶۹) ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوبؒ گنگوہ تشریف لائے مغرب کی جماعت کھڑی تھی اور غالباً مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ امامت کیلئے مصلی پر پہنچ گئے تھے مولانا محمد یعقوبؒ کو دیکھ کر مولانا پیچھے تشریف لے آئے اور ان کو امام بنایا مولانا محمد یعقوبؒ چونکہ سفر سے آرہے تھے پاؤں پر کچھ گرد تھی مولانا گنگوہیؒ نے رومال لے کر آپ کے پاؤں جھاڑنا شروع کئے اور آپ تسبیح پڑھتے رہے ذرا جنبش نہ کھائی (از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اشرف التنبیہ)

استاذ العلماء جناب مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی صدر مدرس وبانی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت (۳۷۰) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ نے جو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ دونوں سے عمر میں بڑے تھے) خواب دیکھا کہ ایک تخت ہے جس کے صدر پر حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ تشریف رکھتے ہیں مولانا نے یہ خواب ایک عریضہ میں لکھ کر جس میں بیعت کی درخواست بھی تھی حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا حضرت نے جواب میں خواب کی تعبیر تحریر فرمائی کہ دونوں میں سے کسی

سے بیعت کر لو چنانچہ مولانا محمد مظہر صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے پاس خط لے کر آئے کہ مجھے بیعت کر لو انہوں نے گھبرا کر فرمایا کہ آپ ہی مجھے بیعت فرمالیں فرمایا کہ لو یہ خط ہے اور حکم ہے حضرت نے فرمایا کہ میں آپ کو صحیح مشورہ دیتا ہوں کہ گنگوہ تشریف لے جائیں وہاں گئے اول تو حضرت گنگوہیؒ نے بھی قائل فرمایا مگر پھر بیعت فرمایا۔ (منقول از روایات الطیب)

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم

مدرسہ دارالعلوم دیوبندؒ کی حکایات

حکایت (۱۷۳) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ باطنی مدارج میں مولانا رشید احمد صاحبؒ سے کم نہیں بلکہ برابر ہیں فرق صرف علم کا ہے کہ وہاں ہے یہاں نہیں۔

حکایت (۲۷۳) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی حضرت نانوتویؒ کے خلاف نہیں کیا ایک دن میں چھتہ کی مسجد میں حاضر ہوا حضرت احاطہ مسجد میں ہولے بھنے ہوئے تناول فرمارہے تھے فرمایا کہ آیئے مولانا میں نے عرض کیا حضرت میرا تو روزہ ہے تھوڑی دیر تامل فرما کر پھر یہی فرمایا کہ آیئے مولانا میں فوراً بلا تامل کھانے بیٹھ گیا حالانکہ عصر کی نماز ہو چکی تھی افطار کا وقت قریب تھا حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زاید آپ کو ثواب عطا فرمائے گا جتنا کہ روزہ میں ہوتا چنانچہ مجھے اس افطار کے بعد کچھ ایسی کیفیات ولذات محسوس ہوئیں کہ میں نے کبھی صوم میں نہیں دیکھی تھیں۔ (منقول از روایات الطیب)

جناب مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی حکایات

مع رسالہ نیل المراد ور رسالہ الصدق المتین

حکایت (۳۷۳) فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیا دار بھی منتظم اور غیر منتظم دونوں میں دو قسم کے ہوتے ہیں بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا ہے مولانا فضل الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں حسنات کی کوئی یادداشت ہی نہ تھی ایک بقال کے یہاں سے سامان آتا تھا جو وہ بتلا دیتا تھا وہ آپ دیدیتے تھے آپ کچھ پوچھتے ہی نہ تھے چاہے وہ کتنا ہی بتادے آپ کے وصال کے بعد ایک مجلس تعزیت میں وہ بنیا آیا اور کہا کہ میرا چھ ہزار روپے کا حساب مولانا کی طرف ہے مہمانوں میں ایک راجہ صاحب بھی تھے انہوں نے تھیلی چھ ہزار کی مولانا کی قبر پر رکھ دی اور بنئے سے کہا کہ اگر تیری رقم واجب ہے تو اٹھالے اس نے تھیلی اٹھائی اور ہمارے مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے جو وصیت نامہ لکھا ہے تو اس میں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمہ قرض نہیں ہوا کرتا ہے حالانکہ مولانا کے یہاں بھی اول اول فاقے ہوئے ہیں مگر منتظم بڑے تھے

حکایت (۳۷۴) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ مفقود الخبر کی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بتلادیا سائل نے عرض کیا اس میں تو بڑا حرج ہے اور دین میں حرج نہیں مولانا نے فرمایا کہ جہاد میں تو اس سے بھی زیادہ حرج ہے اس کا شریعت میں حکم کیوں ہے بڑے آئے حرج حرج کرنے والے جاؤ اپنا کام کرو ہمارے حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے مجذوب تھے مگر بات کیسی عمدہ فرمائی ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ عارف کا ہذیان بھی عرفان ہوتا ہے۔

حکایت (۳۷۵) فرمایا ایک مولوی صاحب مولوی فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد تھے، حافظہ بہت اچھا تھا، مگر داڑھی منڈواتے تھے، بلکہ داڑھی والوں کی مذمت بیان کیا کرتے تھے یہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے

یہاں حدیث کی سند لینے آئے مولانا نے فرمایا تھا کہ آپ کو حدیث کی سند دینا جائز نہیں ہے وہ فوراً چلے گئے اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے جا کر سند لے لی اور حضرت گنگوہی کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تو کیا ہم کو ملی نہیں ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن کے یہاں غلبہ استغراق کے سبب ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی ورنہ فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی ایک مرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا بس اسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار ڈاڑھی منڈے مرید تھے اور اس پر التفات نہ تھا مولانا مجذوب تھے۔

حکایت (۲۷۶) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ صاحب کشف تھے مگر کشف دائمی نہیں ہوتا ایک دفعہ ان کے پیچھے ایک شخص بالوں کی ٹوپی اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا بعد سلام اسے دیکھ کر فرمایا کہ ارے ننگے سر نماز مکروہ ہوتی ہے اس نے عرض کیا کہ حضرت ننگے سر نہیں ہوں' بالوں کی ٹوپی اوڑھ رہا ہوں بس چپ ہو گئے۔ (جامع کہتا ہے)

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　::　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حکایت (۲۷۷) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰنؒ پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا ایک مرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے پوچھا یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پوتے کی شادی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا۔ فرمایا ہاں ابھی تو ہم نے پوچھا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا۔ لوگوں نے وہی عرض کر دیا فرمایا ہاں ابھی تو ہم نے پوچھا تھا اچھا اب سے ہمیں جواب نہ دینا' بار بار کوئی کہاں تک بتائے حاجی وارث علی شاہ بھی ان سے ملنے گئے تھے وہ نماز نہ پڑھتے تھے سنا ہے کہ وہاں جا کر نماز پڑھی تھی۔

حکایت (۲۷۸) فرمایا کہ ایک دفعہ لفٹننٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملنے کی اجازت چاہی آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام

ہو گا' اچھا ایک کرسی منگا لینا لفٹننٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کہ بھول بھی گئے یہاں تک کہ لفٹننٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے سب کھڑے تھے' ایک میم بھی کھڑی تھی مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' بی تو اس پر بیٹھ جا لفٹننٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دیدو اس میں سے کچھ چورہ مٹھائی کا نکلا بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی فرمایا کہ ظلم مت کرنا۔

حکایت (۳۷۹) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص مٹھائی کا دونا لایا اور حضرت کے سامنے پیش کیا حضرت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے اس نے عرض کیا کہ گانے بجانے کا کام کرتا ہوں فرمایا مردود ہمیں حرام کھلاتا ہے اور اس زور سے ٹھوکر ماردی کہ دونا دور جا کر گرا۔

حکایت (۳۸۰) فرمایا کہ زمانہ جنگ روم وروس میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص زیارت کو آئے اور ساتھ ہی ایک شخص کا خط بھی رومیوں کی فتحیابی کے لئے لائے کہ حضرت دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ رومیوں کو روسیوں کے مقابلہ میں غلبہ دے ان کے خط دینے سے پہلے ہی حضرت نے فرمانا شروع کیا کہ واہ صاحب بڑے آئے ہیں دعا کردو دعا کردو کیا روسی خدا کے بندے نہیں ہیں' رومی ہی ہیں ایک آدمی شہید ہوتا ہے تمہارا کیوں دم نکلتا ہے (پھر اس شخص کو خط دینے کی جرات نہ ہوئی کیونکہ جواب تو ہو ہی گیا)

حکایت (۳۸۱) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ مجذوب صاحب حال تھے ایک شخص ان کے پاس دعا کیلئے حاضر ہوا ابھی آپ دعا کرنے نہ پائے تھے کہ فریق مخالف بھی دعا کے لئے حاضر ہوا اور ظاہر ہو گیا کہ یہ فریق (ثانی) ہے اب انکار کس سے کریں یہ کیسے معلوم ہو کون حق پر ہے

پس فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ (اے اللہ جس کا حق ہو اسے دلوادے)اب یہ کس کا منہ تھا کہ غیر حق کے واسطے دعا کو کہے ان حضرات کے اندر عقل بھی کامل ہوتی ہے یہ لوگ عرفاً' عقلاً' حالانکہ مجذوب تھے مگربات کیسی حکمت کی کہی۔(منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ احقر ظہور الحسن غفرلہ'

نیل المراد فی السفر الیٰ گنج مراد آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً مصلیًا ومسلماً اما بعد ۱۴رمضان ۱۳۵۲ھ کو دوشنبہ کے دن صبح کے وقت حضرت اقدس حکیم الامتہ مجدد الملتہ محی الطریقتہ مولانا الحافظ الحاج المفسر المولوی اشرف علی صاحب نے بمقام خانقاہ امدادیہ واقع تھانہ بھون فرمایا کہ مجھ کو دو مرتبہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے یقین کے ساتھ تو ماہ وسنہ یاد نہیں ہیں لیکن گمان غالب سے کہتا ہوں کہ اول مرتبہ جب حاضر ہوا ہوں ۱۳۰۱ھ تھا اور مہینہ بھی غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاول تھا کیونکہ مجھے اتنا یاد ہے کہ یہ حاضری تعلق ملازمت کانپور کے کچھ بعد تھی اور تعلق کانپور کا زمانہ آخر صفر تھا جو قرب میلاد کا زمانہ تھا اور اکثر لوگ میلاد کے مسئلے مسائل دریافت کیا کرتے تھے میں نیا نیا مدرس ہو کر کانپور گیا تھا بعض وجوہ سے دو مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھے رکنا پڑا اسی زمانہ میں جبکہ کانپور کو چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں کیونکہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنے کا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو چنانچہ ایک طالب علم مہدی حسن تھے جو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے ان کو ہمراہ لے کر مراد آباد کے قصد سے روانہ ہوا اناؤ تک ریل سے مسافت طے کی باقی راستہ ٹٹو سے قطع کیا راستہ کچھ اچھا نہ تھا ایسا ہی تھا کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی اور اس پر طرہ یہ کہ ہم

دونوں راستہ سے واقف نہ تھے نہ کوئی پتہ نشان نہ کسی سے پوچھا تھا یونہی چل کھڑے ہوئے تھے اور ٹٹو والا افیونی تھا وہ پینک میں کہیں پیچھے رہ گیا ہم اکیلے چلے جارہے تھے لیکن ہم دونوں راستہ سے ناواقف تھے ناواقفی کی وجہ سے کئی جگہ راستہ بھولے جب کوئی گاؤں نظر آتا اس میں جاکر راستہ پوچھتے پھر آگے چلتے غرض کئی جگہ شبہ ہوا اس شبہ اور دھوکہ ہی میں دن ختم ہو گیا اور راستہ میں آفتاب غروب ہو گیا رات ہو جانے کے بعد ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ ہو گیا لیکن برابر چلتے ہی چلے گئے کیونکہ شوق زیارت کا شدت کا تھا خدا خدا کر کے پہنچے عشاء کی نماز ہو چکی تھی مولانا مسجد سے حجرہ میں تشریف لے جا چکے تھے خادم کے ذریعہ سے اطلاع کرائی گئی حضرت نے بلالیا اور میں نے رفیق کو اسباب کے پاس چھوڑا اور خود اسی خادم کے ہمراہ حاضر ہو گیا اتنا یاد ہے کہ وہاں ایک جانب تخت بچھا ہوا تھا جس کے پاس ایک بوریا بھی بچھا ہوا تھا اور حضرت مولانا ایک دوسری جانب چارپائی پر تشریف فرما تھے میں سامنے جاکر کھڑا ہو گیا اور سلام عرض کیا جواب دینے کے بعد اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال کئے کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت مولانا کا لہجہ طبعی طور پر سادہ تھا مزاج میں سادگی بہت تھی عرفی تکلف کے پابند نہ تھے صاف طبیعت تھے' گفتگو میں لہجہ ذرا تیز تھا خصوص اس کے ساتھ جو معتقد ہو کر جائے' جیسے میں گیا تھا اور وہاں تو اکثر لوگ معتقدانہ ہی حاضر ہوتے تھے ایسا لہجہ تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص دیکھے' تو یہ گمان کرے کہ مولانا غصہ فرما رہے ہیں حالانکہ یہ بات نہ تھی جس کو دو چار بار حاضری کا اتفاق ہو جاتا تھا وہ تو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا کہ حضرت کا لہجہ ہی ایسا ہے لطف وعنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت ہوتی تھی غرض مولانا نے تیز لہجہ میں یہ تین سوال ایک ساتھ کیے کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ میں نے بھی علی الترتیب ادب کے ساتھ ان تینوں سوالوں کے جواب میں عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں کانپور سے آیا ہوں زیارت کو حاضر ہوا ہوں یہ سن کر اور تیز ہوئے اور فرمایا بڑے آئے زیارت والے ارے یہ کوئی زیارت کا وقت ہے ایسے وقت کسی کی زیارت کو آیا کرتے ہیں آدمی کو چاہیے کہ ذرا سویرے آئے دوسرا کچھ

روٹی وغیرہ کا انتظام تو کر سکے اب بتلاؤ تمہارے لئے کھانا کہاں سے لاؤں تمہیں خدا کا خوف نہ آیا تم کو زمین نہ نگل گئی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے جو اپنے دل کو دیکھا تو مطلق کسی قسم کی کوئی شکایت یا رنج نہ پایا بلکہ اس سے زیادہ بھی کہہ لیتے تب بھی ذرا ناگوار نہ ہوتا کیونکہ خاص عقیدت کے ساتھ حاضر ہوا تھا اور عقیدت کا خاصہ یہی ہے گو میرے پاس عذر تھا لیکن میں نے اس وقت عرض کرنا خلاف ادب سمجھا یہ ایک تنبیہ تھی سو میں اس کا کیا جواب دیتا' چپ کھڑا تھا تھوڑی دیر بعد فرمایا تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں ہیں فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے کچھ لے کر کھالو اور صبح چلے جاؤ میں نے عرض کیا بہت اچھا اس ارشاد کے بعد خادم سے کہا کہ انہیں لے جا کر فلاں مکان میں ٹھہرا دو چنانچہ ہم لوگ ساتھ ہو لئے اور ان سے لے جا کر ایک جگہ دکھادی ایسا خیال ہے کہ وہ ایک عام جگہ تھی محفوظ جگہ نہ تھی سہ دری سی تھی خیر میں مع ٹٹو اور رفیق کے وہاں چلا گیا اور سامان اتارنے لگا یہی ارادہ تھا کہ بازار سے لے کر کچھ کھا پی لیں گے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہو جائیں گے لیکن تھوڑی دیر میں ایک خادم آیا اور کہا کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے میں نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا ہوگا لیکن میں نے دل میں کہا کہ بھائی سننے کو تو ہم آئے ہی ہیں میں ساتھ ہو لیا اور سامنے جا کر کھڑا ہو گیا فرمایا "بیٹھ جاؤ" مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا حالانکہ اس وقت لطف اور شفقت موجود تھی جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا کچھ لہجہ ہی ایسا تھا وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں سادگی تھی' تصنع اور تکلف نہ تھا میں یہ ارشاد سن کر تخت کے پاس جو چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا فرمایا اجی یہاں آجاؤ تخت پر بیٹھو میں حسب ارشاد اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا پھر خادم سے فرمایا کہ ان کیلئے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ چنانچہ خادم اسی وقت جا کر کھانا لایا ایک پیالہ میں سالن تھا غالباً ارہر کی دال تھی اور اسی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں جب خادم نے کھانا میرے سامنے لا کر رکھا تو مولانا نے دیکھ لیا حالانکہ چراغ کی روشنی بھی کم تھی اور میں بھی کسی قدر فاصلہ پر تھا' نگاہ حضرت کی اس عمر میں بھی بہت اچھی تھی کھانا دیکھ کر خادم سے فرمایا بدتمیز' یوں کھانا لایا کرتے ہیں مہمانوں کے واسطے ارے روٹی الگ طباق میں لاتا سالن علیحدہ برتن میں لاتا' یہ

کون سا طریقہ ہے پیالہ پر روٹیاں رکھ کر لے آیا خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈھا ملا نہیں فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ ارے فلانے طاق میں رکھا نہیں ہے ؟ یہ غالباً کشف سے فرمایا۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔ خادم یہ سن کر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا اور نہ سب روٹیاں ہاتھ پر رکھ کر کھانا پڑتیں جب میں نے کھانا شروع کر دیا تو فرمایا کیا کھاتا ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا سبحان اللہ یہ تو بڑی نعمت ہے تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو۔ تم نے مولوی محمد یعقوب صاحب سے پڑھا ہے مولانا کو کشف ہوا۔ پھر فرمایا بہت اچھے آدمی تھے یہ گویا مولانا نے بہت بڑی تعریف کی کیونکہ مولانا مبالغہ تعریف میں نہ کرتے تھے۔ اتنا فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھے بہت بڑی تعریف ہے۔ اس سے حضرت مولانا کا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہو گیا غرض فرمایا کہ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو تم کو معلوم ہے کہ صحابہؓ کی کیا حالت تھی ؟ ایک ایک چھوارہ کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن دن بھر لڑتے تھے جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آکر کھڑے ہو گئے۔ عادت یہی تھی کہ بزرگان دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آجایا کرتے تھے غرض جوش میں کھڑے ہو گئے اور پاس آکر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور دیر تک حضرات صحابہؓ کا تذکرہ کرتے رہے میں کھانا کھاتا رہا۔ ایسا خیال پڑتا ہے کہ ایک آدھ شعر بھی پڑھا پھر اس کے بعد فرمایا کہ بیر کھاؤ گے ؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تبرک ہے فرمایا اجی تبرک وبرک کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ بیر کھانے سے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا میں نے عرض کیا حضرت نہیں پھر وہاں سے چلے اور ایک برتا ہوا بدھنا اٹھا کر لے آئے جس میں پیوندی بڑے بڑے بیر تھے اور لا کر میرے سامنے الٹا کر دیا اور کہا کھاؤ پھر بطور مزاح کے فرمایا کہ کبھی دل میں کہتے آپ ہی کھا لئے مہمان کی بات بھی نہ پوچھی جب میں کھانے سے فارغ ہو گیا تو فرمایا۔ اچھا جاؤ عشاء پڑھ کر سو رہنا اب صبح کو ملاقات ہو گی پھر مولانا اس وقت تشریف لے گئے خبر نہیں کہاں، حجرہ میں یا مکان کے اندر ہاں! حضرت نے کانپور سے گنج مراد آباد تک قصر کے متعلق بھی کچھ سوال کیا تھا اور میں نے جواب بھی دیا تھا اور اس پر

حضرت نے کچھ اصلاح بھی فرمائی تھی لیکن تفصیل یاد نہیں۔نہ سوال نہ جواب ،نہ حضرت کی اصلاح ،کچھ یادنہیں ،پھرمیں نے نماز پڑھی اور جاکر رہائش پرجاکر سو رہا۔ صبح نماز مولانا کے پیچھے پڑھی۔ مولانا نے اسفار میں نماز پڑھی تھی اور خود امامت فرمائی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں پھر ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آفتاب اچھا اونچا ہو گیا میرے سامنے مولانا نے نوافل نہیں پڑھے پھر اٹھ کر ایک صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جو سامنے کھڑے تھے وضع سے کوئی رئیس معلوم ہوتے تھے مگر ثقہ صورت ڈاڑھی بھی نیچی ،چوغہ بھی اور پائنچے بھی ٹخنے سے اوپر سردیوں میں اکثر لباس سے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ رئیس ہے یا معمولی حیثیت کا شخص بہر حال مولانا نے ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا"تم کب جاؤ گے "انہوں نے کہا جمعہ کی نماز پڑھ کر جاؤں گا فرمایا یہاں جمعہ پڑھ کر کیا ہو گا ؟انہوں نے کہا ،تو میں جمعہ اور کہاں پڑھوں گا وہ بھی کوئی بے تکلف اور پرانے آنے جانے والے معلوم ہوتے تھے مولانا نے فرمایا ہمیں کیا خبر کہاں پڑھو گے ہم کوئی ٹھیکہ دار ہیں تمہارے جمعہ کے لوگوں کو شرم نہیں آتی منہ پر ڈاڑھی لگا کر پرائے ٹکڑوں پر پڑتے ہیں وہ بھی بہت ہی بے تکلف تھے انہوں نے کہا میں تو نہیں جاتا یہ سن کر حضرت ان کا شانہ پکڑے ہوئے اور زور لگائے ہوئے لے چلے اور فرمایا نکلو یہاں سے (اس مقام پر پہنچ کر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مجھے تو حضرت کی ساری باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں ممکن ہے کوئی بد فہم یا معاند اس قسم کے واقعات سے حضرت مولانا کے اخلاق پر شبہ کرے ہمیں تو بزرگوں کی ساری ہی باتیں محبوب معلوم ہوتی ہیں جس کو ذوق نہ ہو وہ جو چاہے سمجھے)غرض وہ شخص چلے گئے وہاں سے تو چلے گئے خبر نہیں قصبہ سے بھی چلے گئے یا نہیں میں نے دل میں کہا کہ اب شاید میرا نمبر ہو چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں جاتا ہوں فرمایا بہت اچھا۔ میں چلا تو مولانا بھی ساتھ ساتھ چلے میں سمجھا اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے اسی جانب تشریف لے جارہے ہیں یہ گمان نہ تھا نہ اپنے آپ کو اہل سمجھتا تھا کہ مشایعت کے لئے ساتھ ہیں مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہی غرض تھی کیونکہ راستہ میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا جو مکان آتا حضرت دریافت فرماتے کیا

یہاں ٹھہرے ہو حتی کہ وہ سہ دری آگئی جس میں میرا قیام تھا میں وہاں رک گیا تو مولانا بھی وہاں ٹھہر گئے اور فرمایا ٹٹو منگاؤ اور سامان لاؤ میں نے رخصتی مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا کیجئے فرمایا ہم نے تمہارے لئے دعا کی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو کچھ پڑھنے کو بتلا دیجئے فرمایا قل ہو اللہ شریف اور سبحان اللہ وبحمدہ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو اوروں سے بھی سنا کر حضرت مولانا طالبین کو اکثر یہی پڑھنے کو بتایا کرتے تھے کیونکہ حدیث شریف میں ان چیزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے اس کے بعد میں مع اپنے رفیق کے وہاں سے چلا آیا چونکہ میں مسافر تھا جمعہ میرے ذمہ تھا ہی نہیں اسلئے فوت کا افسوس بھی نہیں ہوا وہاں سے آجانے کے بعد ہی مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھ کو باصرار روک لیا گیا ورنہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ کانپور چھوڑ رہا ہوں حضرت سے مل آنا چاہیے ممکن ہے پھر نہ حاضری ہو غرض میرا کانپور میں قیام ہو گیا پہلی مرتبہ کی زیارت کے تو یہ واقعات تھے دوسری مرتبہ مہینہ رمضان کا تھا اور سنہ تو تقریباً بھی یاد نہیں بس اتنا یاد ہے کہ پہلے سفر سے چند سال کے بعد دوبارہ حاضر ہوا اس درمیان میں مولانا کبھی کبھی آنے والوں کے ذریعہ سے سلام کہلا بھیجتے تھے مولانا تو ایسے آزاد تھے کہ کوئی چیز بھی یاد نہیں رہتی تھی' نہ معلوم یہ کیسے یاد رہ گیا ایک شخص بیان کرتے تھے کہ مولانا کا مزاج تیز تو تھا ہی۔ انہوں نے حضرت مولانا سے میرا نام لے کر نہایت بدتمیزی سے کہا کہ آپ سے تو اس کے اخلاق اچھے ہیں غایت تواضع سے فرمایا ہاں بیشک اچھے اخلاق ہیں پھر دوبارہ کئی سال کے بعد پھر حاضر ہوا اس بار چند ہمراہی بھی تھے اور ہدیہ کے طور پر میں کچھ پیڑے بھی لے گیا تھا کانپور میں اس زمانہ میں بہت اچھے پیڑے بنتے تھے جنہیں بنگالی پیڑے کہتے تھے سانچے میں بنتے تھے بہت خوبصورت اور خوشبودار تھے مجھے بہت پسند تھے حضرت کی پسند کی تو خبر نہ تھی میں نے سوچا کہ جو چیز خود مجھے پسند ہے اسی کو ترجیح دینا چاہیے چنانچہ میں نے پیڑے ہی ہدیہ کے واسطے لئے نیز چونکہ رمضان کا مہینہ اور مدرسہ کی تعطیل تھی اسلیے حضرت کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی گنجائش تھی اس خیال سے کہ شاید دو چار دن رہنا ہو جائے ایک بوتل شربت انار کی بھی اپنے افطار کے واسطے ہمراہ لے لی تھی کیونکہ

گرمی کا زمانہ تھا جب مراد آباد قریب رہ گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہو جاتا ہے اس لئے شاید ڈانٹ ڈپٹ فرماتے ہوں لہٰذا اپنے قلب کو پاک وصاف کر کے حاضر خدمت ہونا چاہیے چنانچہ وضو کیا استغفار کی کثرت کی ادب کے لحاظ سے سواری چھوڑ کر پا پیادہ چلے اس حالت سے چلے جا رہے تھے دوپہر کا وقت تھا ایک بوڑھے شخص رستہ میں ملے معلوم ہوا کہ زیارت کو جا رہے ہیں وہاں پہنچ کر اول وہ پیش ہوئے مولانا نے ان سے پوچھا کہ روزہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں روزہ ہے اس پر بہت خفا ہوئے فرمایا کہ کس نے کہا تھا کہ سفر میں روزہ رکھو ان بیچاروں کو حکم ہوا کہ بس ابھی چلے جاؤ۔(اس مقام پر صاحب ملفوظ یعنی حضرت اقدس حکیم الامتہ مدظلہ العالی سے حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ روزہ کی حالت میں ایسی جلتی دوپہر میں واپس فرما دینا تو روزہ کی تکلیف کو اور بھی بڑھا دینا تھا اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ یہ واپس فرما دینا تو تادیب اور اصلاح کیلئے تھا گو اس وقت تو تکلیف ہوئی ہو گی لیکن عمر کیلئے سبق ہو گیا ہو گا) ہمارا بھی روزہ تھا ہم نے کہا بھائی خدا خیر کرے ہم سے بھی یہی سوال ہو گا چنانچہ واقعی پیش ہوتے ہی یہ سوال فرمایا کہ روزہ ہے ہم نے سچی بات عرض کر دی کہ حضرت ہے مگر بجائے خفگی کے حضرت نے فرمایا کہ اچھا کیا جوان آدمی ہو روزہ رکھنا ہی مناسب تھا یوں بظاہر مولانا ذرا مغلوب سے تھے ورنہ بڑے عالم بڑے متقی تھے حدود شرعیہ سے خوب واقف تھے اور پورے متبع سنت تھے دیکھئے چونکہ وہ صاحب بوڑھے تھے ان کو سفر میں روزے کا تحمل دشوار تھا ان پر اظہار خفگی فرمایا اور ہم لوگوں کے روزے پر اظہار مسرت فرمایا اور یہی محمل ہے حدیث لیس من البر الصیام فی السفر کا۔ غرض ہم بہت خوش ہوئے کہ چلو ایک خطرہ سے تو نجات ملی اس وقت مولانا ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے یہ نہیں پتہ کہ بیٹھے تھے یا لیٹے تھے غالباً لیٹے تھے نیچے چٹائی بچھی تھی اس پر ہم لوگ بیٹھ گئے مولانا نے غالباً پہچانا نہیں ہم نے اپنے اپنے ہدایا پیش کئے مولانا کو تمباکو اور صابن سے بہت رغبت تھی حقہ نوش فرماتے تھے اور کپڑے گھر ہی میں دھلواتے تھے میرے ہمراہی تمباکو اور صابن ہدیہ میں لے گئے تھے اور مجھے

خبر ہی نہ تھی کہ مولانا کو ان چیزوں سے رغبت ہے اوروں نے تو تمبا کو اور صابن پیش کیا اور میں جو ہدیہ میں لے گیا تھا پیش کر دیا یعنی پیڑے اوروں کی چیزیں لیں لیکن کچھ فرمایا نہیں۔ میں نے جو پیڑے پیش کئے تو خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تو اس کا شربت پیا کرتے ہیں اور خادم سے فرمایا کہ انہیں اٹھا کر رکھو ہم ان کا شربت پیا کریں گے میں خوش ہوا کیونکہ مجھے خیال تھا کہ میرا ہدیہ کیا پسند آئے گا اوروں کا پسند فرمائیں گے کیونکہ وہ لوگ حضرت کی رغبت کی چیزیں لائے تھے لیکن خلاف توقع معاملہ بر عکس ہوا اوروں کو بھی تعجب ہوا میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر از خود فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی دوا بھی ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت دوا تو میرے ساتھ کوئی نہیں ہے (کیونکہ میں شربت انار کو دوا کے طور پر نہیں لے گیا تھا) اس پر ساتھیوں نے مجھ سے آہستہ کہا کہ شربت انار تو ہے میں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت شربت انار البتہ ہے فرمایا وہ تو تم نے افطار کیلئے اپنے ساتھ لیا ہے میں نے کہا لایا تو تھا افطار ہی کی نیت سے مگر اب جی چاہتا ہے کہ حضرت قبول فرمالیں فرمایا بہت اچھا چنانچہ میں نے پیش کیا اور حضرت نے وہ قبول فرمالیا ہدیوں سے فارغ ہونے کے بعد مختلف باتیں فرماتے رہے بعض بعض یاد بھی ہیں مثلاً فرمایا کہ کہنے کی بات تو نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر لیا دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی جنت کا مزہ برحق' حوض کوثر کا مزہ برحق' مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں۔ ایک یہ فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیدیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ۔ چوتھی بات میں کچھ شک ہے اسی جلسہ میں فرمایا یا بعد کے کسی جلسہ میں بلکہ اس میں بھی شک ہے کہ بلاواسطہ سنا یا بواسطہ' بہر حال اگر بواسطہ بھی سنا ہو گا تو کسی ثقہ راوی ہی سے سنا ہو گا کیونکہ اس کی صحت کا مجھے اتنا وثوق ہے کہ بلاواسطہ سننے تک کا احتمال ہے بہر حال چوتھی بات یہ فرمائی کہ جب ہم جنت میں جائیں گے (اور یہ ایسے طور پر فرمایا جیسے یقین ہو کہ جنت میں ضرور جائیں گے حق تعالیٰ سے ایسی قوی امید تھی کہ کچھ شک ہی نہ تھا) اور حوریں آئیں گی تو ہم صاف صاف کہدیں گے کہ بی اگر قرآن سنانا ہو تو سناؤ ورنہ جاؤ اپنا راستہ لو اس

قسم کی شان مولانا کی تھی اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا اس کو بہت ڈانٹا کہ بڑے بے تمیز ہو منہ اٹھائے چلے آرہے ہو یہ نہیں دیکھتے کہ موقع ہے یا نہیں یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات کر رہا ہے گویا مولانا نے اپنے نزدیک ہم لوگوں کو خلوت کا وقت دیا تھا اپنے اسرار ظاہر کرنے کے لئے خلوت پسند فرمائی جب یہ باتیں ہو چکیں تو ارشاد ہوا کہ مسجد میں بھی جگہ ٹھہرنے کی ہے اور مکان بھی موجود ہے کہاں ٹھہرو گے میں نے عرض کیا کہ حضرت جہاں آپ کا قرب ہو فرمایا تو مسجد میں ٹھہر جاؤ ہم لوگ مسجد میں ٹھہر گئے دوپہر کا وقت تھا کچھ لیٹے بیٹھے اتنے میں ظہر کا وقت آگیا نماز پڑھی شام کے بعد افطار بہت پر تکلف کھانا آیا کئی طرح کا چار پانچ قسم کا تھا جیسے کہ امراء کی عادت ہے یا متوسط لوگوں میں بھی اپنے خاص خاص معزز مہمانوں کے لیے کئی کئی کھانے پکوانے کی عادت ہے بہت ہی عنایت تھی ورنہ مولانا کی وضع بالکل آزادانہ تھی وہاں تکلفات کی بھلا گنجائش کیا اسی طرح سحری میں بھی کئی قسم کا کھانا آیا غرض ایک آدھ دن جب گذرا میں نے واپسی کی اجازت چاہی اور اس درمیان میں مختلف جلسوں میں مختلف باتیں کرتے رہے جو کہ اب یاد بھی نہیں بہر حال جب میں نے اجازت چاہی فرمایا اجی کیا جلدی ہے مدرسہ کی تعطیل ہے رمضان شریف کا زمانہ ہے اور ٹھہرو ہم تو یہ چاہتے ہی تھے' حضرت کے ارشاد کو غنیمت سمجھا اور واپسی کے ارادہ کو ملتوی کر دیا جب میں نے دیکھا کہ رہنا تو ہو ہی گیا ہے لاؤ حضرت سے حصن حصین ہی پڑھ لیں چنانچہ میں نے عرض کیا حضرت نے بڑی خوشی سے فرمایا بہت اچھا۔ میں نے شروع کی۔ حضرت کہیں کہیں تحقیق بھی فرماتے تھے چنانچہ ایک جگہ شوقا الی لقائك آیا تو فرمایا۔ اچھا بتاؤ شوق کا کیا ترجمہ ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت ہی ارشاد فرمادیں۔ فرمایا ''تڑپ'' اور درمیان میں مختلف وقتوں میں نعرے بھی لگاتے تھے ذوق و شوق میں۔ کھانا برابر تکلف کا آتا رہا۔ لطیف اور کئی کئی قسم کا۔ جب حصن حصین ختم ہوگئی اور ہم لوگ رخصت ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تبرکا حدیث شریف کی بھی اجازت دید یجئے۔ فرمایا ہاں جی اجازت ہے یہ بھی فرمایا کہ اجی آیا کرو اور کبھی کبھی کچھ سنا جایا کرو لیکن پھر اتفاق حاضری کا نہیں ہوا دو تو یہ حاضری ہوئیں اور ایک بار میں نے عریضہ بھی

لکھا جب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں قیام کی غرض سے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو میں نے عریضہ لکھا کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جا رہا ہوں' دعا کیجئے کہ جس مقصود کیلئے جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمادے حضرت نے میرے عریضہ ہی پر ایک گوشہ میں جواب اپنے قلم سے تحریر فرمایا:۔

''از فضل رحمٰن۔ سلام علیکم دعائے خیر نمودم''

بہت دن تک تو وہ خط میرے پاس تبرکا رہا۔ پھر میں نے ایک شخص کو دے دیا لیکن جواب کے الفاظ بجنسہ اب تک ذہن میں محفوظ ہیں اپنے ہی قلم مبارک سے جواب تحریر فرمایا تھا مولانا کا خط بہت اچھا تھا نام میں الف لام تحریر نہیں فرمایا تھا میں نے سنا ہے کہ یہ تاریخی نام ہے (فضل رحمٰن کے عدد ۱۲۰۸ ہوتے ہیں۔ جامع ۱۲)

رحمٰن کو بھی بلا الف کے تحریر فرمایا تھا اور السلام علیکم کو بھی بلا الف کے حرف تنوین کے ساتھ تحریر فرمایا تھا مولانا کے بعض ملفوظ میں نے اوروں سے بھی سنے ہیں ایک تو یہ کہ ایک بار مولانا سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ اور معاملات میں تو صرف دو گواہ کافی ہیں لیکن زنا میں شرعاً چار گواہوں کی ضرورت ہے مولانا نے برجستہ کہا کہ وہ فعل دو شخصوں کے متعلق بھی ہے 'ہر ایک کے لئے دو دو گواہ ہو گئے۔ ایک تو یہ سنا۔ ایک یہ سنا کہ کسی نے پوچھا کہ مفقود کی عورت کے متعلق کیا شرعی حکم ہے؟ حضرت نے اس مسئلہ میں جو حنفیہ کا مذہب ہے وہ بتلا دیا اس نے کہا کہ اس میں تو حرج بہت ہے فرمایا کہ ہاں جی ہاں بہت حرج ہے اور جہاد میں اس سے بھی زیادہ حرج ہے اسے بھی اسلام کے نکال دو۔ بلکہ جس قدر احکام اسلام کے ہیں سب ہی میں بڑا حرج ہے لہٰذا اسلام ہی کو خیر باد کہہ دو بڑا اچھا جواب دیا یوں سنا ہے کہ اول مولانا' شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے تھے مگر تھوڑے ہی دن پڑھ کر واپس تشریف لے آئے جب رخصت ہونے لگے تو شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ بھائی اس قدر جلدی کیوں جاتے ہو مولانا نے جواب دیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہی تھی اس کے بعد دوبارہ

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کے لئے دہلی تشریف لائے اور ان سے بہت دن تک پڑھتے رہے اس مقام پر حاضرین میں سے ایک نے یاد دلایا کہ پٹاخوں کا قصہ بھی تو آپ کے سامنے ہوا تھا فرمایا جی ہاں دوسری حاضری میں ہوا تھا میں نے قصداً اس کو چھوڑ دیا تھا کہ معاند اور بد فہم اس کو بھی کہیں برائی پر محمول نہ کرلیں یا مولانا کے اس فعل سے آتش بازی کا جواز نہ ثابت کرنے لگیں) دوسری حاضری میں ایک روز مغرب کے بعد مکان میں سے پھٹ پھٹ کی آواز آئی مولانا کے پوتے یہ جو اس وقت سجادہ نشین ہیں پٹاخے چھڑا رہے تھے مولانا نے فرمایا ارے یہ کیا ہو رہا ہے خادم نے عرض کیا کہ پوتے صاحب پٹاخے چھڑا رہے ہیں فرمایا ارے پٹاخا کیا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اتنی عمر ہو گئی اور یہ خبر بھی نہیں کہ پٹاخہ کیا ہوتا ہے سبحان اللہ کیسے بے تعلق تھے یہ حضرات دنیا سے خدام نے عرض کیا کہ حضرت پٹاس اور منسل اور بارود کو کاغذ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اوپر سے جوڑ دیتے ہیں اور اندر تاگا رکھ کر ایک سرا باہر نکال دیتے ہیں پھر اس کو آگ لگا دیتے ہیں پھر تو اس سے بہت زور کی آواز پیدا ہوتی ہے فرمایا اچھا ہم نے کبھی نہیں دیکھا ہم بھی دیکھیں گے منگاؤ میاں رحمتہ اللہ صاحب بلوائے گئے انہوں نے کہا کہ وہ تو ختم ہو چکے یہ سن کر حضرت نے بہت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ پھر ہم کس طرح دیکھیں گے عرض کیا گیا کہ حضرت بازار میں بہت ملتے ہیں فرمایا اچھا تو ہمارے لئے لاؤ۔ اور تکیہ کے نیچے سے خود پیسے نکال کر خادم کے حوالے کئے جب وہ لے آیا تو میاں رحمتہ اللہ بلائے گئے اور ان سے کہا گیا کہ چھڑاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایک پٹاخہ چلایا تو پھٹ سے آواز آئی۔ مولانا ڈر گئے اور زور سے فرمایا ہائے ری اور یہ فرما کر پیچھے کو ہٹ گئے۔ دو تین پٹاخوں کے بعد فرمایا۔ بس بھائی بس جاؤ اب ہمیں ڈر لگتا ہے۔ جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامتہ مدظلہ العالی نے اس جلسہ میں تو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے متعلق اسی قدر فرمایا تھا لیکن ایک بات مجھ کو وہ بھی یاد آ گئی جو ۱۳ رمضان کو اتوار کے دن نماز ظہر کے بعد حضرت مولانا ہی کے متعلق فرمائی تھی کہ حضرت مولانا نے ایک بار حدیث شریف کا سبق پڑھا کر یہ شعر پڑھا تھا

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم :: الاحدیث یار کہ تکرار مے کنیم

اس شعر کے لطف کو لفظ حدیث نے دوبالا کر دیا اور سنا ہے کہ ایک مرتبہ مولوی محمد شفیع صاحب بجنوری نے حج کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا شرائط حج کی بھی خبر ہے یا ویسے ہی حج کا ارادہ کر لیا۔ حضرت مولانا کا مطلب یہ تھا کہ زادوراحلہ و نفقہ اہل وعیال بھی ہے یا نہیں۔ مولوی محمد شفیع صاحب نے عرض کیا حضرت جی ہاں شرائط کی خبر ہے۔ فرمایا کیا خبر ہے۔ انہوں نے جواب میں حضرت خواجہ حافظؒ کا یہ شعر پڑھ دیا۔

درره منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں :: شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

حضرت مولانا نے یہ شعر سن کر ایک پرجوش نعرہ لگایا لیکن فوراً ہی سنبھل گئے فرمایا کہ سب واہیات ہے جو شریعت نے فیصلہ کیا وہی برحق ودرست ہے۔ آخر شیخ تھے متاثر بھی ہوئے اور فوراً ہی اصلاح بھی فرمادی (ولنعم ما قیل)

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق :: ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

(از ملفوظات حضرت حکیم الامت دام فیوضہم)

رسالہ از صدق المتین فی جواب رسالہ ہوالحق المتین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداد مصلیاً ومسلماً اما بعد جس رسالہ اشرف التنبیہ کو احقر نے ارواح ثلاثہ کا جزو بنایا ہے اس پر محمد بشیر صاحب صدیقی میرٹھی نے اپنے رسالہ "ہوالحق المبین" میں غلط فہمی یا عناد کی وجہ سے کچھ اعتراضات کئے ہیں جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ حضرت حکیم الامتہ مدظلہ العالی نے (معاذاللہ) حضرت نے مولانا گنج مرادآبادی کے خلاف اشرف التنبیہ میں کچھ باتیں لکھی ہیں۔ ان اعتراضات کے جوابات ہمارے محترم جناب مولانا حکیم نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم متوطن خانقاہ مانک پور ضلع پرتاپ گڈھ نے نہایت متانت ودیانت سے تحریر فرمائے ہیں جو اخبار

العدل ''میں احقر کی نظر سے گذرے۔احقر نے تعمیماً للفائدہ مناسب سمجھا کہ رسالہ ہٰذا میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کی حکایات کے بعد ان جوابات کو بھی شائع کر دیا جاوے۔اور احقر معترض صاحب سے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ

گفتگو آئین درویشی نبود :: ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

(بندہ ظہور الحسن غفرلہ)

جواب از حضرت حکیم صاحب موصوف

ہر کس از دست غیر نالہ کند :: سعدی از دست خویشتن فریاد

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے پیرومرشد سے بڑھ کر زمانہ حال میں کسی اور کو زیادہ بزرگ نہیں جانتا۔ مولف رسالہ ہوالحق المبین محمد بشیر صدیقی میرٹھی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی کے ایک رسالہ اشرف التنبیہ سے مجذوب وغیرہ الفاظ اور واقعات کو لے کر حضرت گنج مراد آبادی کی شان میں توہین آمیز سمجھ کر یہ رسالہ شائع کیا۔ طرز تحریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مولف صاحب کو مولانا تھانوی سے ایسی سوء عقیدت ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے بزرگوں کو بھی نشانہ ملامت بنایا اور بیجا شور اور بے چینی لوگوں میں پیدا کر دی۔ کاش کہ اشرف التنبیہ کی پوری عبارت نقل فرماتے تو اہل فہم کو رائے قائم کرنے میں آسانی ہوتی میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ میں کس بزرگ سے سلسلہ رکھتا ہوں سنئیے یہ ناچیز اور میری والدہ اور عم بزرگوار اور دیگر خاص اعزہ حضرت گنج مراد آبادی کے خادم ہیں میرا قیام بزمانہ طالب علمی لکھنوء میں زیادہ رہا۔ حضرت کی خدمت میں گنج مراد آباد اکثر حاضر ہوا نیز قیام بھی کیا۔ والد صاحب مرحوم دہلی میں انسپکٹر تھے میں مشکوٰۃ شریف اور نصف ترمذی شریف پڑھ چکا تھا کہ والد صاحب علیل ہوئے میں نے حاضری کی اجازت چاہی۔ جواب آیا کہ ضرورت نہیں۔ اور یہ لکھا کہ میری روح تم سے جب ہی خوش ہو گی کہ تم فقہ وحدیث ختم کر لو گے۔ دوسرا خط انتقال کا آیا وطن گیا تو والدہ صاحبہ نے زور دیا کہ تم ملازمت کرو بغیر اس کے کام نہ چلے گا۔ سپریڈنٹ صاحب جناب والد مرحوم سے بہت خوش تھے

ہید کا نسٹیبل کرنے کو تیار تھے میں عجب کشمکش میں پڑا کہ والدہ صاحبہ کی تعمیل کروں یا جناب والد صاحب مرحوم کی وصیت پر عمل کروں فیصلے کیلئے گنج مراد آباد حاضر ہوا جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے ایک روز حضرت مولانا نے مولانا کانپوری سے فرمایا کہ تم منطق اور فلسفہ کے پیچھے پڑے ہو قاضی مبارک کی قبر کو دیکھو اور ایک فقیر کی قبر کو دیکھو تو حقیقت معلوم ہو۔ مولانا کانپوری اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ تدریس حدیث شریف شروع کر دی مجھ کو اس کی خبر ہو چکی تھی لہٰذا میں نے گنج مراد آباد حاضر ہو کر اپنے مرشد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے پہلے یہ عرض کیا کہ سنا ہے حضور نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے پڑھا ہے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کہ حدیث شریف سن کر اجازت دیجئے تو برکت حاصل ہو مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں سن کر فرمایا کہ اجازت دیتا ہوں اور عمل کی تاکید فرمائی بزمانہ طالب علمی اس وقت تک کھانے کا انتظام بطور خود تھا دس روپیہ ماہوار والد صاحب مرحوم دیتے تھے اور اب والدہ صاحبہ نے انکار کر دیا کہ ملازمت نہ کرو گے تو خرچ نہ دوں گی۔ میں نے سوچا کہ کانپور کے مدرسہ میں خرچ ملتا ہے کسی کے دروازہ پر کھانا لینے کو جانا نہیں پڑتا طبعی امر ہے کہ جو کام انسان کیلئے نہیں ہوتا وہ مشکل معلوم ہوتا ہے مجھ کو شرم معلوم ہوتی تھی کہ کیسے کسی کے دروازہ پر برتن لے کر کھانا لینے کو جاؤں گا۔ جو مدارس میں دستور ہے خیال ہوا کہ جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری حضرت گنج مراد آبادی کے معتقد ہیں حضرت گنج مراد آبادیؒ سے ایک خط مولانا کانپوری کے نام لکھوالونگا تو توجہ سے حدیث ختم کرا دیں گے لہٰذا حضرت نے عرض کیا کہ یہ میری سرگذشت ہے حضور ایک خط مولانا کانپوری کے نام لکھ دیں وہ حدیث ختم کرا دیں فرمایا کہ تم گنگوہ جاؤ دوبارہ عرض پر فرمایا کہ ایک میں ہوں اور دوسرے رشید احمد تیسرے ایسا کوئی اور مل جائے تو ظلمت فلسفہ دور ہو جائے تم گنگوہ ہی جاؤ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید پر خیال کر کے گنگوہ حاضر ہوا حضرت مولانا گنگوہی نے میرے کھانے کا انتظام کرنا چاہا میں نے عرض کیا کہ میرے لئے نہ کیجئے اور میں

نے تین ماہ کا خرچ خوراک پکانے والے کو اس لئے دیدیا کہ خرچ کم ہے یہ بھی صرف نہ ہو جائے اب تو تین ماہ کھانے سے اطمینان ہو گیا مولانا گنگوہی نے دریافت کیا کہ کیا خرچ ماہوار تمہارا آتا رہے گا اس کا صاف صاف جواب میرے پاس کیا تھا، مجمل عرض کیا حضرت موصوف نے مولانا مسعود احمد صاحب مد ظلہ العالی سے فرمایا کہ ان کا کھانا بیٹا کے یہاں مقرر کر دو جہاں سے روزانہ آدمی کھانا لا کر کھلا جاتا تھا کچھ دنوں بعد حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ تم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو جانتے ہو (یہ سنتے ہی مجھے حس ہوا کہ کھانے کا یہ انتظام حضرت گنج مراد آبادی کا طفیل ہے حالانکہ جب بیٹا کے یہاں کھانا مقرر ہوا تو طلبہ وغیرہ پوچھتے تھے کہ کیا تم مولانا محمود حسن صاحب وغیرہ کا خط لائے ہو جو خاص جگہ کھانا مقرر ہوا ہے) میں نے عرض کیا کہ کیا حضور سے ملاقات ہے فرمایا ملاقات ہی سی ہے حضرت استاذی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے حضرت مولانا استاذی گنگوہیؒ سے محض مطالب حدیث کے متعلق استفسار فرمایا تھا اس وقت تک یہ خطوط موجود تھے۔ القاب میں بزرگانہ الفاظ تھے ایسی صورت میں اپنے مرشد جامع شریعت وطریقت اور حضرت لکھنوی کے خلاف میں کس زبان سے حضرت گنگوہیؒ کو (معاذ اللہ) برا کہوں اور کس سیاہ قلب سے برا جانوں مولف صاحب کو ہمارے حضرت گنج مراد آبادیؒ کی صحبت کیا اثر کا اتفاق نہیں ہوا وہ تو کسی کو برا نہیں فرماتے تھے ایک روز میں نے غور کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نہ معلوم کس درجہ کے بزرگ ہیں جو حضرت مرشدی ایسی تعریف فرماتے ہیں خواب دیکھا کہ حضرت فخر عالم و آدم ﷺ تشریف لئے جاتے ہیں اور حضرت گنگوہی ان کے پیچھے قدم بقدم جارہے ہیں (سبحان اللہ) کیا شان تھی کیا شان جناب مولف صاحب (خدا محفوظ رکھے) کاذب پر لعنت آتی ہے اور جھوٹ صرف اسی کا نام نہیں کہ خلاف واقعہ بیان کرے بلکہ بلا تحقیق سنی سنائی باتوں کو بیان کرے وہ بھی جھوٹ ہے کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع۔ آمدم بر سر مطلب (اب مولف صاحب کے اعتراضوں کا صحیح جواب ملاحظہ ہو) (ا۔ صفحہ ۴) اعتراض اول) رسالہ اشرف التنبیہ میں اعلیٰ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو غیر منتظم ثابت کرنے کی کوشش کی

الخ جواب مولانا تھانوی سلمہ 'زبدہ' کے کلام میں شائبہ تک بھی نہیں جس کے یہ معنی ہوں کہ غیر منتظم ثابت ہونے کی کوشش کی گئی ہے صحیح صحیح واقعہ ہے جو میرا مشاہدہ ہے اہل فہم ناظرین کے لئے اصل عبارت اشرف التنبیہ کی نقل کرتا ہوں۔

حکایت (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیادار بھی منتظم اور غیر منتظم دنیا میں دونوں قسم کے ہوتے ہیں بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے اور بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا ہے مولانا فضل الرحمٰن کے یہاں حساب کی کوئی یادداشت ہی نہ تھی۔ ایک بقال کے یہاں سے سامان آتا تھا۔ جو وہ بتلا دیتا تھا وہ آپ دیدیتے تھے آپ کچھ پوچھتے ہی نہ تھے۔ اور ہمارے مولانا گنگوہی نے جو وصیت نامہ لکھا ہے تو اس میں یوں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمے میں قرض نہیں ہوا کرتا ہے حالانکہ مولانا کے یہاں بھی اول اول فاقے ہوئے ہیں مگر منتظم بڑے تھے۔ (اشرف التنبیہ)

جناب میرٹھی صاحب! ہر بے انتظامی تو نقص نہیں ہے جس عدم انتظام کا یہاں ذکر ہے یہ تو زیادہ بزرگی کی دلیل ہے کہ اموال و متاع سے قلب کو کوئی تعلق نہیں تھا اس کی بھی پرواہ نہ تھی کہ بقال کے پاس حق واجب سے زیادہ نہ چلا جائے پس جب شروع ہی کلام میں تصریح ہے کہ بزرگوں کی دو قسمیں ہیں منتظم اور غیر منتظم' اور اقسام پر مقسم کا صادق آنا ضروری ہے تو بزرگی کی تو اس میں تصریح کر دی پھر تنقیص کا احتمال کہاں رہا۔

نمبر ۲ (صفحہ ۱۵ اعتراض دوم) مولانا اشرف علی صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مجذوب تھے مگر بات کیسی عمدہ فرمائی (مولانا تھانوی) نے اس مقام پر نیز صفحہ ۱۹ و صفحہ ۲۵ میں قطب الاقطاب گنج مراد آبادی کی شان میں مجذوب کے لفظ سے تنقیص کی یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ مجذوب بے تکی ہانکا کرتے ہیں۔

جواب اب تک نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ :: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ان حکایتوں میں مجذوب کا لفظ ضرور ہے اس سے تنقیص سمجھنا اور مجذوب کا بے تکی ہانکنا یہ آپ (مولف) کی سمجھ کا بے تکا

پن اور حسد و عناد ہے۔ مولانا تھانوی نے حضرت گنج مراد آبادی کے نام نامی پر جابجا رحمتہ اللہ علیہ اور کسی حکایت میں مولانا فضل الرحمٰنؒ کو مجذوب صاحب حال لکھا۔اور کہیں یہ لکھا کہ ان حضرات کے اندر عقل کامل بھی ہوتی ہے۔یہ لوگ ہیں عرفاو عقلاء۔ان اوصاف کے ساتھ یہ بھی لکھا، حالانکہ مجذوب تھے مگر یہ بات کیسی حکمت کی کہی الخ۔ مولف صاحب کی فہم سقیم الفاظ کے معنی سمجھنے میں اگر یہی ہے تو عجب نہیں کہ کلام مجید سے "نادانا نوح" کا ترجمہ یہ فرمائیں کہ معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام نادان تھے آپ مولانا تھانوی سے اعتراض دوم کے تحت میں سوال کرتے ہیں کیا مجذوب مطلق کے اندر یہ صفات (متذکرہ مولف) آپ دکھا سکتے ہیں جب مولانا نے مجذوب لکھا ہی نہیں تو جواب کیا دیا جائے اہل علم و فہم تو مجذوب کو بزرگ ہستی جانتے ہیں ان کی شان والا میں بے تکی ہانکنے کا خیال تک سخت بے ادبی جانتے ہیں آج آپ (مولف صاحب) کا عقیدہ معلوم ہوا کہ آپ معاذ اللہ مجذوب کو پاگل جانتے ہیں سنیے مجذوب ہونا نقص نہیں، ایک شان ہے بزرگی کی بلکہ بعض وجوہ سے اپنے مقابل ہمعصر مسلمان سے افضلیت ہے وہ یہ کہ ان حضرات کو مشاہدہ محبوب میں ہر وقت استغراق رہتا ہے اور ایسی حالت میں جو علوم ان سے ظاہر ہوں گے وہ محض الہامات اور موہوب ہوں گے قوت فکریہ کا نتیجہ نہ ہوگا۔ تو یہ کمال ہے نہ نقص۔مزید یہ کہ مولانا تھانوی کے کلام میں خود اس کی تصریح ہے کہ ان حضرات میں عقل کامل بھی ہوتی ہے جس میں صاف صاف دلالت ہے کہ مجذوبیت اور عاقلیت میں تنافی نہیں بلکہ مجذوبیت خود سنۃ اللہ میں کمال عقل کو متلزم ہے۔**اللھم احفظنا من التعامی**

حضرت گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ فتاویٰ کے جواب میں اور تعلیم حدیث وغیرہ میں مفتی، محدث مدقق تھے اور استغراقی حالت میں محویت الی المحبوب فتووں کا جواب (اگر چہ سوال اردو میں ہو) فارسی ہوتا تھا۔ایک شخص نے لکھا کہ سوم (تیجا وہم، چہارم وغیرہ کرنا کیسا ہے۔جواب آیا کہ "اس امور در شرع شریف وارد نہ شدہ" فضل رحمٰن

اکثر قرآن مجید تصحیح فرما کر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔چوتھا پارہ آپ دیکھ رہے تھے جب **قل ان کنتم**

تحبون اللہ فاتبعونی پر ایک شخص کی نظر پڑی تو عرض کیا اس کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا حضور کو یہ حکم خداوندی ہوا کہ تم کہدو کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری چال چلو"۔ انتہی۔ یہ میرے چشم دید واقعات ہیں۔ مولانا تھانوی کی ملاقات میں استغراقی حالت غالب ہوگی اسلئے مجذوب لکھ دیا۔ پھر محض مجذوب نہیں لکھا جو صفات علمی و فضائل و کمالات تھے ان کو بھی ذکر فرمایا۔ اسی مقام پر فرمایا کہ مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔ مولف صاحب صفت حکمت حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان سے ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں ارشاد خداوندی ہے واتاہ اللہ الملک والحکمۃ قرآن مجید میں ہے ومن یوتی الحکمۃ الخ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جو کوئی حکمت دیا گیا پس تحقیق وہ خیر کثیر دیا گیا۔ مولانا تھانوی کے لسان و جنان میں حضرت گنج مراد آبادیؒ کی جو عظمت ہے اس کا عشر عشیر بھی آپ کو نصیب نہیں

دعویٰ کیا تھا گل نے کل تیرے رنگ وبو کا :: دھولیں صبا نے ماریں شبنم نے منہ پر تھوکا

رسالہ ہوالحق المبین کے صفحہ ۹ کے نوٹ میں لکھا ہے کہ ہم نے اپنے اعتقاد کی بنا پر حضرت شاہ امداد اللہ صاحب کا نام نامی استناداً پیش کیا ہے۔ آپ (مولانا تھانوی) کے نزدیک تو شاید انکا نام لینا بیکار ہو اسلیے کہ آپ اور آپ کے گرو گنگوہی صاحب تو حضرت حاجی صاحب کو جاہل لکھ رہے ہیں (تذکرۃ الرشید حصہ اول الخ) مولف صاحب کو اپنی زبان کو فوارہ لعنت اور وہان کو سنڈاس بنانا مبارک رہے تہذیب مذہبی وتربیت مرشدی مانع نہ ہوتی تو جواب ترکی بترکی سے عاجز نہ تھا۔ علیہ مایستھقہ مولف کی فہم سقیم کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ تذکرۃ الرشید کا سمجھنا جاہل کا کام نہیں ہے محض جہلا کو خوش اور خوش کرنے کیلئے مولف صاحب اپنے کو حضرت حاجی صاحبؒ کا معتقد بناتے ہیں ورنہ محض نفاق ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کو شان میں حضرت حاجی صاحبؒ ضیاء القلوب میں تحت عنوان کلمات دو پند وصیت ارشاد فرماتے ہیں "ونیز ہر کس ازیں فقیر محبت و عقیدت وارادت دارو مولوی رشید صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمار ند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد

کہ اوشاں بجائے من و من بمقام اوشاں شدم و صحبت اوشاں راغنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں وریں زماں نایاب اندہ واز خدمت ایشاں بابرکت فیضیاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر شاں تحصیل نمایند انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند اللہ تعالیٰ در عمر ایشاں برکت دہاد واز تمامی نعماء عرفانی و کمالات قرب خود مشرف گرداند و مراتب عالیات رسانا دواز نور ہدایت شاں عالم رامنور گرداناو و تا قیامتہ فیض اوشاں جاری داراد۔ بحرمتہ النبی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم والا مجاد۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ حضرت گنگوہیؒ کی عظمت حضرت حاجی صاحب کے نزدیک کس قدر ہے کوئی جاہل سے جاہل اور احمق سے احمق بھی حضرت کا معتقد ہوکر حضرت گنگوہیؒ کو برا نہیں کہہ سکتا۔

اعتراض سوم صفحہ ۹ پر مولف نے لکھا ہے کہ جہاں حاجی صاحبؒ قیام فرماتے تھے معتبر سنا گیا ہے کہ تھانوی نے اس جگہ پائخانے بنوائے ہیں۔ عیاذاًباللہ۔

جواب :۔ مولف کا اصل مقصد تو اعتراض ہے گو کیسی ہی کذب صریح مشاہدہ کے خلاف ہو اس سے بحث نہیں۔ حضرات ناظرین جاکر مشاہدہ فرمالیں کہ حضرت حاجی صاحب کا حجرہ اصلی صورت پر اب تک موجود ہے بلکہ اس کی چوکھٹ دکواڑ تک مولانا تھانوی کو بدلنا گوارا نہیں ہوا حالانکہ بدلنے کی حاجت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حجروں میں تنگی تھی۔ اس زمانہ کے پائخانہ کو حجرہ بنوا دیا اور پائخانہ دوسری جگہ بنوادیا۔ اب فرمائیے کہ حجرہ کا پائخانہ بنوایا ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) یا پائخانہ کا حجرہ۔ جیسا کہ مؤلف صاحب بے تکی ہانکتے ہیں کہ حجرہ کا پائخانہ بنایا ہے۔ **لعنتہ اللہ علی الکاذبین**۔

اعتراض چہارم صفحہ ۱۰ اس روایت میں مولوی صاحب گنگوہی کا تقویٰ سند حدیث دینے میں احتیاط کرنا اور حضرت مراد آبادیؒ پر اعتراض جوڑا گیا ہے کہ وہ سند حدیث دینے میں غیر محتاط تھے اور فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرماتے تھے نیز ان کے بعض مریدین کو ڈاڑھی منڈا کہہ کر غیر متشرع بنایا اور اس کا الزام حضرت مولانا قدس سرہ پر لگایا اس جہالت کا کیا ٹھکانا ہے

جواب :۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب مولانا گنج مراد آبادی کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد حافظہ بہت اچھا تھا مگر ڈاڑھی منڈاتے تھے مگر ڈاڑھی والوں کی مذمت کیا کرتے تھے یہ مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث کی سند لینے آئے مولانا نے فرمایا کہ آپ کو سند حدیث دینا جائز نہیں ہے بس فوراً چلے گئے اور مولانا گنج مراد آبادی سے جا کر سند لے لی اور حضرت گنگوہیؒ کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تھی تو کیا ہم کو ملی نہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنج مراد آبادی کے یہاں غلبہ استغراق کے سبب ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا۔ کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی ورنہ فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا۔ بس اسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار ڈاڑھی منڈے مرید تھے اور اس پر التفات نہ تھا۔ مولانا مجذوب تھے۔ (اشرف التنبیہ)

ناظرین غور کر لیں اس عبارت میں اعتراض اور الزام کا کوئی لفظ نہیں ہے حضرت گنگوہی کا مقولہ نقل فرمایا ہے جن کی کمال بزرگی کی تصدیق حضرت حاجی صاحب فرما چکے ہیں۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ میں نے بھی بزرگوں کا طرز عمل مختلف دیکھا ہے ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است۔ بعض حضرات نے یہ خیال فرما کر کہ اگر مرید نہیں کرتے تو کسی جاہل بے دین کا مرید ہو کر فاسد العقیدہ تک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا نام بتلادیں اس کی برکت سے اصلاح ہو جائے۔ کیا عجب ہے۔ اور بعض حضرات یہ خیال فرما کر جب اس کی گواہی شرعاً مقبول نہیں ہم کیوں رعایت کریں امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر بزرگ فرماتے ہیں اس سے مولانا کو کب انکار ہے غلبہ استغراق میں معذور ہیں۔ حضرت گنج مراد آبادی پر اعتراض کب فرمایا ہے یا الزام کب دیا ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مولف صاحب معترف ہیں اور حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی کے سخت مخالف۔ حالانکہ یہ سب حضرات مسلکاً و مشرباً و مذہباً کنفس واحدۃ فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ کذب صریح ہے۔

ایک اور الزام۔ مولف صاحب اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں مولوی صاحب گنگوہی کی سند حدیث میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اسماء گرامی موجود ہیں اور ان کا شجرہ طریقت حضرت حاجی صاحب سے چلتا ہے اور یہ تینوں حضرات محفل میلاد شریف میں شریک ہوتے خود کرتے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پڑھتے تھے جیسا کہ متعدد تحریرات سے ثابت ہے الخ۔

جواب:۔ حضرت حاجی صاحب کی تحریر میں ضرور لکھا دیکھا ہے کہ مجھ کو قیام میں لذت آتی ہے اگر آپ سچے ہیں تو کسی معتبر کتاب یا تحریر میں دکھلائیے کہ یہ تینوں حضرات میلاد شریف خود کرتے تھے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے محض میلاد شریف کا ثبوت نہ ہو دونوں باتیں ہوں کہ ورنہ مولف صاحب جہلاء کے خوش کرنے کے لیے ناحق جھوٹ بول کر مورد لعنت بنتے ہیں ہمارے حضرت گنج مراد آبادیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ارشد شاگرد تھے مگر ہمارے حضرت کے یہاں نہ کبھی مولود شریف مروجہ ہوا نہ پیران طریقت کا عرس ہوا ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں مولود شریف نہیں ہوتا فرمایا روز ہوتا ہے اور کلمہ طیبہ پڑھا اور فرمایا کہ اگر آنحضرت ﷺ مولود نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کیوں پڑھتے ایک مولود خواں نے میرے سامنے عرض کیا کہ مولود شریف کرنا کیسا ہے فرمایا کہ اولیائے کرام کے ذکر میں رحمت نازل ہوتی ہے آنحضرت کے ذکر کو سبحان اللہ کیا کہنا ہے بخاری شریف وغیرہ سے صحیح صحیح روایتیں پڑھے۔ پھر قیام میلاد کو پوچھا تو فرمایا کہ تم جھک مارتے ہو (جھک مارنے کا لفظ بالکل صحیح ہے باقی الفاظ بھی معنیٰ صحیح ہیں) ایک غیر مقلد نے قیام میلاد کو پوچھا فرمایا آنحضرتؐ کی محبت میں جو وجد کرے مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مولف صاحب حکیم امت کی یہی شان ہے کہ جیسا سائل مریض ہو ویسا جواب عطا ہو۔ معلوم ہوا کہ جو حضور پرنورؐ سے نہ ثابت ہو نہ صحابہ کرام کا فعل ہو نہ ائمہ مجتہدین کا قول کتب معتبرہ فقہ میں منقول ہو اس پر وجوب

وسنت و مستحب کا شرعی حکم کیا دیا جائے بزرگوں کا فعل ہے تشبہ بالصالحین کے طور پر قیام کرنا مستحسن بعض اہل علم وطریقت سمجھے جو صاحب حال ہو کر مجبۃً قیام کرتے ہیں ان کو لذت حاصل ہوتی ہے جیسے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ ہمارے حضرت گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ بھی چونکہ جامع شریعت وطریقت تھے شرعی حکم کچھ نہیں دیا وجدانی طور پر فرمایا کہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مولف صاحب نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا قول استناداً پیش کیا ہے اور محدث مانتے ہیں لہٰذا میلاد تشریف اور قیام میں ان کا فتویٰ بھی نقل کئے دیتا ہوں۔ حضرت استاذی مولانا عبدالحی صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

"سلمنا کہ وجود ذکر مولد در زمانے ازمنہ ثلثہ نبود پس میگویم کہ در شرع ایں قاعدہ ثابت شدہ۔ **کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب** وذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوب او داده خواہد شد و نیز ہمیں مسلک فقہائے متجرین است و اہل فتاویٰ مستنبطین مثل ابو شامہ وحافظ ابن حجر و سیوطی وشامی و امثال آں رفتہ اند و حکم بہ مندوب ذکر مولد دادہ اند۔ حاصل مرام اینکہ ذکر مولد فی نفسہ امریست مندوب خواہ بسبب وجود او در خیر الازمنہ سبب اندراجش زیر سند شرعی و کسے ندبش را منکر نہ نشدہ مگر یک طائفہ قلیلہ کہ رب النوع آں طائفہ تاج الدین فاکیانی مالکی است و او را طاقتے نیست کہ بمقابلہ علمائے مستنبطین کہ فتویٰ ندب ذکر مولد داد ند کند پس قولش دریں باب معتبر نیست۔ آرے اگر بحقیقت ذکر مولد کہ سابقاً گذشت۔ تحقیقات غیر مشروعہ وتشریعات غیر ماموره منضم شوند حکم ندب آں باقی نخواہد ماند لیکن ایں امریست دیگر در نفس جواز مولد شیئے نیست فقط واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (مختصراً از مجموع الفتویٰ) قیام کے متعلق بھی حضرت کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں "اگر کسی دراں وقت بحال وجد صادق بے ریا وتصنع استاده شود معذور است از آداب صحبت است کہ حاضرین اتباع او سازند و بغیر حال وجد باختیار خود استاده شدن نہ فرض است ونہ واجب ونہ سنت موکدہ ونہ مستحب بمعنی عرفی شرعی زیرا چہ از آنحضرت ﷺ منقول نہ شدہ ونہ در قرون ثلثہ کہ

مشہور دلہا بالخیر اندبو دامام غزالی رحمتہ اللہ علیہ دراحیاء العلوم می فرمایا روی انس رضی اللہ عنہ انہ کان الصحابۃ لایقرمون لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الاحوال لیکن علمائے حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً قیام می فرمایند وامام برزنجیؒ وررسالہ مولد مینویسد فقد استحسن القیام عندذکر مولودہ الشریف آئمۃ ذورایۃ فطوبی لمن کان تعظیمۃ ﷺ غایۃ مرامہ ومرماہ انتہی (مجموعۃ الفتاویٰ) (نوٹ) اگر فہم سلیم ہوتی تو فتاویٰ رشید یہ کو غلط نہ سمجھتے۔

اعتراض پنجم۔ رسالہ اشرف التنبیہ میں مولانا تھانوی نے ایک حکایت نقل کی ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت اقدس مولانا گنج مراد آبادی کا کشف دائمی نہ تھا اور ضمناً حضرت کی نظر ظاہر پر بھی اعتراض ہے کہ بالوں والی ٹوپی اوڑھے ہوئے شخص کو دیکھ کر فرمایا (کہ ارے ننگے سر نماز پڑھتا ہے) الخ

جواب۔ مولف صاحب نے قرآن مجید سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ کسی عالم سے سنا ہوتا یا کم از کم گلستان پڑھی ہوتی اور حکیم سعدیؒ کا وہ قول دیکھا ہوتا جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقولہ نظم کیا ہے' تو اس قدر ظلمت جہل میں نہ پڑتے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم :: گہے برپشت پائے خود نہ بینم

کیوں مولف صاحب کیا حضرت سعدیؒ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تنقیص کی ہے۔ خود دوام کشف کی نفی فرمادی۔ بندہ خدا عقل کے دشمن نہ بنو۔ مخلوق خدا کو گمراہ نہ کرو۔ حضرت گنج مراد آبادی کی اس میں کیا تنقیص ہے اس میں تو کمال محویت و توجہ الی المحبوب کا اثبات ہے اللہ تعالیٰ تعامی سے بچائے۔ مولف صاحب نے جتنے اقوال سنداً تحریر فرمائے ہیں ان میں دوام کا ثبوت کب ہے۔

اعتراض ششم صفحہ ۱۸ اشرف التنبیہ حکایت (نمبر ۵۱) یہ واقعہ سراسر غلط اور محض دروغ اور افترا ہے حضرت اقدس کے ایک پوتے کی برات بلگرام سے سندیلہ گئی اور بلگرام گنج مراد

آباد شریف سے ۱۸ میل ہے پوتے صاحب مرحوم بلگرام اپنے ننہال میں رہتے تھے مولانا قبلہؒ اپنے ہی مقام پر رہے اور دوسرے دو پوتوں کی شادیاں حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہوئیں لہٰذا اس روایت کا بار ثبوت آپ کے (یعنی حضرت تھانوی عم فیوضہ کے ذمہ ہے)

(ہذا ہو الحق المبین کی عبارت ختم ہوئی)

الجواب۔ اشرف التنبیہ کی عبارت ملاحظہ ہو (حضرت تھانوی نے) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰنؒ پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا ایک مرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے پوچھا کہ یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پوتے کی شادی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا الخ اہل فہم ملاحظہ فرمائیں کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ جو عزیز باہر مقیم ہوتا ہے اس کی شادی کی خبر سن کر وطنی اعزہ شرکت کیلئے جاتے ہیں اگر اسی طریق پر لوگ جمع ہو کر جاتے ہوں تو کیا مستبعد ہے حضرت تھانوی اپنا مشاہدہ تو نہیں نقل فرماتے اور اگر کسی نے آپ سے غلط واقعہ بیان بھی کیا اور آپ نے اس کو سچا مسلمان (حسن ظن کے طریق پر) سمجھ کر اس کے قول کو صحیح سمجھ کر نقل فرما دیا تو افترا کیسے ہوا اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی تنصیص کیا ہوئی المرء یقیس علیٰ نفسہ کا مضمون ہے معترض صاحب چونکہ خود افترا کے عادی ہیں کہ دراصل پاخانہ کا تو حجرہ بنایا اور آپ برعکس بہتان باندھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت حاجی صاحب کا حجرہ پاخانہ بنایا گیا۔

اعتراض ہفتم صفحہ ۱۱۹ الخ۔ اشرف التنبیہ حکایت نمبر ۵۲۔ اس حکایت میں صرف اتنا سچ ہے کہ لفٹنٹ گورنر بہادر ایک مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ باقی اس واقعہ کے متعلق جتنی باتیں حاجی نے بیان کی ہیں اکثر دروغ اور افترا ہیں۔ الخ

الجواب۔ اصل عبارت اشرف التنبیہ ملاحظہ ہو (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ ایک مرتبہ لفٹنٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے کی اجازت چاہی آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا۔ اچھا ایک کرسی منگا

لینا۔ اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے یہاں تک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے موجود ہوئے سب کھڑے تھے ایک میم بھی کھڑی تھی مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا (انتہی بقدر ضرورت) معترض کا یہ بیہودہ اعتراض بھی مثل سابق اعتراض کے ہے جس کا جواب ظاہر ہے۔ معترض صاحب جو واقعہ لکھ رہے ہیں چشم دید تو ہوگا نہیں بہر حال سمعی ہے جس پر بعینہ یہی الزام عائد ہوتا ہے معترض نے اس اعتراض میں آگے چل کر حضرت تھانوی کو ایسے ناپاک الفاظ سے یاد کیا ہے کہ دیکھ کر قلب کانپ اٹھتا ہے۔

تکاد السموٰت یتفطرن من فوقھن سچ ہے

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد :: میلش اندر طعنہ پاکاں برد

میں جواب ترکی بترکی سے عاجز نہ تھا لیکن غلیظ قلب) میں ڈھیلا پھینک کر اپنے کو کیوں نجس کروں

دشنام بہ مذہبے کہ طاعت باشد :: مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

معترض اس اعتراض میں لکھتا ہے کہ ان کی (حضرت گنج مراد آبادیؒ کی)

تحصیص شان کے لیے گرھنت گھڑی بھی تو کیسی انگڑھ (ایک میم صاحب کھڑی تھیں مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا) **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** حضرت اقدس کا زہد وورع اس درجہ تک بڑھا ہوا تھا کہ آپ نے اپنی عمر بھر میں کسی غیر محرم عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا (انتہی)

اس معترض کی خود اوندھی عقل اور جہالت وضلالت ہے اردو کی عبارت تک تو خود نہیں سمجھتا اور کج فہمی سے سفید جھوٹ بولتا ہے اور بہتان باندھتا ہے یہ مولانا تھانوی نے کب لکھا ہے کہ حضرت مولاناؒ معاذ اللہ غیر محرم کو دیکھتے تھے کیا ہم کلام ہونا شرعاً مذموم ہے حضور پر نور ﷺ کے زمانہ میں تو عورتیں جواب دسوال کرتی تھیں اگر اہل علم کی صحبت معترض کو نصیب ہوتی تو حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ جو حضور پر نور کے ساتھ پیش آیا سنا ہوتا (دیکھو پارہ ۲۸) حضرت تھانوی نے بقول معترض مولاناؒ کی تحصیص شان نہ اشارۃً فرمائی نہ کنایۃً یہ معترض کا قصور فہم ہے۔ **لیس ھذا الاضلال المبین**۔

الحاق

احقر ظہور الحسن جامع اوراق ہذا عرض رسا ہے کہ دوران طبع جزء ہذا میں حاضری تھانہ بھون کا اتفاق ہوا وہاں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے نبیرہ صاحب کا (جن کا نام نامی خط ذیل کے ختم پر مذکور ہے) ایک خط جو حضرت حکیم الامتہ جناب مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم کے نام تھا اور اس کا جواب بھی جو حضرت حکیم الامتہ دام فیوضہم کی طرف سے لکھا گیا تھا نظر پڑا چونکہ کاتب یعنی نبیرہ صاحب موصوف بمصداق الولد سر لابیہ اور مکتوب یعنی ان کے خط کا مضمون بمصداق ع گفت انساں پارہ انساں بود۔ اپنی شان خاص سے حضرت قدس سرہ یعنی صاحب تذکرہ کے حکمانہ کرتے تھے اس لیے اس تذکرہ حکمی کو تذکرہ حسیہ کے ساتھ ملحق کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ وہو ہذا:۔

خط نبیرہ صاحب۔ محلہ درگاہ ملاواں ضلع ہردوئی ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ لا یرو القضا الا الدعا

اے لقائے تو جواب ہر سوال :: مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

مجدد العصر حکیم الامتہ مربی اعظم زاد اللہ مجدہ و متع اللہ المسلمین بطول بقایہ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ مدت دراز سے عرض حال کا ارادہ کر رہا ہوں مگر ہمیشہ یہ خیال مانع رہا کہ مستفید اور مستفیض میں کچھ نسبت تو ہونا چاہیے۔ کہاں ایک فقیر بینوا اور کہاں ایک عالی مرتبہ بزرگ ذیشان۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ بارہا عالم خواب و خیال میں حضور والا کی زیارت ہوئی مگر اس کو وہم و تخیل سمجھتا رہا۔ کل صبح عریضہ لکھنے کا قصد کیا معاً جناب والا کی شبیہ کو اپنے روبرو پایا کلمات تسکین و تشفی زبان عالی سے ادا ہوتے ہوئے سنے سوز و گداز نے عالم بے خودی پیدا کر دیا اور کچھ خبر نہ رہی۔ یہ آخری صورت اس طرح واقع ہوئی کہ باوجودیکہ تمام عمر مجھ کو زیارت اقدس کا اتفاق چشم ظاہر سے نہیں ہوا لیکن ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں امید ہے کہ شناخت کر سکوں۔ حضور اقدس کی خدمت میں بصد ادب مستدعی ہوں کہ میرے واسطے دعائے

خیر فرمادیں۔امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ابواب رحمت کھولدے اسلئے کہ

آں دعائے بیخوداں خود دیگراست :: آں دعازونیست گفت داوراست

آں دعاحق میکند چوں اوفناست :: آں دعا وآں اجابت ازخداست

واسطہ مخلوق نے اندر میاں :: بیخبر زاں لابہ کردن جسم وجاں

بندگان حق رحیم و بردبار :: خوئے حق دار ندر اصلاح کار

مہرباں بے رشوتاں یاری کناں :: درمقام سخت در روز گراں

مجھے یقین قطعی ہے کہ میری مشکل کو بجز ذات گرامی کے اور کوئی شخص سارے ہندوستان میں دفع نہیں کر سکتا اسلئے کہ میرے عقیدہ میں حضور والا ہی زمانہ موجودہ میں قطب الہند ہیں اور صحیح معنی میں اعلیٰ حضرت جد محترم مولانا فضل رحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کے قائم مقام اور جانشین ہیں اگر میرے حق میں دعا فرمائیں گے تو یقیناً باب رحمت فضل وکرم کھل جائے گا

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست :: فانی است وگفت اوگفت خداست

چوں خدا از خود سوال وگد کند :: پس دعائے خویشتن چوں رد کند

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ بھی قریب قریب اسی کے ارشاد فرماتے ہیں۔اے مجدد زماں بزرگان دین نے بے لوث اور بلا غرض ہمیشہ شکستہ دلوں کی دستگیری کی ہے۔مجھے امید ہے کہ میری مشکلات دینی ودنیوی آسان ہونے کے واسطے حضور والا بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں گے ورنہ کار صعب است مبادا کہ خطائے بکنم اپنی بے بضاعتی پر متاسف ومتحیر ہوں ورنہ خود حاضر خدمت عالی ہوتا۔جواب عریضہ سے مع خیریت مزاج عالی سرفرازی کا منتظر ہوں والسلام عریضہ ادب خاکسار محمد فیاض نبیرہ اعلیٰ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمتہ محلّہ درگاہ (ملاواں) ضلع ہردوئی۔

جواب :۔از حضرت حکیم الامتہ دام فیوضہم مکرمی سلمہ السلام علیکم نسبت کے مطابق جو لکھا ہے بڑی نسبت تو اسلام ہے جس کے اعتبار سے سب بھائی ہیں یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کون بڑا بھائی ہے

کون چھوٹا بھائی ہے خواب اگر وہم ہے تاہم علامت محبت ہے کبھی رائی کی طرف سے کبھی مرئی کی طرف سے کبھی دونوں کی طرف سے دعا کی جو خواہش کی ہے دل وجان سے دعائے صلاح وفلاح کرتا ہوں اگرچہ اس کا اہل نہیں لیکن دعا کیلئے خود اہلیت ہی شرط نہیں عجز ونیاز کافی ہے۔ آگے جو کلمات میری حیثیت سے زیادہ لکھے ہیں ان کو فال نیک میں داخل کیا جاسکتا ہے البتہ حضرت قدس سرہ کے ساتھ جو نسبت اپنے حسن ظن سے ظاہر فرمائی ہے اس کی نسبت تو یوں کہوں گا۔ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فال نیک بنادے تو رحمٰن کا فضل ہے دعا کا مکرر وعدہ کرتا ہوں اور اپنے لئے بھی دعا چاہتا ہوں والسلام

اشرف علی۔ از تھانہ بھون ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۲ء

الحمد للہ کہ رسالہ ہذا بخیر وخوبی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۲ء کو تمام ہوا۔

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبندیؒ کی حکایات

حکایت (۳۸۲) فرمایا کہ حاجی محمد عابدؒ ہمارے بزرگوں کے رفقاء میں سے ہیں میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب ان کی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ وہ اس وقت مہتمم مدرسہ کے تھے اس وقت ایک ڈپٹی بھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے اس وقت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے اسلئے ان سے کھڑے ہی کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ پھر میں گیا تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھنے لگے میں نے عرض کیا اس کی حاجت نہیں میں ویسے ہی عرض کرلوں گا۔ فرمایا تم اپنے آپ کو ڈپٹی صاحب پر قیاس کرتے ہو گے کہاں وہ دنیادار کہاں تم نائب رسول ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ شخص تھے جو اپنے مجمع میں سب سے اخیر درجہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

حکایت (۳۸۳) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلہ میں برا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش

ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا معاف کر دیجئے آپ نائب رسول ہیں اپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال اب توامید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے سچ ہے

حریفاں بادہا خوردند و رفتند :: تہی خمخانہا کردند و رفتند

حکایت (۳۸۴) فرمایا کہ میں نے دیوبند کے ایک انگریزی خواں سے سنا ہے کہ ایک شخص کا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں تھا یہ سہارنپور میں ڈپٹی تھے وہ شخص حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حاجی صاحب مجھے ایک تعویذ دیدو۔ میرا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں ہے۔ حاجی صاحب نے اس کو تعویذ دیا کہ اس کو پگڑی میں رکھ لینا جب یہ عدالت میں اجلاس پر پہنچا ڈپٹی صاحب نے کچھ سوال کیا تو اس نے کہا کہ ٹھہر جائیں دیوبند والے حاجی کا تعویذ لایا ہوں وہ لے آؤں پھر پوچھنا ڈپٹی صاحب اس پر ہنسے کیونکہ وہ عملیات کے معتقد ہی نہ تھے۔ جب وہ تعویذ لے آیا تو ڈپٹی صاحب سے کہا کہ اب پوچھ کیا پوچھتے ہے اور دیکھ حاجی صاحب کا یہ تعویذ رکھا ہے (پگڑی دکھلادی) ڈپٹی صاحب نے وہ مقدمہ قصداً بگاڑا لیکن جب فیصلہ لکھ کر پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہ موافق تھا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں معذرت کو حاضر ہوئے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عمل کا یہ اثر ہوتا ہے بعض اوقات معمول پر اس کا اثر ہوتا ہے تو دماغ صحیح نہیں رہتا۔ جب دماغ درست نہیں رہتا تو کام بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حکایت (۳۸۵) فرمایا کہ میرے ایک عزیز دیوبند کے رہنے والے کہتے تھے کہ میری پھوپی جب شروع میں دلہن ہونے کے زمانہ میں اپنے میکہ آئی تو انہوں نے اپنا دوپٹہ الگنی پر ڈال دیا اسے کوئی لے گئی۔ عورتیں بوجہ عقیدت کے اس زمانہ میں ایسی بے فکر تھیں بولیں کہ کچھ ڈر نہیں ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب سے کہلا بھیجو یہیں آجائے گا چنانچہ حاجی صاحب سے کہلا بھیجا۔ انہوں

نے ایک تعویذ دیگر فرمایا کہ الگنی ہی پر آجاوے گا۔ چنانچہ دوپٹہ وہیں آگیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسا سنا ہے کوئی جن وغیرہ تابع تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

جناب نواب وزیر الدولہ صاحبؒ کی حکایات

حکایت (۳۸۶) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب وزیر الدولہ پر غدر میں الزام تھا کہ انہوں نے بھی شاہ دہلی کے یہاں درخواست بھیجی تھی کہ جو کام میرے لائق ہو مجھے سپرد کیا جاوے میں خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ ابھی صفائی نہ ہوئی تھی کہ آگرہ میں وائسرئے کا دربار ہوا جس میں والیان ریاست اور روسا مدعو تھے اور مقصود اس سے والیان ریاست اور روسا کا امتحان تھا۔ اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا نواب وزیر الدولہ اسی پر جم گئے کہ میں جمعہ چھوڑ کر دربار میں نہ جاؤں گا جب یہ خبر نواب یوسف علی خاں والی رام پور اور سکندر بیگم والیہ بھوپال کو ہوئی تو یہ دونوں آئے اور آکر سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ پھر آپ پر الزام بھی قائم ہے اسلئے مناسب ہے کہ آپ دربار میں شریک ہوں انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں ہرگز نہ کروں گا کہ اپنے نفس کیلئے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں القصہ انہوں نے کسی طرح ترک جمعہ منظور نہیں کیا اور چھٹی لکھدی کہ آج جمعہ ہے اور مجھے نماز میں شریک ہونا ہے اسلئے میں حاضری دربار سے معذور ہوں اسی چھٹی کا جواب آیا کہ اگر ہمیں یہ پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کھولتے مگر اب اعلان ہو چکا ہے اسلئے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا۔ آپ نماز جمعہ پڑھیں آپ کے لئے دربار خاص منعقد کیا جاوے گا یہ مضمون بیان فرما کر خان صاحب نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کر وزیر الدولہ کی یہ حالت کیوں تھی اس کا سبب محض یہ تھا کہ اس نے خاندان[1] شاہ عبدالعزیز کی خاک چاٹی تھی۔ خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی

[1] ھو کما قال سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ ع

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد : واللہ خلاف نیست کہ عشقبار شد

و قال الاخر ع آہن کہ بپارس آشنا شد : فی الحال بصورت طلا شد

والد جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب سے بھی سنا ہے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی سے بھی سنا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیرالدولہ کے شاگرد تھے۔

حکایت (۳۸۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ نے بیان فرمایا کہ سید صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سید امیر علی تھے جو نہایت متقی و پرہیزگار تھے یہ صاحب نواب وزیرالدولہ کے مقرب تھے اور اہل حاجت کی سفارشیں بہت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے نواب صاحب سے کوئی سفارش کی اور نواب صاحب نے وعدہ فرمالیا مگر کسی وجہ سے اس کا ایفا نہ ہو سکا۔ اس پر سید امیر علی صاحب کو غصہ آیا اور سرِ دربار نواب صاحب کے تھپڑ مار دیا نواب صاحب کا ظرف دیکھئے کہ کچھ نہیں کہا اور خاموش ہوئے اس کے بعد سید صاحب کے عزیز واقارب جو ریاست میں موجود تھے نواب صاحب ان کے پاس گئے اور ان سے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا ملال نہیں ہوا۔ انہوں نے تو تھپڑ ہی مارا ہے اگر وہ میرے جوتے مار لیتے [1] تب بھی مجھے ملال نہ ہوتا مگر ان سے ذرا اتنا کہدیا جاوے کہ حق تعالیٰ نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور اس میں وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے اور سر دربار ایسا کرنے سے سیاست میں خلل آتا ہے اسلئے وہ دربار میں اس کا لحاظ رکھیں۔ اور تنہائی میں انہیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے مار لیں۔

حکایت (۳۸۸) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب وزیرالدولہ سید صاحب سے بیعت تھے اور ان کو سید صاحب سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لا رہی تھیں تو نواب صاحب نے حکم دیا تھا کہ جب فلاں مقام پر پہنچنے کو ہوں تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا کہ میں ان کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں (یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس تھا) چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور نواب صاحب اس مقام پر پہنچ گئے۔ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لائی ہیں تو نواب

---

[1] یہ ہے تواضع اور حکمت کا جمع کرنا جو بجز کامل کے کسی سے ممکن نہیں ایک ایک کا منفرد پایا جانا چنداں دشوار نہیں۔ باقی ان بزرگ کا ایسا کرنا کسی حالت کے غلبہ پر محمول ہوگا ورنہ بدوں عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں : :

صاحب نے ایک طرف سے ان کی پالکی کا بانس [1] اپنے کندھے پر رکھا اور ٹونک تک برابر اپنے کندھے پر لائے۔ اس قصہ کو مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی و حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی نے بیان کیا ہے۔

حکایت (۳۸۹) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب یوسف علی خاں والی رام پور بہت خوش مزاج آدمی تھے مگر نہ عقیدہ اچھا تھا نہ عمل۔ چار ابرو کا صفایا رکھتے تھے جب آگرہ میں دربار ہوا تو اس میں شرکت کیلئے نواب وزیرالدولہ بھی گئے تھے اور نواب یوسف علی خاں بھی۔ چونکہ نواب وزیرالدولہ بہت سیدھے اور نیک تھے اسلئے نواب یوسف علی خاں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ چلو وزیرالدولہ کو بنائیں گے اور یہ امر آپس میں طے کر کے وزیرالدولہ کے پاس پہنچے نہیں معلوم کہ وزیرالدولہ کو کشف ہوا یا فراست سے انہوں نے ان کا خیال معلوم کر لیا۔ غرض انہوں نے ان کو مذاق کا موقعہ نہیں دیا اور خود ہی گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کا ظاہر اچھا بنایا ہے اور بعض کا باطن۔ میرا ظاہر تو بہت اچھا ہے اور اس قدر اچھا ہے کہ اس پر کسی کو نکتہ چینی کی گنجائش نہیں مگر میرا قلب نہایت گندہ اور ناپاک اور سخت مکروہ و خبیث ہے اور بھائی یوسف علی خاں کا باطن تو ایسا ہے جیسا میرا ظاہر اور انکا ظاہر ایسا ہے جیسا میرا باطن یہ سن کر یوسف علی خاں مبہوت سے رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے تھوڑی دیر خفت مٹانے کیلئے بیٹھے رہے اور اس کے بعد اٹھ کر چلے گئے [2] یہ قصہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی اور مولوی نور محمد صاحب مرادآبادی سے سنا ہے۔

---

[1] یہ ہے فنائے کامل اور یہ روساء ہیں نمونہ حضرات خلفاء راشدین کے باقی بی بی صاحبہ کو اس کا گوارا کرنا یا تو نواب صاحب نے ایسا اہتمام فرمایا ہو کہ ان کو اطلاع نہ ہوئی ہو یا ان کی ممانعت کو نواب صاحب نے مانا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ کیا کر تیں۔ اگر کوئی مرد ہوتا تو پالکی سے باہر آ جاتا مگر وہ پردہ دار کیا کر سکتی تھیں۔ [2] یہ ہے عمل اس ارشاد پر ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں وما یلقا ھاالا الذین صبروا و مایلقاھا الاذوحظ عظیم ہ اور نیز اس میں بین دلیل ہے اس کے مصداق ہونے کی ۔

مرا پیر دانائے روشن شہاب :: دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خودبیں مباش :: دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

جناب نواب قطب الدین صاحبؒ کی حکایات

حکایت (۳۹۰) خان صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خاں صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے ایک مرتبہ کسی جنگل میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہو جائیں اور کسی قدر مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مٹ جاوے میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خان صاحب تک بھی پہنچادیا اور مولوی نذیر حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سن کر ناراض ہوئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں پر [۱] عمامہ ڈال دیا اور پاؤں پکڑ لیے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جس قدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے یہ بتلا دو میں سخت نادم ہوں اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں۔ لہٰذا میں نے جھوٹ [۲] بولا اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا آپ سے کسی نے غلط کہا ہے غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا یہ قصہ بیان کر کے خان صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اس وقت بھی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

حکایت (۳۹۱) خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب بیان فرماتے تھے کہ میں نواب قطب الدین خاں صاحب کی خدمت میں ہفتہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا کرتا تھا ایک مرتبہ نواب صاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب ایک ہفتہ کا فراق تو بہت ہے میں نے ہفتہ میں دو مرتبہ جانا

[۱] کیا انتہا ہے اس للّٰہیت کی ایسے بزرگ پر کب گمان ہو سکتا ہے کہ نفسانیت سے مناظرہ کرتے ہیں۔
[۲] چونکہ اس میں کسی کا ضرر نہ تھا اسلیے اباحت کا حکم کیا جاوے گا۔ (اشرف علی)

شروع کر دیا۔ پھر فرمایا کہ حاجی صاحب چار دن کا فراق تو بہت ہے میں نے تیسرے دن جانا شروع کر دیا۔ ایک روز فرمانے لگے کہ حاجی صاحب میں شاہ اسحٰق صاحب سے بھی بیعت ہوں اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے بھی۔ مگر میں ہمیشہ اعمال مسنونہ ماثورہ ہی میں مشغول رہا اور تصوف کی طرف مجھے کبھی توجہ نہیں ہوئی۔ اس وقت وہ حضرات تو ہیں نہیں اور میں بڈھا ہو گیا ہوں اب مجھ سے محنت بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ مجھے کوئی ایسا کام[1] بتلا دیں جو میں کر لیا کروں۔ میں تو خاموش رہا اتفاق سے اس وقت مولوی محمد یعقوب صاحب کے داماد مرزا امیر بیگ بھی بیٹھے[2] ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کثرت سے استغفار پڑھا کیجئے۔ یہ سن کر نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

<u>حکایت (۳۹۲)</u> خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین صاحب دف کو بھی ناجائز کہتے تھے ایک مرتبہ میری انکی اس بارے میں گفتگو ہوئی اور یہ گفتگو ہمارے دروازہ میں ہوئی۔ میرے گھر میں جب معلوم ہوا کہ دف کے جواز و عدم جواز میں گفتگو ہو رہی ہے تو انہوں نے مجھ سے گھر میں بلا کر کہا کہ نواب صاحب کو گھر میں بلالو میں پردہ ہوئی جاتی ہوں میں ان سے اس بارہ میں گفتگو کروں گی وہ پردہ ہو گئیں اور میں نے نواب صاحب کو گھر میں بلالیا۔ جب وہ گھر میں آئے تو میرے گھر میں سے نواب صاحب سے کہا کہ نواب صاحب آپ کو یاد ہو گا کہ جب میں بچی تھی تو ایکروز آپ مجھے گود میں لئے ہوئے تھے اور میرے ہاتھ میں ایک ڈھپڑی تھی (جو بچے گھڑے وغیرہ کے گھیرے پر جھلی منڈھ کر بنالیا کرتے ہیں) اس وقت ابا جان (شاہ اسحاق صاحب) بیمار تھے اور زمین پر ایک روئی کے گدیلے پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھے ابا کے پاس لیجا کر بٹھا دیا اور میں وہاں بیٹھ کر ڈھپڑی بجانے لگی سو کبھی میں اسے زمین پر رکھ کر بجاتی تھی اور کبھی ہاتھ میں لے کر۔ جب میں زمین پر رکھ کر بجاتی تو ابا اس کو اٹھا کر میرے ہاتھ میں دیدیتے اور زمین پر رکھ کر نہ بجانے دیتے آیا یہ واقعہ ٹھیک ہے نواب صاحب نے اس کی تصدیق کی۔ تب میرے گھر میں کہا کہ اس سے ثابت ہے کہ آپ کے استاد ڈھول کو ناجائز کہتے تھے اور

---

[1] ایسے اکابر کا حضرت حاجی صاحب کو شیخ سمجھنا تھوڑی بات نہیں [2] میں نے بھی اپنے والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی ہے

دف کو جائز۔ کیونکہ جب میں اس کو زمین پر رکھ دیتی تھی تو وہ دونوں طرف سے بند ہو کر ڈھول کی طرح[1] ہو جاتی تھی اور جب میں لیتی تو وہ ایک طرف سے کھل کر دف ہو جاتی تھی۔ نواب صاحب ان کے اس استدلال کو سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔

جناب نواب مصطفیٰ خان صاحب کی حکایات

حکایت (۳۹۳) خان صاحب نے فرمایا نواب مصطفےٰ خاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اول ہیں۔ نواب صاحب کا عہد شباب ایسا ہی تھا جیسا کہ عموماً نوجوانوں اور امرا کا ہوتا ہے طوائف سے اختلاط[2] رکھتے۔ خصوصاً ایک طوائف رمجو کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور وہ تعلق اس وجہ سے اور بھی بڑھ گیا تھا کہ نواب لوہارو جو والی ملک تھے رمجو پر عاشق ہوئے اور اس سے شب باشی کی درخواست کی رمجو نے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے صرف ایک قیام نیم شبی کے لئے سوا لاکھ روپیہ دینا منظور کیا مگر رمجو نے نہ مانا۔ دوسری طوائف اور اس کی دلالہ نے اسے ہر چند سمجھایا اور کہا کہ تیرا نام ہو جائے گا کہ فلاں والی ملک نے تجھے سوا لاکھ روپیہ میں ایک شب کے لئے بلایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے بڑھ چڑھ کر طوائفیں اور بھی ہیں مگر پھر بھی یہ والئی ملک سوا لاکھ روپے مجھے ہی کیوں دیتا ہے یہ در حقیقت مجھے نہیں دیتا بلکہ نواب مصطفےٰ خاں کی عزت کو دیتا ہے اور اس کی عزت میرے نزدیک سوا لاکھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس پر نواب صاحب کو رمجو کا اور بھی عشق بڑھ گیا۔ جب وہ مری ہے تو نواب صاحب کے بازو پر اس کا سر تھا۔ نواب صاحب پر اس کا بے انتہا صدمہ پڑا جس سے وہ دیوانہ وار سر و پا برہنہ گلی کوچوں میں پھرتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں شاہ عبدالغنی صاحب کی خانقاہ کے سامنے جا نکلے حضرت شاہ صاحب کی نگاہ ان پر پڑ گئی اور نظر پڑتے ہی نواب صاحب کو اچانک کچھ ہوش سا آ گیا۔ گھر واپس آکر غسل کیا کپڑے بدلے

---

[1] سبحان اللہ شاہ صاحب کے فعل کی حقیقت کو کیسا سمجھیں (فائدہ) یہ محقق ہو گیا کہ جواز دف کی شرط یہ ہے کہ تطریب یعنی گت سے نہ بجایا جائے[2] اختلاط کے لیے متعارف بازی لازم نہیں۔ اول کے مشاہدے سے ثانی کی شہادت جائز نہیں۔ گو معصیت زدہ بھی ہے مگر بلا دلیل شہادت بھی معصیت ہے :: (اشرف علی)

اور ہاتھوں پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن کر خادم کو حکم دیا کہ مجھے قیدی کی طرح شاہ صاحب کی خدمت میں لے چل۔ چنانچہ اسی حالت سے پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب نے شفقت سے بٹھلالیا اور اپنے دست مبارک سے ان کا زیور آہنی اتارا اور بیعت فرمایا۔ اور بہت جلد نواب صاحب اپنی قابلیت باطنی کے سبب درجات کمال پر پہنچے۔ اور نہایت قوی الادراک بزرگ ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو حکم دیا تھا کہ نواب صاحب کے پاس جا کر استفادہ کیا کرو۔ اور فرمایا کہ تم ان کی ریاست کو نہ دیکھو بلکہ ان کے قلب کو دیکھو۔

حکایت (۳۹۴) خان صاحب نے فرمایا کہ نواب مصطفےٰ خاں صاحب کی یہ عادت تھی کہ ہمارے اکابر میں سے جب کوئی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فوراً مراقب ہو کر ان کی نسبت کی ٹوہ میں لگ جاتے تھے ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ ان سے ملنے تشریف لے گئے۔ اور نواب صاحب حسب عادت مراقب ہوئے۔ سر اٹھایا تو ایک صاحب اموجان سے خطاب فرمایا کہ میں نے بڑے بڑے لوگ دیکھے ہیں لیکن مولانا کی نسبت کا تو کہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ (از روایات الطیب)

جناب مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہانپوری کی حکایات

حکایت[1] (۳۹۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے مولوی فیض الحسن صاحب جو بڑے ظریف اور سب سے بے تکلف تھے بولے ارے اسد علی کے بیٹے (مولانا کے والد ماجد کا نام ہے باوجود خواندہ ہونے کے کھیتی کرتے تھے) تو تو کھیتی کرتا، تجھے کس نے مولوی بنادیا۔ تیرے پاس تو دو بیل ہوتے اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تک تک بر بر کرتا ہوتا۔ مولانا نے نہایت متانت سے فوراً ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا جی ہاں ایک تو ڈھونڈھ لیا ہے اور ایک ڈھونڈوں گا پھر یہی کام کیا کروں گا

[1] یہ حکایت روایات الطیب میں اور عنوان سے ہے مگر مضمون ایک ہی ہے ۱۲ ظہور الحسن کسولوی غفر لہ'

حکایت (۳۹۶) فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بیعت ہونے کے وقت یہ کہا تھا کہ دو شرط کے ساتھ بیعت ہوتا ہوں ایک تو یہ کہ کبھی نذرانہ نہ دوں گا دوسرے یہ کہ کبھی خط نہ بھیجوں گا حضرت نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ شرطیں کرو تو وہ بھی منظور ہیں۔ ان کو حاجی صاحب کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ ان کا نام آنے سے روتے تھے حضرت حاجی صاحب کی تعریف میں ان کے بڑے جلے بھنے دوہڑے ہیں۔

ازاضافہ مولوی جلیل احمد صاحب

حکایت (۳۹۷) حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ آج ایک صاحب نے (یہ صاحب وہی مولوی محمد فاروق صاحب ہیں جو دوسری روایات کے راوی ہیں) مولوی فیض الحسن صاحب کی ایک حکایت بیان کی کہ بڑے ظریف تھے۔ ایک مرتبہ جس زمانہ میں مولانا لاہور تشریف رکھتے تھے وہاں ایک دکاندار سے آپ نے کچھ خربوزے خریدے۔ خیر مکان پر لا کر جب انکو کھانا شروع کیا تو سب پھیکے نکلے مولانا ان کو لے کر دوکاندار کے پاس واپس تشریف لائے اور دوکاندار سے کہا کہ یہ تو سب پھیکے ہیں۔ اس نے کہا کہ پھر میں کیا کروں۔ فرمایا کہ بھائی واپس کر لے۔ کہا کہ میرے تو کام کے رہے نہیں (کیونکہ کاٹ لئے تھے) مولانا نے فرمایا کہ پھر ہمارے بھی کام کے نہیں۔ کہنے لگا کہ صاحب میں کچھ نہیں جانتا میں نہیں واپس کروں گا۔ خیر مولانا خاموش ہو گئے اور وہیں دوکان کے پاس بیٹھ گئے۔ اب جو خریدار آتا اور خربوزے اس دکان سے خریدنا چاہتا تو فرماتے بھائی پہلے نمونہ دیکھ لو۔ اس دوکاندار نے جو یہ منظر دیکھا تو فوراً خربوزوں کی واپسی پر تیار ہو گیا اور مولانا دام لے کر واپس تشریف لے آئے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیر آبادی کی حکایات

حکایت (۳۹۸) خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ خاں

کاندھلوی کا اور مولوی فضل حق صاحب کا سہارنپور میں امکان نظیر کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور مولوی فضل حق صاحب کو بھرے مجمع میں الزام[1] ہو گیا۔

حکایت (۳۹۹) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرشید صاحب غازیپوری رام پور میں مولوی فضل حق صاحب سے پڑھتے تھے۔ یہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے۔ ان دوست نے ان سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے) معتقد ہو آج تمہیں تمہارے استاد سے ان پر تبرے سنوائیں گے۔ انہوں نے کہا چلو۔ جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسمٰعیل پر تبرے سنواؤں گا مولوی فضل حق صاحب نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسمٰعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہو سکتا جو مجھ سے ہو چکا ہے وہ بھی بھکائے سکھائے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔[2]

جناب مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ کی حکایات

حکایت (۴۰۰) فرمایا کہ غالباً حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جلال آباد میں دو شخص مسجد میں نماز کو آتے تھے اور یہ شرط کر کے آتے تھے کہ پہلے کون نماز ختم کرے۔ ایک شخص نے ان کے نماز پڑھنے کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قراۃ و تشہد درود شریف و تسبیحات تو گھر پڑھ کر آتے ہوں گے باقی رکوع و سجدے یہاں آکر کر لیتے ہوں گے۔

---

[1] مولوی فضل حق صاحب کی یہ سلامت فطرت ہے کہ الزام کے اخفاکی کوشش نہیں کی ورنہ آجکل تو کچھ نہ کچھ بانکے ہی جاتے ہیں کہ مغلوبیت کا پتہ نہ لگے [2] اس میں بھی مولوی صاحب کا وہی کمال ثاآت ہے جو اوپر کی حکایتوں میں ہے

حکایت (۴۰۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ گرمیوں کے زمانہ میں کہ اس وقت سخت دھوپ تھی مولانا فتح محمد صاحب جامع مسجد سے باہر تشریف لیجارہے تھے۔ایک صاحب نے جوتہ لینا چاہا۔آپ نے تواضع سے عذر کیا اس نے اصرار کیا مولانا نے انکار کیا اور جوتہ مضبوط تھام لیا۔اور یہ سب قصہ گرم فرش پر ہورہا ہے۔جب وہ اسطرح کامیاب نہ ہوا اس نے ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے زور سے جھٹکا دیا اور آپ کے ہاتھ سے جوتہ چھین لیا اور مسجد کے دروازہ پر لا رکھا۔گویا بڑی خدمت کی۔حضرت تو خاموش ہو گئے مگر مجھ کو بڑا غصہ آیا اور اس کو لتاڑا۔

حکایت (۴۰۲) فرمایا کہ ایک نائب تحصیلدار جن کا دورہ تھانہ بھون وجلال آباد تھا وہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب کے پاس ملنے آئے۔مولانا اس وقت موجود نہ تھے سفر میں تھے۔وہ ایک پرچہ پر ایک طالب علم کو یہ شعر لکھ کر پیش کرنے کیلئے دے گئے۔

چو غریب مستمندے بہ درت رسیدہ باشد :: چہ قدر طپیدہ باشد چو ترانہ دیدہ باشد

مولانا سفر سے جب واپس آئے تو اس طالب علم نے وہ پرچہ پیش کیا (ظالم نے موقع بھی نہ دیکھا) بس مولانا دیکھتے ہی سیدھے جلال آباد پہنچے۔وہاں دیکھا تو وہ صاحب اپنے ہمعمروں میں ہنسی مذاق میں مشغول ہیں۔مولانا دیر تک باہر کھڑے رہے پھر کسی کے ذریعہ اطلاع کرائی۔سنتے ہی سب سہم گئے اور حضرت کو اندر لے گئے فرمایا تمہارا پیام دیکھ کر ملنے آگیا وہ بڑے شرمندہ ہوئے۔پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر حضرت نے اجازت چاہی۔لوگوں نے اصرار کیا۔فرمایا کہ سفر سے سیدھا یہیں چلا آیا ہوں۔گھر جانے کی ضرورت ہے۔حضرت مولانا بہت متواضع بے نفس تھے۔پرچہ دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ بیچارے کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔بڑی حسرت رہے گی۔حالانکہ وہ محض ایک شاعری تھی۔

حکایت (۴۰۳) فرمایا ایک مرتبہ مولانا فتح محمد صاحب ہماری مسجد میں تشریف لارہے تھے۔مسجد کے سامنے بارش کا پانی بہت بھرا ہوا تھا۔آپ پانی کے کنارے کھڑے سوچ رہے تھے کہ کیسے

اتروں قاری عبداللطیف صاحب پانی پتی جو اس وقت یہاں مدرس تھے' وہاں موجود تھے انہوں نے نے جھٹ گود میں بھر کر پار لا کر کھڑا کیا۔ مولانا بہت ہی منحنی آدمی تھے۔ (از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ'

حکایت (۴۰۴) احقر نے حضرت حکیم الامت مدفیوضہم سے سنا ہے کہ مولانا بہت علم دوست تھے۔ جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں جگہ فلاں عالم فلاں علم میں بہت ماہر ہے' پا پیادہ سفر کر کے وہاں تشریف لیجاتے۔ چنانچہ مولانا کو معلوم ہوا کہ جھنجانہ میں فلاں عالم مثنوی شریف بہت اچھی پڑھاتے ہیں۔ اس زمانہ میں آپ تھانہ بھون میں مدرس تھے اسلئے جمعرات کے روز پا پیادہ جھنجانہ تشریف لیجاتے اور جمعہ کے روز سبق پڑھ کر ہفتہ کو واپس آجاتے۔ اسی طرح اکثر حصہ پڑھا۔ جب بہت تھوڑا حصہ رہ گیا تو مدرسہ سے چند روز کی رخصت لے کر اس کو بھی ختم کر دیا۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی صاحب تصانیف کثیرہ کی حکایات

حکایت (۴۰۵) فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کی بابت لوگ کہتے ہیں کہ ان کی تصانیف کا اوسط اتنے روزانہ کا پڑتا ہے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بیچاروں کا دماغ اسی میں ضعیف ہو گیا۔ صرع ہو گیا تھا ڈاکٹروں نے ہر چند منع کیا مگر نہیں مانے علمی خدمت کے مقابلہ میں بیچاروں نے جان تک کی پرواہ نہ کی۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

جناب مولانا ملا نظام الدین صاحب مجوزہ نصاب نظامی'' کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ'

حکایت (۴۰۶) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ حضرت ملا نظام الدین لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ جب مرید ہوئے تو ان کے پیر محض اُمّی (ان پڑھ) تھے۔ ایک بار پیر صاحب گھوڑے پر سوار ہوئے اور مولانا کے ہاتھ میں حُقّہ دیا اور تمام بازار میں پھیر لیا۔ مگر مولانا صاحب نے باایں ہمہ کمال اس

خدمت سے مطلق انکار نہ فرمایا۔

اس کے بعد ایک اور بزرگ کا تذکرہ فرمایا (غالباً شیخ جلال تھانیسری تھے) ان کے مرید ایک خان صاحب تھے حضرت شیخ کی گھوڑی کہیں باہر سے لائی گئی۔ اتفاقاً گھوڑی نے لات ماردی۔ اس پر خان صاحب کو غصہ آگیا کہنے لگے "تعلیم وارشاد اوروں کیلئے ہے اور گھوڑوں کی لات ہمارے واسطے" شیخ کے کسی مرید نے یہ غصہ حضرت سے جا کہا جب خان صاحب گھوڑی لے کر حاضر ہوئے تو شیخ نے غصہ ظاہر فرمایا اور خانقاہ سے نکال دینے کا حکم دیدیا بموجب حکم حضرت شیخ کے خان صاحب نکال باہر کیے گئے۔ ادھر خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے بیتاب ہو گئے اور جب اندر جانے کی کوئی صورت نہ پائی تو فرط عقیدت ومحبت سے خانقاہ کی بدرو میں گھس پڑے۔ اتفاق سے بارش ہوئی تو خانقاہ کا پانی رک گیا۔ لوگوں نے بانس سے نالی صاف کرنی شروع کی وہ بانس خان صاحب کے سر میں جا کر لگا اور پانی کے ساتھ خون بہنے لگا۔ تب تو لوگوں کو تعجب ہوا اور فکر بھی کہ کیا بات ہے۔ نالی کو جو دیکھا تو اس میں خان صاحب کو سر گھسائے پڑا پایا اس کی خبر حضرت کو دی گئی سن کر حضرت شیخ کو رحم اور بکمال شفقت شرف حضوری بخشا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب

صدر مدرس مدرسہ دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ کی حکایات

حکایت (۴۰۷) آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں۔ جب نواب محمود علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ نواب صاحب کی تعزیت کیلئے چھتاری آئیں اور انہوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو مولوی محمود حسن نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں اور لکھا کہ اس کا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا اور جواب مجمل لکھنا میں نے لکھ دیا کہ نہ آئیے۔ اس پر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنیوالوں پر بیماری کا عذر کر دیا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حکایت (۴۰۸) حضرت والد ماجد اور عم محترم نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ جب حضرت نانوتوی کی وفات ہوئی مجھ سے خود حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ تیس برس کی محنت سے جوبات قائم ہوئی تھی وہ آج نہیں ہے پھر فرمایا کہ مولانا کی تو وفات ہو گئی۔ ہمارے صدمہ سے وہ تو واپس نہیں آسکتے مگر مجھے رونا اپنا ہے کہ تیس برس کی مشقت سے قلب میں جو ایک کیفیت قائم تھی وہ جا رہی ہے (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۴۰۹) فرمایا کہ ہمارے حضرات میں شان تربیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ ایک وقت حاجی محمد عابد اور اہل مدرسہ سے اختلاف ہو گیا۔ میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے شرم آئی کہ میں دیوبند آؤں اور حاجی صاحب سے نہ ملوں اگر حاجی صاحب راستہ میں مل گئے تو بھی دعا سلام تو ضرور ہو گا اس وقت خواہ مخواہ ندامت ہو گی یہ سوچ سمجھ کر میں حاجی صاحب کی ملاقات کو گیا۔ اور بھی جتنے بزرگ خلاف تھے سب سے ملا۔ اس پر میرے اوپر مدرسہ کے متعلقین کا سنسر قائم ہو گیا۔ جہاں میں جاتا ہوں میرے پیچھے پیچھے دیکھتے پھرتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں جگہ گئے ہیں میں نے احتیاطاً اسی زمانہ میں ایک جلسہ میں جس میں حضرت مولانا دیوبندی اور حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ شریک تھے حضرت مولانا دیوبندی سے عرض کیا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ میرے بزرگ ہیں جب میں یہاں آتا ہوں تو ان سے ملنے کا تقاضا میری طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو ان سے مل لیا کروں۔ حضرت دیوبندی نے فرمایا کہ ضرور ملو۔ اپنے جمع میں اگر کوئی ملتا رہتا ہے تو مخالفت کم ہوتی ہے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بعد ایک دن بھی حضرت حاجی محمد عابد صاحب سے ملنے کو جی نہیں چاہا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف ہے تو میں اس کا معتقد نہیں کیونکہ ہمارے حضرات کا ایسا مذاق نہیں ہے بلکہ قاعدہ ہے کہ الانسان حریص اذا امامنع جس چیز سے آدمی کو روکا جاتا ہے تو اس کا شوق بڑھتا ہے اور جب اجازت دیدی جاتی ہے تو شوق کم جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ

نے جب ام سلیم کو رونے کی اجازت دیدی تو پھر اس سے بھی توبہ کرلی۔ اسلئے میں کہا کرتا ہوں کہ تربیّت بہت مشکل ہے بڑے صبر کا کام ہے ایک شیخ دو شخصوں کی تربیت کرتا ہے ایک کی اور طرح اور ایک کی اور طرح جیسے طبیب کے دو مریض ہیں ایک کا اور علاج کرتا ہے اور دوسرے کا دوسری طرح کا۔ اور راز خلوت میں بتانے کا بھی یہی ہے کہ دوسرے کو حرص نہ ہو نہ یہ کہ تعلیمات جدا جدا ہوں۔ یہی نماز روزہ اور ذکر ہیں۔

حکایت (۴۱۰) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک مدرسہ کے مہتمم نے عرض کیا کہ حضرت ضرورت ہوتی ہے مدارس میں چندہ کی اور چندہ مانگنے میں ذلت ہے تو کیا صورت کیجاوے۔ فرمایا غریبوں سے مانگو کچھ ذلت نہیں (وہ جو کچھ بھی دیں گے نہایت خلوص اور تواضع سے دیں گے اور اس میں برکت بھی ہوگی جامع) اور مالدار اول تو بیچارے تنگ ہوتے ہیں پانسو کی آمدنی ہے اور چھ سو کا خرچ ہے یہ تو رحم کے قابل ہیں۔ (اور اگر کچھ دے بھی دیا تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دیں گے اس میں بیشک ذلت ہے جامع)

حکایت (۴۱۱) فرمایا کہ حافظ احمد صاحبؒ سے مسٹن نے کہا تھا کہ ہمارے قلب میں بھی مولانا دیوبندی کی ویسی ہی عظمت ہے جیسے آپ کے قلب میں ہے اور وہ جو اس تحریک میں شریک ہو گئے ہیں کسی دوسرے کا اثر ہے۔

حکایت (۴۱۲) فرمایا کہ مولوی محمود صاحب رام پوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت مولانا دیوبندی کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھاپی کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی سوؤں گا۔ اس کو ایک چارپائی دیدی گئی جب سب سو گئے رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے۔ میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد دے دوں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کرکے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس

کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانا شروع کیئے۔وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولوی محمود صاحب اٹھے اور یہ کہا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبادوں گا مولانا نے فرمایا کہ تم جاکر سو و یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا میں تواضع و مہمان نوازی کی خاص شان تھی

حکایت (۴۱۳) فرمایا کہ دیوبند کے بڑے جلسہ کے زمانہ میں ایک شخص نے مدرسہ میں گھوڑا دیا تھا مولانا نے اس کو ایک مقام پر بھیج دیا تھا کہ اس کو فروخت کر دیں۔اس مقام سے ایک شخص گھوڑے کے متعلق ایک خط لایا تھا۔اس زمانہ میں جلسہ کا اہتمام ہو رہا تھا مہتمم صاحب نے خط کا جواب دے کر اس کو رخصت کر دیا۔ مولانا دیوبندی نے مہتمم صاحب سے پوچھا کہ اس گھوڑا لانے والے کو کھانا بھی کھلایا تھا؟ مہتمم صاحب نے کہا کہ حضرت کھانا تو اشغال میں نہیں کھلایا پیسے دیدیئے ہیں کہ کچھ لے کر کھالے گا۔ فرمایا کافی نہیں۔ غریب آدمی پیسے نہیں خرچ کرتا گھر کو باندھ کر لیجاتا ہے۔اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس راستہ سے گیا ہے۔ پتہ لگا کہ فلاں سڑک کو گیا ہے۔ مولانا ادھر ہی تشریف لے گئے اور اس کو واپس کر کے کھلا کر پھر رخصت کیا۔

حکایت (۴۱۴) فرمایا کہ مولانا دیوبندیؒ اچھے خوشحال گھرانے کے تھے۔جوانی میں نہایت پر تکلف کپڑا پہنتے تھے۔ مگر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ حال ہو گیا۔ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں جب دیوبند جایا کرتا تھا مجھے یہ یاد نہیں کہ مولانا سے ملنے کی ابتداء میں نے کبھی کی ہو۔جب ارادہ کرتا کہ ذرا سانس لے کر حاضر ہوں گا۔ بس جھٹ مولانا تشریف لے آتے۔

حکایت (۴۱۵) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بعض بدعتیوں کی حس اور عقل کے متعلق فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں جبکہ اچھی طرح پیشاب کے بعد ڈھیلا لینا بھی نہ جانتا تھا کہ کسی کے ہمراہ پیران کلیر کے میلہ میں گیا۔ اتفاق سے جو غسل کا وقت تھا اس وقت میں خاص مزار شریف کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ سقہ آیا اس نے ایک دم مشک چھوڑ دی اور

اس کی مشک چھوٹنے کے ساتھ ہی آدمیوں کا ریلا اندر آگیا۔ میں چونکہ بچہ تھا ہجوم کے وجہ سے اس پانی میں گر گیا اور تمام کپڑے شرابور ہو گئے۔ جب میں باہر نکلا تو لوگوں نے میرے تمام کپڑے اتار کر مجھے ننگا کر دیا اور اس کا پانی نچوڑ کر تبرک سمجھ کر پی گئے اور پاجامہ کا پانی بھی پی گئے جو یقیناً ناپاک تھا۔

حکایت (۴۱۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی مراد آباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کیلئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمادیا۔ کہ مجھے عادت نہیں ہے۔ مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر مولانا کھڑے ہوئے اور حدیث **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے"۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے۔ وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے تو اس کو وعظ کہنا جائز نہیں پس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی یعنی آپ کی شہادت۔ پھر حضرت نے ان بزرگ سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل کا نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہے۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے **یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشد علی** کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں ؟ وہ دم بخود رہ گئے۔

حکایت (۴۱۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ کو میں نے جلسہ دستار بندی میں مدرسہ جامع العلوم کانپور بلوایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ میں نے وعظ کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا میرے وعظ سے لوگ خوش نہ ہوں گے اور اس سے میرا تو کچھ نہیں جائے گا تمہاری ہی اہانت ہو گی کہ ان کے ایسے استاد ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سے تو ہمارا فخر ہو گا کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔ فرمایا ہاں اس طرح فخر ہو گا کہ لوگ کہیں گے یہ حضرت مرشدی

مد ظلہم)استاد سے بھی بڑھ گئے غرض کہ بڑی دقت کے بعد منظور فرمایا۔ مولانا کا علم اور علماء کا مجمع خوب طبیعت کھلی ہوئی تھی۔ مضامین عالیہ ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولوی لطف اللہ صاحب علی گڈھی تشریف لے آئے۔ان کے دیکھتے ہی مولانا ایک دم بیٹھ گئے۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت عرض کیا کہ وعظ کیوں بند کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے۔ تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا اس لئے قطع کر دیا۔

حضرت حکیم الامتہ مجدد الملتہ مرشدی و مولائی سیدی وسندی

جناب مولانا مولوی قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کی حکایات

حکایت (۴۱۸) فرمایا کہ چندہ کے متعلق میری مولانا صاحب سے بہت گفتگو ہوئی۔ میں کہتا تھا کہ خطاب خاص میں وجاہت کا دخل ہوتا ہے۔ دینے والے کے قلب پر مانگنے والے کی وجاہت کا اثر پڑتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم کیا اور ہماری وجاہت کیا اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا آپ کی نظر میں بیشک اپنی وجاہت نہیں ہے لیکن لوگوں سے پوچھیے کہ انکے قلوب میں آپ کی کتنی وجاہت ہے۔ مولانا نے فرمایا نہیں جی۔ بہت دیر گفتگو رہی لیکن انہوں نے میری رائے نہ مانی اپنی رائے پر قائم رہے

حکایت (۴۱۹) فرمایا کہ حضرت گنگوہی جس وقت نابینا ہو گئے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کے نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہدیا کہ اشرف علی آیا ہے اور جب چلنے لگا تو کہدیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہے ویسے چپکے جا کر بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے۔ تشبہ بالمتجسس بھی تجسس ہے آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔

حکایت (۴۲۰) فرمایا کہ ایک بار سہارنپور میں بڑے جلسہ میں جانا ہوا۔ جلسہ سے اگلے روز شیخ

پور والوں نے حضرت مولانا سہانپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا۔ چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی۔ مولانا نے دعوت منظور فرمالی اور شیخ پورہ چلے گئے۔ شب کو وہاں رہے۔ صبح کے وقت چھاجوں پانی پڑ رہا تھا۔ مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کر لیا تھا اس وجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی جب سہانپور اترے میں بھی ہمراہ تھا۔ راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے' سڑک پر جاتے ہوئے ملے۔ مولانا نے پکار کر بلایا اور اپنے آنے کی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کوئی انتظام نہیں ہوا مجھ کو واپسی کی امید نہ تھی۔ مولانا نے فرمایا اچھا بھائی پھر سہی۔ اس نے کل صبح کا وقت معین کیا (تبسم سے فرمایا ظالم نے شام کو بھی تو نہ کہا) ہمارے حضرت نے فرمایا اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی۔ مولانا چونکہ بزرگ تھے ان کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونے کا حکم ملا میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو صبح بھوک نہیں لگتی ہے۔ فرمایا اگر بھوک ہو کھالینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ صبح کے وقت پر پھر ہم سب گئے مگر میں غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ کوٹھے کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقعہ نہ ملا اس لئے نیچے بلایا اور اچھی طرح اس کے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں کو بلا کر ایسے ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں۔ تجھے تو یہ چاہیے تھا کہ اگر مولانا شیخ پورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا اس نے آئندہ کیلئے توبہ کی (جامع کہتا ہے کہ یہ شان انتظام ہے جو ہمارے حضرت میں باحسن الوجوہ ہے)

<u>حکایت (۴۲۱)</u> فرمایا کہ ایک غیر مقلد بہت ڈرتے ڈرتے بغرض بیعت میرے پاس آئے (کیونکہ ان کے رفقائے سفر نے ان کو ڈرا دیا تھا کہ تم وہاں جاؤ گے نکال دیے جاؤ گے) انہوں نے مجھ سے بیعت کو کہا۔ میں نے اس شرط کو منظور کرا کے بیعت کر لیا اور یہ سمجھا دیا کہ کسی سے بھی خواہ وہ مقلد ہو یا غیر مقلد لڑنا جھگڑنا مت نہ مباحثہ کرنا اور اپنی بیوی کو بھی مرید کرا لیا میں نے اس سے بھی یہی شرط کر لی۔ دو چار بار آنے کے بعد مقلد تھے۔ یہ اتباع حق کی برکت ہے۔ اکثر

مناظروں سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے یہ طریقہ باطن میں بہت مضر ہے۔

حکایت (۴۲۲) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات وحالات بیان کر رہا تھا۔ اس جلسہ میں ایک وکیل حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے معتقد بھی بیٹھے ہوئے تھے جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی۔ انہوں نے مجھے مخاطب کر کے اسی حالت میں یہ شعر پڑھا

تو منور از جمال کیستی :: تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہ یہ جواب دیا

من منور از جمال حاجیم :: من مکمل از کمال حاجیم

حکایت (۴۲۳) ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت مولانا رام پوری فرماتے تھے کہ بھائی اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ طالب مطلوب بن کر آتے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کسی صورت سے اللہ کا نام آجائے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی یہ اللہ کا باغ ہے اس میں ہر قسم کے درخت ہونے چاہئیں اندر کے درخت تو ایسے ہی ہونے چاہئیں جیسے حضرت رام پوری تھے۔ اور باہر کے ایسے ہونے چاہئیں جیسے میں۔ کیونکہ باغ میں جب تک باہر کے درخت خاردار نہیں ہوتے جب تک اندر کے درختوں کی حفاظت نہیں ہوتی میں وقایہ ہوں بزرگوں کا جو یہاں سے جائیگا پھر ان حضرات کو نہ ستائے گا۔ واقعی کہیں تو اس شعر کا مصداق ہونا چاہیے

بانگ می آید کہ اے طالب بیا :: جود محتاج گدایاں چوں گدا

اور کہیں اس شعر کا مصداق ہونا چاہیے

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو :: دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

ایک واقعہ یاد آیا کہ میرے پاس ایک شخص مرید ہونے آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے پاس موروثی زمین تو نہیں۔ اس نے کہا بہت (وہ اس کو کچھ اچھا سمجھتا تھا) میں نے کہا کہ پہلے اس سے

استعفادے آؤ پھر مرید کریں گے۔وہ یہاں سے سیدھا رائپور پہنچا اور مرید ہو کر یہاں آیا اور کہا کہ میں تو مرید ہو بھی گیا۔ مولانا نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے کہا کہ کیا تو نے مولانا سے پوچھا تھا۔ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا کیا ان کو علم غیب تھا پھر میں نے کہا کہ دیکھو میں اور مولانا رائپوری دو نہیں ہم سب ایک ہیں۔ میں ان کی طرف سے کہتا ہوں کہ تم اس زمین سے استعفاء دیدو اور اگر کچھ عذر ہے تو یہاں سے ابھی اٹھ جاؤ اور آئندہ جب تک توبہ نہ کرلو یہاں منہ دکھاؤ۔

حکایت (۴۲۴) فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندیؒ کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارہ پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو بہت نازک پتلے دبلے قد بھی اچھا کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں تھیں جو نہایۃ صاف تھیں اور مہرین صاف لکھا ہوا تھا (محمدؐ) صلی اللہ علیہ وسلم (آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضرور نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیلدار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے۔ لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اس نے مجھے ایک پرچہ دیا اس میں بھی یہی عبارت تھی کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اس میں بھی مہریں بہت تھیں مگر صاف نہ تھیں میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللھم زد فزد)

حکایت (۴۲۵) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب

کوئی ان کے پاس آکر بیٹھا تو معارف و حقائق بیان فرمایا کرتے تھے ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے بچپن ہی سے ایسوں کے پاس پہنچادیا۔ دین کی محبت تو مولانا فتح محمد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر ہوئی۔ ان کی صورت دیکھ کر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی اور اہل دین سے محبت حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی یہاں پہنچ کر ہوئی۔

حکایت (۴۲۶) فرمایا کہ مولوی صادق الیقین صاحب کے والد اچھے بزرگ تھے اور ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے اور جس تاریخ کسی بزرگ کی وفات کی ہوتی اس روز دو قرآن شریف ختم فرماتے۔ ایک ان بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کیلئے اور ایک اپنے معمول کا۔ مگر مولود کے بڑے معتقد تھے اور اس میں مولوی صاحب سے کش مکش رہتی۔ میں نے اس باب میں ان کو ایک مکتوب محبوب القلوب لکھا جس سے آپس میں اتفاق ہو گیا تھا۔ وہ مکتوب چھپ بھی گیا ہے مگر مجھے یقین نہ تھا کہ اس مکتوب کو مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ پسند فرمائیں گے۔ کیونکہ اس میں اس قدر تورع ہے۔ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو قصائیوں کے یہاں مولانا کی دعوت تھی میں بھی شریک تھا۔ ایک شخص نے وہاں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی صادق الیقین اور ان کے والد کے معاملات کی کیا حالت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب ان میں اتفاق ہے اور یہ سب ان (حضرت مرشدی مد ظلہم) کی برکت ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولود کی ممانعت یہ مولانا کی شان انتظامی تھی۔ اور تعلیمی شان یہ ہے کہ جائز ہے بشرط عدم منکرات اور ناجائز ہے بشرط منکرات چونکہ لوگ حدود کے اندر نہیں رہتے اسلیے منتظمین مطلقاً منع کرتے ہیں۔

حکایت (۴۲۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بیحد غلبہ ہوا میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلادیجئے جس سے اطمینان ہو جائے۔ فرمایا ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو۔ کیونکہ بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

حکایت (۴۲۸) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ کی حاجت نہیں ہوئی۔ اسی کی برکت سے بہت کچھ حل ہو گئیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب ٹانڈوی

حکایت (۴۲۹) احقر جامع نے ثقہ سے سنا ہے کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دعا کے واسطے حاضر ہوئے تو اس نے کہا کہ تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں اور آپ بد دعا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مردہ ایک زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں (ان بزرگ کا تھانہ بھون مزار ہے اور ایک مولانا اشرف علی صاحب ان دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔

حکایت (۴۳۰) احقر جامع نے ثقہ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سیدی سندی شیخی و مرشدی حکیم الامتہ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی کی نسبت یہ فرمایا کہ بھائی ہم نے تو حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا کچا پھل کھایا ہے (کیونکہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سب سے اول خلیفہ ہیں) اور انہوں نے پکا پھل کھایا ہے (کیونکہ بڑھاپے میں کمال روحانی بڑھتا ہے جامع) محشی کہتا ہے کہ یہ تواضع ہے اس کو تفاضل پر محمول نہ کیا جاوے' حالات کے تفاضل سے ملابس حالات کا تفاضل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حالت فاضلہ کے ملابس کی استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں۔

حکایت (۴۳۱) احقر جامع نے استاذی مولانا مولوی قدرت اللہ صاحب ملا ظلہ نے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ تھانہ بھون کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور آکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مد ظلہم کی

شکایت کرنے لگے کہ ایسا کرتے ہیں ایسا کرتے ہیں۔ اور ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سننا نہیں چاہتا وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں نفسانیت سے نہیں کرتے۔ بشریت سے غلطی دوسری شے ہے۔ پھر وہ سب صاحب اپنا سامنہ لے کر چلے گئے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر علوم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۴۳۲) حضرت طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی واخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے۔ اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اس کی بد وضعی یا آزادی کو محقق فرمالیتے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جب تک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اس کے ولی ووارث کی کوئی سفارش نہ سنتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا احترام وادب ملحوظ نہ رکھا تھا' فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنے کا حکم دیدیا اور جب تک خود استاد نے حضرت سے سفارش نہ کی اس وقت تک واپس کردہ کتابیں ان کو دوبارہ نہ دی گئیں اس کے ساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارانہ تھی۔ اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپ کے پاس محرر مطبخ کے متعلق شکایت آئی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی ،جس کے لینے سے اس نے انکار کیا اور محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب خنے

بہک گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو لو ورنہ جاؤ' مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگالو' یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔ حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محرر مطبخ سے آپ نے واقعہ پوچھا اور جب انہوں نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کیلئے محرر کی طرفداری کی جائے۔ تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ منشی جی سنو! مدرسہ انہی پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہی کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت مدرسہ بھی خالی اور مدرسین بھی فارغ۔ یہ مسکین سہی محتاج سہی' مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتادو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ خنے بہک گئے میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں۔ تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمان رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے اب تو اپنی خوراک اس کے حوالہ کر دو اور آئندہ کیلئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب علم کے ساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دونگا۔ مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اس لئے اس وقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

حکایت (۴۳۳) اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا۔ اور ان کے ساتھ وہ شفقت و لطف کا برتاؤ فرمایا کرتے جو ان کیلئے شایان تھا۔ باوجودیکہ تمام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خادم تھے۔ مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو پاس بٹھلا لیتے اور ان کی بھلی بری سب توجہ سے سنتے تھے مسکراتے اور کوئی شکایت لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلی دیا کرتے تھے۔ طالب علم اور استاد کے مابین کوئی قصہ ہوتا جس میں غلطی استاد کی ہوتی تو اس وقت بڑی ضیق پیش آتی اور

بڑی حسن تدبیر سے دونوں پہلو سنبھالا کرتے تھے۔ مولوی ظفر احمد صاحب کے مزاج میں غصہ تھا ایک مرتبہ ایک طالب علم کے بے تکے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی ان کی درس گاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھ اور سن لیا تھا۔ اس وقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جرات بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلباء کے قلوب میں استاد کی عظمت قائم اور باقی رہے۔ اسلئے ایسا کر دیا گویا سنا ہی نہیں۔ بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا۔ مولوی ظفر کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کیلئے موضوع نہیں ہوئی۔ پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔ مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کیلئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے اور پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا۔ بھائی آج کل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے۔ بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں۔ اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو۔ اور اگر کوئی زیادہ بکبک لگاوے اس کو مہتمم سے اطلاع کر کے درس سے اٹھادو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں۔

<u>حکایت (۴۳۴)</u> امتحان اپنے مدرسہ کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا حضرت سخت لیا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ کانپور میں دنیات سے فارغ شدہ طلبا کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی کہ تمام علوم میں امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو، جس کے سوالات بیرونی علما سے منگائے جاویں۔ چنانچہ ادب وبلاغت اور صرف ونحو کا امتحان حضرت کے سپرد ہوا اور حضرت نے علوم عربیت کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسہ میں بھیج دیے۔ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک امتحان تھے اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے۔ تو حضرت کی زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ جب بھائی کے ساتھ دیوبند جانے لگے تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں سہارنپور حضرت کی زیارت کرتے چلیں کہ ادب وبلاغت میں ہمارے ممتحن تھے، شاید کچھ نتیجہ

امتحان کا بھی پتہ چل جائے بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کرلو باقی نتیجہ امتحان کا پتہ وہ لوگ نا نہیں دیں گے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے۔ چونکہ مولوی ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان وکشش پیدا ہو گئی تھی اسلئے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی۔ مولوی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارکہ میں شفقت تو قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ زیارت کے ساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت کا تبسم کے ساتھ خندہ پیشانی سے شفقت وعنایت فرمانا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمایا تھا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص اردو کی عربی اور عربی کی اردو سب سے اچھی بنائی اسلئے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دئے اور یہ فرماکر حجرہ میں تشریف لے گئے اور جوابات کے پرچوں کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے۔ اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا کہ دیکھو تمہارے نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر میں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں ہیں۔ سب تم سے کم ہیں اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہو گیا کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق خیال لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دولت کدہ پر لے گئے اور چولھے پر چائے تیار تھی اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکال کر مجھے عطا فرمائی۔

حکایت (۴۳۵) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں اول صبح کے دو گھنٹے ترمذی شریف ہوا کرتی اور اس کے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی اور جبکہ وسط میں دونوں کتابوں سے باطمینان فارغ ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد فقہ و تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقات مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپ کا درس سے فارغ ہوتا تھا جو فتاوے لکھنے یا دوسروں کے لکھے ہوئے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا ۱۳۲۸ء سے جب مولوی محمد یحییٰ صاحب تشریف لے آئے تو آپ کا ایک گھنٹہ صبح کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا اور یہ وقت امور نظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا۔ ۱۳۲۸ھ

میں جب آپ نے ابو داؤد کی شرح "بذل المجہود" کی تالیف شروع فرمائی تو وہ گھنٹے صبح کے تالیف کیلئے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتاویٰ کے لئے اور باقی گھنٹوں میں درس۔ مگر ۱۳۳۹ء میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہو گیا اور شام کو ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابو داؤد شریف ہوئی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف۔ اخیر کے دو سال ۴۳،۴۴ھ میں مئوطا امام محمدؒ طلباء کے اصرار پر تبرکاً پڑھاتے اور صبح کا تمام وقت بذل میں خرچ ہوتا تھا۔ اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاویٰ میں کہ ڈاک کی آمد بہت بڑھ گئی تھی۔ جوابات خطوط ابتداء میں آپ خود تحریر فرمایا کرتے اور خط ایسا حسین تھا گویا تصویر کھینچ دی۔ چنانچہ ۱۳۲۹ء تک کے آپ کے بھیجے ہوئے خطوط بندہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ موجود ہیں جو حضرت کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ جلد اور اتنا حسین لکھنا حضرت ہی کا کام تھا۔ بعض خطوط حضرت نے آخر شب میں چراغ کے سامنے لکھے ہیں کہ دن کو فرصت نہیں ملی، مگر کیا مجال کہ حسن میں ذرہ برابر فرق آیا ہو۔ پھر جب رعشہ بہت بڑھ گیا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی عبداللہ حاجی مقبول احمد اور مولوی زکریا صاحب وغیرہم آپ کے کاتب رہے۔

حکایت (۴۳۶) انتظام مدرسہ کے متعلق حضرت میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ ہر شعبہ کی نگرانی بغیر وقت صرف کئے فرماتے تھے کہ کسی کام میں بھی مشغول ہوں خیال چار طرف رہتا تھا اور کسی شعبہ سے غفلت نہیں ہوتی تھی۔ مدرسین کی تعلیم طلباء کی حاضری، مطالعہ تکرار، کتب بینی، پابندی نماز و تلاوت قرآن اور نیک چلنی، وضعداری کا جدا دھیان تھا اور دفتر کے تمام رجسٹروں کی وقت پر خانہ پری اور حساب کتاب کی صحت و صفائی کا جدا خیال تھا کتب خانہ کی محافظت اور صفائی و ترتیب پر علیحدہ نگاہ تھی اور ہر شعبہ کے ملازمین کا صحیح وقت پر آنا حضرت کی ادنیٰ توجہ اور ہیبت خداداد کی بدولت اتنا قابو میں آیا ہوا تھا کہ چند منٹ کی غیر حاضری کے چھپا لینے پر کوئی قادر نہ تھا۔ علمی مشغلہ آپ کا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اہل نظر اس پر تعجب کیا کرتے تھے چہ جائے کہ اس

پر فتاویٰ کا اشتغال کہ وہ مستقل مد ہے اور پھر خطوط کے جوابات جس میں علمی اشکالات طلب مشورہ احتیاج تربیت ذکر و اوراد کے استفسار اظہار واقعات خانگی معاملات وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتے تھے جدا مشغلہ تھا جو دماغ کے کامل سکون اور طبیعت کے پورے حضور کو چاہتا تھا اس پر ہر شعبہ کی نگرانی' اور طرہ بر آں ہر جزو کی اصلاح اور ترقی کا فکر و تدبر ایسے امور تھے کہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا تھا۔ بس ایک مشین تھی جو بھاپ کے ذریعہ چل رہی اور اپنے ساتھ جڑے ہوئے ہر آلہ کو اس کام میں لگائے ہوئے تھی جس کیلئے وضع کی گئی ہے۔ کہ انجن صرف ایک ہے مگر اس سے نکلنے والی برقی قوت چکیاں بھی چلا رہی ہے کہ آٹا پیسیں۔ پریس بھی چلا رہی ہے کہ کاغذ چھاپیں۔ پنکھے بھی چلا رہی ہے کہ پسینہ سوکھے اور قمقمے بھی روشن کر رہی ہے کہ دنیا جگمگا اٹھے اور رات کی تاریکی میں نصف النہار کا سورج نکل آوے۔ اسی طرح حضرت کا ایک دم تھا کہ درس بھی دیتا تھا تالیف بھی کرتا تھا' معاشرت اہل و عیال میں بھی نمونہ سنت بنا ہوا تھا۔ مدرسہ کے ہر شعبہ کی نگرانی اور اس کی ترقی میں فکر وسعی بھی رکھتا تھا۔ مہمانوں کی مدارات اور تمامی کنبہ وبرادری سے شیریں تعلقات نباہتا تھا مخلصین کی دلدہی اور ہمصروں کی مخلصانہ محبت میں دور دور کے سفر اور متواتر و مسلسل و مختلف اسفار میں حسب موقع دن اور ہفتے اور مہینے خرچ کرتا تھا۔ طالبین میں ہر شخص کی طاقت و قابلیت کے موافق ان کو زبانی اور بذریعہ مراسلت اصلاح حال کی تعلیم بھی دیتا تھا توجہ و تصرف ہمت سے ان کی تربیت بھی فرماتا تھا اور بایں ہمہ اپنے مولانا کے ساتھ قلبی وجسدی تعلقات کے تمامی وہ حقوق ادا کرتا تھا جو زہاد و عباد کسی پہاڑ کی تلہٹی میں بیٹھ کر ادا کرتے ہیں اس دماغی اور بدنی مشاغل میں مشغول ہو کر کوئی برسوں کا حاضرباش بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نماز کی تکبیر تحریمہ حضرت سے چھوٹ گئی یا فلاں شب تہجد کیلئے آنکھ نہیں کھلی۔ حضرت کے مشاغل روزمرہ کا عشرہ بھی کسی کے سر رکھ دیا جائے تو بڑا بہادر اور باہمت کہلائے گا اگر چند ہفتے بھی یکساں حال پر تیقظ و چستی میں گذار دے چہ جائیکہ عمر کا بڑا حصہ اور وہ بھی اخیر جس میں ساری جسمانی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں' اس چستی و پابندی میں گذرا کہ جو دن آیا وہ ایک جدید اشغال کا

اضافہ ساتھ لایا کہ مدرسہ بھی ترقی پذیر ہو کر روزانہ مزید توجہ کی احتیاج بڑھاتا رہا۔ اور اصلاح وتربیت روحانی کے سلسلہ میں بھی روزانہ ترقی ہو کر کماو کیفیا مزید اشغال کی ضرورت بڑھتی رہی ۔باوجودیکہ آپ مدینہ کی زمین میں دفن ہونے کی ہوس پر ہندوستان چھوڑ سکے اور سمندر پار جہاں سے خط بھی پچیس دن میں پہنچے یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے۔ مدرسہ سے رخصت لے چکے اور اس کو اپنے معتمد خدام کے حوالے کر کے تمامی ذمہ داریاں سر سے اتار چکے تھے مگر میں مجسم حیرت بن گیا جب آپکا رجسٹری شدہ والا نامہ میرے نام آیا۔ جس میں مدرسہ کے متعلق بیس سے زیادہ وہ جزئی واقعات لکھے جن کی تحقیق اور اصلاح کی ضرورت تھی اور پھر خود ہر معاملہ کا قطعی فیصلہ بھی تحریر فرمایا کہ فلاں واقعہ اگر صحیح ہو تو یہ کرنا چاہیے اور غلط ہو تو یہ ہونا چاہیے۔ اور اس کے بعد قواعد کلیہ کے درجہ میں نگرانی کا سبق پڑھایا۔ مافات کی تلافی اور آئندہ کی احتیاط کا طریق سکھلایا۔ اور ان علامات مخفیہ پر آگاہ کیا۔ جو اس وقت نہیں مگر آئندہ سوئی کا پھاوڑہ بنتی نظر آتی ہیں غرض جن امور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان بے خبر اور قلوب مغفل دماغ معطل تھے آپ نے یثرب کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ ان سے نفع اٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریوں کو باآسانی انجام دے سکتا ہے بشرطیکہ چاہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کی حکایات

حکایت (۴۳۷) فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا۔ میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔ (جامع کہتا ہے اللہ اکبر کیا ٹھکانا اس تواضع اور انکساری کا۔ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نیک لوگوں کا تو ایسا حال ہے :: اور تیرا یہ خبیث اب قال ہے

میرا ثانی کوئی دنیا میں نہیں :: عالم وزاہد ولی پاک دیں

(منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت امیر شاہ خان صاحب راوی رسالہ امیر الروایاتؒ کی حکایات

حکایت (۴۳۸) خان صاحب نے فرمایا کہ میں خواب کبھی نہیں دیکھتا ہوں۔ لیکن کبھی شاذونادر کوئی خواب نظر آتا ہے اور ان میں سے بعض خواب بالکل سچے ہوتے ہیں۔ میں نے لڑکپن میں غالباً بلوغ سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ خبر ہے کہ سید صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب ایک چارپائی پر سرہانے بیٹھے ہیں میں ان کی پائیتوں بیٹھا ہوا ہوں اور ان سے ایسی بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں جیسے بہت دنوں کی ملاقات ہو۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کا علم کتنا بڑا ہے مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ بقدر ضرورت اس کے بعد میں مولانا اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مسجد میں ایک ایسے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو مسجد سے بہت نیچا تھا جیسا آدھا تہخانہ اور اس حجرہ میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی مولانا اس سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اور ان کے پاس دس بارہ آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں جا کر بیٹھا تو مولانا نے ایک دیگچی نکالی جس میں شربت تھا جس کا قوام کسی قدر گاڑھا تھا اور رنگت سنہری نہایت براق تھی۔ مولانا نے اس میں سے پیالے بھر بھر کر لوگوں کو دینے شروع کئے اور تقسیم اپنے ہاتھ سے شروع کی۔ میں مولانا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور میرے پھوپا میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میرا نمبر آیا مولانا نے اس پیالہ کو اوروں سے زیادہ بھرا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ وہ پیالہ مجھے دینے ہی کو تھے کہ میرے پھوپا نے مجھے کسی کام کو بھیج دیا اور وہ پیالہ مجھے نہ مل سکا۔ مجھے اس کا بڑا قلق ہوا اور میں چاہتا تھا کہ نہ جاؤں۔ مگر اول تو پھوپا صاحب کے حکم کی تعمیل ضروری تھی دوسرے یہ بھی خیال ہوا کہ پھوپا یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے اس لئے چاروناچار مجھے اس کی تعمیل کرنی پڑی میں اس کام کو کر کے واپس آیا اور جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھ گیا مولانا نے فرمایا ارے تو رہ گیا کہاں چلا گیا تھا اس کے بعد دیگچی منگائی اور شربت کو دیکھا اس میں شربت موجود تھا مگر اتنا نہ تھا جتنا اوروں کو دیا تھا اس

کے بعد مولانا نے پیالہ منگایا جس میں آپ نے پیا تھا۔ اس پیالہ میں مولانا کا بچا ہو شربت موجود تھا۔ مولانا نے دیگچی کا شربت اس پیالہ میں ڈالا اور دیگچی کو اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر بالکل صاف کر دیا۔ اس سے وہ پیالہ اتنا تو نہ بھرا جتنا پہلی مرتبہ میرے لئے بھرا تھا۔ مگر اوروں کی برابر ہو گیا اور وہ پیالہ میں نے پی لیا۔ اس روز سے میری یہ حالت[1] ہو گئی کہ میں مولانا کی کتابوں کو اتنا تو نہیں جتنا وہ خود سمجھتے تھے مگر اپنی حیثیت کے موافق خوب سمجھنے لگا۔

نظیف الزیادات فی لطیف العنایات

اس کی حقیقت ایک مکتوب ہے امیر شاہ خان صاحب مرحوم کا اس احقر کے نام جس کے بعض اجزاء از قبیل مضامین امیر الروایات ہیں۔ نظیف الزیادات" کے نام سے مبنیٰ یہی مناسبت ہے اور بعض اجزاء مشعر میں مرحوم کی عنایت خاص کے اس احقر پر "فی لطیف العنایات" کی قید کا مبنیٰ یہی رعایت ہے میں ایسے شخص کی عنایت کو جس کو اکابر کے ساتھ ایسے خاص تعلقات ہوں فال صلاحیت حال ومآل اور موجب تقویت آمال سمجھتا ہوں جن فواید پر یہ ضمیمہ مشتمل ہے ان میں ہر فائدہ پر مستقلاً و منفرداً متنبہ کرنے کے لئے ان اجزاء پر اصل متن کے سلسلہ اعداد سے نمبر بھی ڈال دیے گئے۔ کیونکہ دلالت علی العنایات بھی ایک قسم کی حکایت ہی ہے خصوص جبکہ وہ بعض واقعات کی حاکی بھی ہو۔ اس طرز سے یہ ایک درجہ میں تتمہ متن کا بھی ہو گیا اور پورے مکتوب کے ختم کے بعد ہر نمبر کے حوالہ سے مواقع ضروریہ پر کچھ تعلیقات بھی مختصر لکھ دئے۔ اب اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں۔

(جزو اول نمبر ۱۶۵) حضرت مخدوم مکرم و معظم و محترم جناب مولانا دام اللہ جود کم امیر شاہ عفی عنہ عارض مدعا ہے کہ میرا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے اثنائے سفر میں ضرور حاضر خدمت ہوں

---

[1] خواب اس حالت میں دخیل نہیں بلکہ مبشر ہے اس حالت کے اصول کی مستقبل میں اور وہ حصول کبھی وہبی ہوتا ہے اور کبھی مکتسب کسی عمل سے بہر حال خواب کو موثر نہ سمجھاوے اگر کوئی چیز موثر ہے وہ عمل ہے اور خواب محض مبشر ہے۔ ::
(اشرف علی)

مگر میرے دیوبند پہنچنے تک جناب سفر سے واپس تشریف نہ لائے تھے اس کے بعد میں رائپور چلا گیا۔ محمد اشفاق کی بیوی اور بیٹے کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے وہاں دیر ہو گئی۔ اس کے بعد رمضان شریف آ گیا انہوں نے رمضان میں آنے نہ دیا چنانچہ نصف رمضان وہاں رہنا پڑا اس کے بعد آٹھ روز بہٹ قیام کرنا پڑا وہاں سے دیوبند واپس آیا۔ گو یہاں آ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ جناب والا تشریف لے آئے ہیں لیکن اول تو حافظ احمد نے نہ چھوڑا دوسرے میں بہت ضعیف ہو گیا ہوں۔ نظر بھی بہت کمزور ہو گئی اسلیئے تنہا سفر کے قابل نہ رہا ہوں' اور ہمراہی کوئی ملا نہیں اس لئے حاضری سے قاصر رہا۔ پھر ادھر چودھری صاحب کا تقاضا تھا کہ جلدی آؤ۔ اس نے معذوری میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ علی گڈھ آ کر منشی شرافت اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے کچھ دیر ہاتھرس سٹیشن پر ٹھہرے تھے اور مجھے اور حبیب احمد کو بلانے کیلئے جناب نے مینڈھو آدمی بھیجے تھے' مگر ہم میں سے کوئی نہ ملا۔ یہ سن کر نہایت صدمہ ہوا۔ مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جناب عنقریب علیگڈھ تشریف لانے والے ہیں۔ اس سے قدرے تسکین ہوئی اور میں نے ان سے کہدیا ہے کہ جب مولانا تشریف لانے کو ہوں تو ان کی تشریف آوری سے ایک روز قبل مجھے بلا لیا جاوے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو منظور فرما لیا ہے۔ حضور سے بھی معروض ہے کہ جب جناب علی گڈھ تشریف لاویں تو مجھے اطلاعی والا نامہ سے مشرف فرما دیں۔ (جزو دوم نمبر ۱۶۶)

آخر میں کچھ تھوڑی سی اپنی بکواس لکھوانا چاہتا ہوں' جس کا نام اعتقاد دلی ہے اس اعتقاد سے میں بجز اپنے حضرات کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے اور کسی کا معتقد نہیں ہوں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ امیر شاہ اور مولوی عبد الکریم پنجابی یہ دو شخص کسی کے معتقد نہیں۔ اگر کوئی کہتا کہ حضرت اور آپ کے تو آپ کبھی فرماتے کہ ہاں مولوی محمد قاسم کے سنے سنائے میرا معتقد ہے۔ اور کبھی فرماتے کہ ہاں میرا تو سچا معتقد ہے پھر مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا' وہاں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جانے لگا۔ حضرت کے اکثر خدام میرے پیچھے پڑ

گئے چنانچہ جب میں جاتا کسی نہ کسی اختلافی مسئلہ میں مجھ سے گفتگو چھیڑ دیتے۔ مگر حاجی صاحب کی مجلس میں میں کسی کو جواب نہ دیتا تھا اور یہ کہہ دیتا تھا کہ اگر تم کو گفتگو کا شوق ہے تو حاجی صاحب کی مجلس سے الگ مجھ سے گفتگو کر لو۔ پھر دیکھو کس کے ہاتھ پالا رہتا ہے۔ ایک روز حاجی صاحب نے ان لوگوں کو خفا ہو کر منع فرمایا کہ اس سے گفتگو نہ کیا کرو۔ اور فرمایا کہ یہ اپنے خیالات میں پختہ ہے اور کسی کا معتقد نہیں ہے مولانا گنگوہی وغیرہ سے سن کر میرا بھی معتقد ہے۔ گو میں پہلے بھی ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا مگر صحبت کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس مرتبہ جو صحبت کا اتفاق ہوا تو میں دل سے انکا معتقد ہو گیا۔ ایک مضمون میرے خیال میں حدیث کا آیا ہے جس کو میں نے بجز شاہ عبدالرحیم صاحب کے کسی سے نہیں بیان کیا اور اب جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ ﷺ اللھم ادر الحق مع علی حیثما دار۔ پس آپ نے حضرت علی کو حق کا تابع نہیں قرار دیا بلکہ حق کو حضرت علی کا تابع بنایا ہے اسی طرح میرے نزدیک حضرت حاجی صاحب علی وقت تھے اور حق ان کا تابع اور اسلئے مجھے کبھی ان کے کسی فعل پر اعتراض نہیں ہوا۔ نماز ان کی ایسی ہوتی تھی کہ میں نے کسی کی نہ دیکھی۔ صفائی ان کے یہاں ایسے ہی تھی، تصنع کا وہاں نام نہ تھا۔ یہ بات تو ختم ہوئی۔ (جزو سوم نمبر ۱۶۷)

اب ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ حبیب احمد مجھے منع کرتا ہے کہ تو مت لکھو اگر میں لکھواؤں گا اور اسی سے لکھواؤں گا (مولوی حبیب احمد صاحب نے خود اپنے لئے یہ صیغے تجویز اسلئے کئے کہ خط ان کے قلم سے لکھوایا گیا)

پہلے میں صوفیوں کو وہ دردہ کہا کرتا تھا اور مولویوں کا فی الجملہ معتقد تھا۔ لیکن مقام چھتاری میں تجربہ ہوا کہ مولوی بھی وہ دردہ بن کر کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ چھتاری میں ایک عالم مدرس تھے کسی بات پر نواب صاحب نے ان کو موقوف کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد تعزیت کے واسطے پانی پت سے قاری عبدالرحمٰن صاحب اور دہلی سے مولوی عبدالرب وغیرہ امروہہ سے مولوی احمد حسن

صاحب، مراد آباد سے مولوی محمد حسن صاحب وغیرہ اور دیوبند سے حافظ احمد وغیرہ اور دوسرے مقامات سے اور اور حضرات جن سے ملاقات بھی تشریف لائے۔ مگر یہ مولوی صاحب نہیں آئے میں نے ان کے ایک دوست سے ان کے نہ آنے کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ مولوی صاحب کے ذمہ عبدالصمد خاں کے ڈھائی سو روپے قرض تھے اور عبدالصمد خاں نے ان کا تقاضا کیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک بھنگی بھی تقاضے کیلئے بھیجا تھا۔ اس وجہ سے نہیں آئے جب مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا تو میں نے اسی روز عشاء کی نماز کے بعد نواب عبدالصمد خاں سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے انہوں نے کہا، کہو میں نے کہا کہ مجھے ڈھائی سو روپیہ کی ضرورت ہے آپ بطور ہدیہ کے مجھ کو یہ رقم عطا فرماویں۔ وہ یہ سن کر متحیر ہوئے اور کہا کہ نہ تو سوال کی آپ کی عادت ہے اور نہ بظاہر آپ کو کوئی ضرورت ہے، آخر یہ کیا بات ہے میں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں میں آپ سے مانگتا ہوں آپ مجھے دید یجئے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا میں نے کہا تو ابھی اپنے تحویلدار کو بلا کر اس سے کہہ دیجئے۔ انہوں نے اسی وقت بلا کر کہدیا کہ تحویل میں سے ڈھائی سو روپے خان صاحب کو دیدینا۔ میں نے کہا کہ یہ روپے آپ نے مجھے دیدیئے۔ انہوں نے کہا ہاں دیدیئے اسی طرح میں نے ان سے تین مرتبہ اقرار لیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ڈھائی سو روپے جو فلاں مولوی صاحب کے ذمہ ہیں ان کو آپ معاف کر دیجئے اور یہ روپے جو آپ نے مجھے دیئے ہیں ان کو آپ رہنے دیجئے اور ان کو ان کے بجائے سمجھ لیجئے۔ یہ سن کر انہوں نے کچھ دیر سکوت کیا۔ اس کے بعد کہا کہ اچھا میں نے معاف کئے۔ یہ واقعہ میں نے ان مولوی صاحب کے دوست سے بیان کر دیا۔ انہوں نے ان مولوی صاحب سے ذکر کیا۔ تب وہ مولوی صاحب تعزیت کیلئے آئے۔ تقریباً ڈیڑھ مہینے کے بعد وہ مولوی صاحب مینڈھو تشریف لائے اور مجھ سے اور حافظ عطاء اللہ سے کہا کہ مجھے پچاس روپیہ کی ضرورت ہے، تو نواب یوسف علی خاں سے مجھے قرض دلا دو۔ حافظ عطاء اللہ نے تو انکار کر دیا مگر میں نے اقرار کر لیا حافظ عطاء اللہ نے مجھ سے کہا بھی کہ تم مولویوں کے درمیان میں نہ پڑا کرو۔ حافظ عطاء اللہ کے انتقال کو اٹھارہ برس ہوئے اور سولہ سال نواب یوسف

علی خاں کے انتقال کو ہوئے اور حافظ عطا اللہ کے انتقال سے ایک برس پہلے کا واقعہ ہے لیکن مولوی صاحب نے اب تک اس قرض کے ادا کا نام تک نہیں لیا۔ گو میں نے نواب صاحب کے انتقال کے وقت ان سے یہ قرض بھی معاف کرا دیا تھا لیکن اسکا تذکرہ میں نے مولوی صاحب سے اب تک نہیں کیا۔ یہ قصہ بھی ختم ہوا ایک اور قصہ سناتا ہوں۔ نواب یوسف علی خاں صاحب اپنے والدین کے ایصال ثواب کیلئے بہت خرچ کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کوئی ایسا مصرف بتلاؤ جس میں خرچ کرنے سے انکو ثواب بھی زیادہ ہو اان کی روح بھی مجھ سے خوش ہو میں نے کہا کہ آپ اپنے والدین کے محبوں اور دوستوں پر صرف کیا کریں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ میرے والد کے دوستوں کا حال آپ کو بخوبی معلوم ہوگا آپ مجھے بتلایئے میں نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب سے آپ کے والد کی بہت دوستی تھی یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ نے بہت ٹھیک فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے پچاس روپیہ ان کے پاس بھجوا دیئے۔ تین مہینے کے بعد ان کا بیٹا آیا' نواب صاحب نے پچیس روپیہ اسے دیدئے اس کے تین مہینے بعد مولوی صاحب خود تشریف لائے۔ مولوی صاحب کا اور ان کے بیٹے کا سائلانہ نواب صاحب کے در پر آنا مجھے ناگوار ہوا اسلئے میں نے ان سے کسی قدر بیرخی برتی۔ مگر نواب صاحب نے ان کو اپنے پاس بلا کر پچیس روپیہ دئے اور کہا کہ بعض وجوہ سے اس وقت میرا ہاتھ تنگ ہے اور میں زیادہ خدمت کرنے سے معذور ہوں ان شاء اللہ میں ایک ماہ کے اندر ہی میں پچیس روپیہ آپ کی خدمت میں اور بھجواوں گا اور اگر مجھے یاد نہ رہے تو امیر شاہ خاں یاد دلا دیں گے۔ اس کے بعد وہ مولوی صاحب چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد نہ تو نواب صاحب کو خیال رہا اور نہ مجھے 'اسلئے رقم موعود ان تک نہ پہنچ سکی اس پر ان مولوی صاحب نے مجھے خط لکھا اور اس میں لکھا کہ جب میں مینڈھو آیا تھا تو آپ مجھ سے بیرخی سے پیش آئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میرا آنا ناگوار تھا' اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس رقم کا نواب صاحب نے وعدہ کیا تھا وہ آپ وصول کر کے خود کھا گئے سو اگر یہی واقعہ ہے تو آپ مجھے صاف لکھ دیجئے میں معاف کر دوں گا۔ اگر یہ واقعہ نہیں ہے تو آپ

نواب صاحب سے رقم موعود بھجوا دیجئے۔ میں نے نواب صاحب سے اس خط کا کچھ تذکرہ نہیں کیا اور پچیس روپیہ ان کو بھجوا دئے۔ چھ سات مہینے کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے کا بھی یہ قصہ بھی ختم ہوا۔ اس قسم کے واقعات سے مجھے جو صوفیوں کی بہ نسبت مولویوں کے ساتھ کسی قدر حسن ظن تھا اس میں خلل آگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اب مولوی بھی وہ دردہ ہو گئے۔ ان واقعات سے طبع والا کو بھی تکدر ہوا ہو گا۔ اسلئے میں اسکی تلافی کے لئے اب ایک قصہ مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کا لکھواتا ہوں جزو چہارم نمبر ۱۶۸۔ مولوی محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب مراد آباد تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطااللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب چھتاری تشریف لادیں اور وہ ہم لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ کسی طرح مولانا کو یہاں لاؤ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب کی بیحد خواہش ہے کہ ایک مرتبہ آپ چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے نواب صاحب اس کو سو روپیہ دیتے ہیں۔ ہمیں وہ خود بلاتے ہیں اسلئے شاید دو سو دیدیں سو دو سو روپے ہمارے کے دن کے ہم وہاں جا کر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگاویں گے۔ جزو پنجم نمبر ۱۶۹۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب سے بھی ملاقات کے بیحد متمنی تھے مگر مولانا بھی ان سے کبھی نہیں ملے۔ چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڈھ۔ مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کسی اور طرف چلدیتے تھے ہاں نواب صاحب کو دو باتیں کہدینا۔ ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے سٹیشن پر مسجد بنوادیں اور دوسری ایک عجیب بات تھی "اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کی نسبت تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی

جزو ششم نمبر ۱۷۰۔ ایک بات جو اس وقت نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ چودھری صاحب کے گھر میں بائیں چھاتی میں کوئی سمی مادہ آگیا ہے اور یہ حالت بہت عرصہ سے ہے ہر چند علاج کیا

جاتا ہے مگر مرض روبترقی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مرض دوا کی حد سے نکل کر دعا کر حد میں آگیا ہے جناب اپنے خاص اوقات میں ان کی شفا کیلئے دعا فرمادیں۔ حق برادر آرزوئے متقین والسلام مولوی عبدالمجید کو اور مولوی ظفر کو سلام آخر میں عرض ہے کہ جب جناب علی گڈھ تشریف لاویں اگر ممکن ہو تو مولوی عبدالمجید کو اور مولوی ظفر کو اپنے ہمراہ لیتے آویں تاکہ میں ان سے بھی مل لوں۔

جزو ہفتم نمبر ۱۷۱۔ آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں۔ جب نواب علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ وہ نواب صاحب کی تعزیت کیلئے چھتاری آئیں۔ اور انہوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن صاحب نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔ اور لکھا کہ اس کا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا اور جواب مجمل لکھنا۔ میں نے لکھ دیا کہ نہ آیئے۔ اس پر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنے والوں سے بیماری کا عذر کر دیا۔

(منقول از امیر الروایات)

حل مواقعہ ضروریہ مکتوب بالا

تعلیق جزو اول۔ احباب واخوان فی الدین کی ملاقات کیلئے سفر جبکہ کسی ضروری جزو دین میں خلل نہ ہو آداب اخوت و محبت سے ہے۔

تعلیق جزو دوم۔ قولہ۔ حق ان کا تابع تھا۔ اقول۔ یہ معنی نہیں کہ حق بدل جاتا تھا، معنی یہ ہیں کہ واقعہ کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ اس کا حکم شرعی وہی ہوتا تھا جو آپ کی رائے ہوتی تھی

تعلیق جزو سوم۔ گو اس میں دو قصے ہیں مگر چونکہ ایک ہی باب کے ہیں اس لئے ان کو ایک ہی جزو قرار دیا گیا۔ اگر اچھے قصے ہوتے تو جدا جدا کرنے میں فرحت مکرر ہوتی۔ اب رنج مکرر دینے سے کیا فائدہ۔

تعلیق جزو چہارم۔ قولہ۔ دھبہ نہ لگے۔ اقول' احقر کو معلوم ہے کہ حضرت کو اکثر تنگی رہتی تھی۔ پھر یہ زہد کمال عظیم ہے۔

تعلیق جزو پنجم۔ قولہ۔ پالکی کا پایا۔ اقول' ان حضرات کا التفات و اغراض سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔

تعلیق جزو ششم۔ قولہ ' دعا کی حد میں۔ اقول 'یعنی دعائے محض کی حد میں 'پس اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ دوا کی حالت میں دعا کی نفی لازم ہے

تعلیق جزو ہفتم۔ ولہ 'میں نے لکھ دیا کہ نہ آیئے۔ اقول' یہ ہے تقدیم مصلحت دینیہ کی دنیویہ پر۔ قولہ 'گولیاں کھالیں' کیسی لطیف تدبیر فرمائی کہ مقصود بھی حاصل کسی کا کسر قلب بھی نہیں' دعویٰ زھد بھی نہیں۔ ع

ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

وھھنا تم جمیع مایتعلق بامیر الروایات والحمد للہ مفیض الھدایات فقط"

جناب دیوان محمد یسین صاحب دیوبندی مرحوم کی حکایات

حکایت (۴۳۹) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ دیوان محمد یسین مرحوم جو حضرت نانوتویؒ کے خدام میں سے تھے' انکا ذکر جہر مشہور تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کا ذکر سن کر کوئی بغیر روئے ہوئے وہاں سے گذر جائے۔ نہایت دردناک آواز میں ذکر کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ ہر وارد و صادر پر اس ذکر اور گریہ کا اثر پڑتا تھا اور وہ بھی روتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ چھتہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکر جہر میں مصروف تھا کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے۔ اور توجہ کا رخ میرے ہی قلب کی طرف تھا اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بحالت ذکر دیکھا کہ مسجد کی چار دیواری تو موجود ہے مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں 'بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضا میں پھیلا ہوا

ہے۔یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اتر رہا ہے اور اس پر جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔اور خلفاء اربعہ ہر چہار کونوں پر موجود ہیں۔وہ تخت اترتے اترے بالکل میرے قریب آکر مسجد میں ٹھہر گیا اور آنحضرت ﷺ نے خلفائے اربعہ میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بلالو۔وہ تشریف لے گئے اور مولانا کو لے کر آگئے۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لایئے عرض کیا حضرت حاضر ہے۔اور یہ کہہ کر حساب بتلانا شروع کیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔حضرت ﷺ کی خوشی اور مسرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی۔بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا مولانا اب اجازت ہے حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔[1]

رام پور کے مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۴۰) خان صاحب نے فرمایا کہ ریاست رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے زمانہ میں روشن باغ میں ایک مجذوب رہتے تھے۔اور نواب صاحب کی طرف سے دو سپاہی ان کی خدمت کیلئے رہا کرتے تھے ان کا نام بٹیر شاہ تھا۔یہ مجذوب بالکل ننگے رہتے تھے۔مگر باتوں میں مجذوب[2] نہ تھے۔چنانچہ جب باتیں کرتے ان کا قاعدہ تھا کہ جو کوئی ان کے پاس آتا اس سے کوئی نہ کوئی فرمائش ضرور کرتے۔نیز ان کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی ایک انار ایک امرود یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ وغیرہ پیش کرتا تو نہ لیتے اور فرماتے ایک نہ لوں گا دو لاؤ۔میرے پھوپھا ان کی خدمت میں جایا

---

[1] یہ واقعہ ایک قسم کا کشف تھا جس میں ممکن ہے کہ مولانا کی توجہ کو دخل ہو جو تصرف کی ایک فرد ہے شاید تعبیر اس واقعہ کی یہ ہو کہ مدرسہ کی تصحیح حساب صاحب واقعہ کو دکھلانا تھا تاکہ متر ددین اسے سن کر مطمئن ہو جاویں باقی معاندین تو وحی میں بھی شبہ نکال دیتے ہیں : : [2] اس پر تعجب نہ کیا جاوے جذب میں یا جنون میں عقل نہ ہونا تو لازم ہے لیکن بعض اوقات حواس صحیح ہوتے ہیں اور وہ کسی امر کا ادراک کرتے ہیں کسی کا نہیں کرتے اور ایسا شخص مکلّف نہیں ہوتا اسلیے کہ مدار تکلیف کا عقل ہے نہ کو حواس چنانچہ بہائم باوجود سلامت حواس کے اسی لیے مکلّف نہیں کہ ان کو عقل نہیں خواہ مطلقاً خواہ خاص درجہ کی جو مناء ہو تکلیف کی جو کہ صبی و معتوہ میں بھی مفقود ہے علی اختلاف قول المحققین : : (اشرف علی)

کرتے تھے اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ میرے پھوپھا نے شاہ آباد دروازہ میں ایک مکان لے رکھا تھا اور ہمارے مکان کے قریب ایک مولوی صاحب رہتے تھے جو نہایت صحیح العقیدہ اور بزرگ آدمی تھے۔ ان کا نام مولوی اسمٰعیل صاحب تھا اور ان کے ایک بھائی تھے جن کا نام حافظ اسحٰق تھا۔ میں ان حافظ اسحٰق صاحب سے کوئی کتاب بھی پڑھتا تھا اس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ان وجوہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب سے تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ ان مولوی اسمٰعیل صاحب نے میرے پھوپھا سے بٹیر شاہ کے انتقال کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ گو میری عادت مجاذیب سے اختلاط کی نہ تھی مگر میں خلاف عادت بٹیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور گو ان کی عادت یہ تھی کہ وہ ہر آنے والے سے کچھ نہ کچھ فرمائش کیا کرتے تھے مگر انہوں نے اپنی عادت کے خلاف کبھی مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضور سب سے کچھ نہ کچھ فرمائش کرتے ہیں مگر مجھ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی۔ کیا حضور مجھ سے کچھ ناخوش ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں سب سے زیادہ تجھ سے خوش ہوں میں نے کہا کہ پھر آپ مجھ سے فرمائش کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے فرمایا کہ بات یہ ہے جتنے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں سب اغراض لے کر آتے ہیں۔ کوئی بیوی کے لئے آتا ہے کوئی معشوق کے لئے کوئی نوکری کیلئے کوئی کسی اور غرض سے اسلئے ہم بھی ان سے اپنی غرض لگا دیتے ہیں اور تو کسی غرض سے نہیں آتا بلکہ محض خدا کے لئے آتا ہے اسلئے تیرے ساتھ غرض لگانے کو جی نہیں چاہتا میں نے پوچھا کہ آپ جب کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ایک نہیں لیتے بلکہ دو لیتے ہیں اس میں کیا راز ہے آپ نے فرمایا وخلقنا کم ازواجاً اور ایک آیت اور ایسے ہی پڑھی۔ جب خدا نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں ہم بھی جوڑا لیتے ہیں۔ پھر میں عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کچھ فرمائش کریں آپ نے فرمایا اچھا مرغ پلاؤ لاؤ۔ میں اپنے گھر آیا میرے بھائی حافظ اسحٰق اصیل مرغ پالتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں میاں بٹیر شاہ کیلئے مرغ کا پلاؤ لے جاؤں گا۔ تو کوئی عمدہ پٹھا جس میں سیر بھر گوشت ہو مجھے دیدو۔ انہوں نے ایک نہایت عمدہ پٹھا دیدیا اس کے بعد میں بازار گیا اور

سیر بھر نہایت عمدہ چاول لایا اور بہت اچھی بریانی پکا کر ایک بڑی قاب میں ان کیلئے سب کا سب لے گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ باغ کے ایک تالاب میں نہار ہے تھے مجھے دیکھ کر نکل آئے۔ میں نے پلاؤ پیش کیا انہوں نے بیٹھ کر سب کھالیا۔ اور کھا کر اس رکابی کو تالاب پر لیے گئے اور وہاں اسے خوب دھویا اور دیر تک پانی کو ہلاتے اور رکابی کو دھوتے رہے اس کے بعد وہاں سے آئے اور رکابی کو آسمان کی طرف بہت اونچے پھینک دیا اور فرمایا رزقکم فی السماء میں سمجھا کہ اب رکابی گر کر پاش پاش ہو جاوے گی مگر وہ سیدھی ان ہی کی طرف آئی اور انہوں نے اس کو ایک انگوٹھے اور دو انگلیوں پر روک لیا۔ اس کے بعد اس کو پھر پھینکا اور وہی رزقکم فی السماء فرمایا اور پھر انگلیوں پر روک لیا غرض وہ بہت دیر تک یہی کھیلتے رہے۔ بہت دیر کے بعد مجھے انہوں نے رکابی دی۔ میں تو رکابی لے کر چلا آیا اور وہ پھر پانی میں گھس گئے۔ میں حسب معمول ان کی خدمت میں برابر حاضر ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ میں نے پھر کہا کہ کچھ فرمائش کیجئے۔ انہوں نے فرمایا اچھا اب کی سفریاں (امرود) لاؤ۔ میں ڈیڑھ دو سیر نہایت عمدہ سفریاں لے گیا۔ اتفاق سے اس روز بھی اکیلے تھے میں نے وہ سفریاں پیش کیں۔ آپ نے ان کو لے کر سامنے رکھ کر کھانا شروع کیا۔ ایک سفری جو کسی قدر گدری تھی، جب وہ سرک کر ان کی طرف آتی تو اس کو نہ کھاتے اور ہٹا دیتے اور کہتے کہ میرے پاس نہ آئے گی مولوی کے پاس جاوے گی غرض وہ تمام سفریاں کھالیں اور اس سفری کو آخر تک نہ کھایا اور یہی کہتے رہے مولوی کے پاس جاوے گی مولوی کے پاس جاوے گی۔ میرے پاس نہیں آئے گی۔ جب تمام سفریاں ختم ہو چکیں تو انہوں نے وہ سفری مجھے دی اور کہا یہ تو کھالینا۔ میں نے جو اسے اٹھایا تو نہایت تیز گرم تھی میں نے اٹھا کر رومال میں رکھ لی اور گھر لے آیا۔ گھر میں آکر میں ایک عجیب خلجان میں مبتلا ہو گیا۔ کبھی تو جی چاہتا کہ کھالوں۔ اور کبھی یہ خیال کرتا تھا کہ اگر تو نے کھالیا تو پھر تو بھی ان کی طرح دیوانہ ہو جائے گا اور جو کچھ علم دین کے متعلق نفع کسی کو تجھ سے پہنچ جاتا ہے وہ بھی منقطع ہو جاوے گا اور جو ردبچے بھی چھوٹ جاویں گے۔ غرض بہت دیر تک اسی الجھن میں رہا کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ آخر میں نے اسے کھونٹی پر لٹکا دیا مگر وہ الجھن اب بھی نہ گئی۔

جب میں سونے کیلئے لیٹا تو اس وقت بھی وہ الجھن نہ گئی کبھی کھانے کا خیال ہوتا تھا اور رومال کو کھونٹی پر سے اتارتا تھا اور کبھی پھر خیال ہوتا کہ اس کا نہ کھانا ہی مناسب ہے۔ اور یہ خیال کر کے پھر کھونٹی پر لٹکا دیتا تھا۔ جب بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا تو بیوی نے کہا کہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ نہ خود سوتے ہو نہ سونے دیتے ہو اور یہ اس رومال میں کیا چیز ہے کہ کبھی اتارتے ہو اور کبھی پھر رکھ دیتے ہو۔ بیوی کو تو میں نے ٹال دیا مگر مجھے کسی طرح یکسوئی نہ ہوئی اور میں صبح تک اسی الجھن میں رہا اور رات بھر نہیں سویا۔

جب صبح ہوئی تو میرے ایک دوست چندا میاں میرے پاس آئے۔ یہ بہت نیک اور ذاکر و شاغل تھے۔ میں نے ان سے اس سفری کا تذکرہ کیا اور اپنی پوری کیفیت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ میاں تردد کیوں کرتے ہو کھا بھی لو۔ لیکن یہ دیکھ لو کہ وہ اب تک گرم ہے یا ٹھنڈی ہو گئی۔ اگر گرم ہے تو اثر ہے اگر ٹھنڈی ہو گئی تو اثر جاتا رہا۔ میں گھر میں سے سفری لایا۔ دیکھا تو اب تک گرم تھی مگر اس قدر تیزی نہ تھی۔ میں نے کہا چندا میاں گرم تو ہے۔ انہوں نے کہا دیکھوں۔ میں نے ان کو دی وہ لیتے ہی منہ میں رکھ گئے اور کھاتے ہی انگر کھا پاجامہ اتار دیا اور ننگے ہو کر چل دیئے میں نے جب چندا میاں کی یہ حالت دیکھی تو میں پھر ہیر شاہ کے پاس گیا اور ان سے سفری کا قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کوئی ایسی چیز عنایت فرمایئے جس سے میری یہ حالت بھی قائم رہے اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں اتنا نہیں ہوں۔[1] یہ قصہ بیان کر کے خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے چندا میاں کو دیکھا ہے یہ قوم کے پٹھان تھے اور گھر سے بہت خوش حال تھے۔ ان کے باپ بھائی ریاست کے معزز عہدوں پر تھے اور اپنے گھر میں سب میں خوبصورت تھے ان کے پاؤں زنجیر پڑی رہتی تھی اور یہ ایک تخت پر بیٹھے رہتے تھے۔ اس تخت پر ایک مصلی پڑا رہتا تھا یہ کبھی نماز پڑھتے تھے اور کبھی ذکر کرتے تھے اور کبھی ویسے ہی بیٹھے رہتے اور جب نماز پڑھتے تو نہ اوقات کا لحاظ ہوتا نہ رکعات کا لحاظ بلکہ جب چاہا نماز

---

[1] علت اسکی نقص ہے مجاذیب کا۔ اسی لیے اہل تحقیق ان کی طرف توجہ کو منع کرتے ہیں۔ کہ اول تو ان سے دین کا ذوق کم ہوتا ہے اور کچھ ہوتا ہے تو ناقص چنانچہ اس قصہ میں کیفیت تو حاصل ہو گئی اور اعمال برباد ہو گئے جس پر گو مواخذہ نہ ہو مگر حرمان ثواب سے تو ہوا۔ (اشرف علی) (منقول از امیر الروایات)

شروع کر دی اور جب تک جی چاہتا پڑھتے رہتے سنا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو مارتے بھی تھے۔ نیز ان کی یہ حالت تھی کہ جب کسی کو دیکھتے تو ہنس کر ہاتھ سے منہ چھپا لیتے تھے۔

ایک اور مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۴۱) خان صاحب نے فرمایا کہ رام پور میں ایک اور مجذوب رہتے تھے جو اپنے آپ کو رب العالمین کہتے تھے۔ یہ جس مکان میں رہتے تھے اس میں ایک نہایت عمدہ چارپائی پڑی تھی جس پر ایک نہایت عمدہ بستر لگا رہتا تھا اور یہ مجذوب نہایت شان و شوکت کے ساتھ اس چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے اور چارپائی کے سرہانے ایک چوکی لگی ہوئی تھی جس پر ایک جائے نماز پڑی ہوئی تھی اور چارپائی کے سامنے بوریے بچھے رہتے تھے اور مکان میں ہر چیز نہایت قرینے سے رکھی رہتی تھی مکان بھی نہایت عمدہ تھا اور اس میں صفائی کا بھی پورا اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ مکان میں تنکا تک نہ ہوتا یہ مجذوب لباس بھی نہایت عمدہ اور امیرانہ پہنتے تھے اور نہایت خوش بیان تھے تقریر اس قدر تیز تھی کہ کیا مجال زبان میں لکنت آئے یا کہیں ٹھٹکیں۔ مگر وہ تقریر نہایت غیر مربوط اور بے معنی ہوتی تھی۔ اثنائے تقریر میں کبھی کبھی فوں فوں شوں شوں بھی کرنے لگتے تھے ان کے پاس ایک خادم رہتا تھا اور ہر وقت مکان بند رہتا تھا۔ جب کوئی آتا تو دروازہ پر تین مرتبہ دستک دیتا۔ اگر دروازہ نہ کھلتا تو واپس ہو جاتا۔ اور اگر ان مجذوب کو بلانا مقصود ہوتا تو خادم آکر دروازہ کھولتا اور وہ شخص دروازہ میں داخل ہوتا۔ خادم دروازہ پر اس سے جوتے اتروا دیتا اور جوتے ایک طرف کو موقع سے رکھ دیتا تھا یہ شخص ان کی خدمت میں جا کر سلام کرتا اور عرض معروض کرتا۔ ان مجذوب کا قاعدہ تھا کہ وہ اکثر دائیں بائیں اور اوپر منہ کر کے شوں شوں فوں فوں کرتے تھے۔ ان کی نسبت یہ بھی مشہور تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے خودکشی کرنے کیلئے اپنے پیٹ میں چھرا گھونپ لیا جس سے آنتیں باہر آگئیں۔ ان کی بہن رونے لگیں بہن کو روتے دیکھ کر انہوں نے آنتیں اندر کر لیں اور زخم اچھا ہو گیا۔ میں اپنے پھوپھا کے ہمراہ ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ

میرے پھوپھا اور میں ان کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ان کو جوش ہوا اور انہوں نے حسب عادت فوں فوں اور شوں شوں شروع کی اور کہا کہ فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا۔ اور فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ فلاں اور فلاں مرتبہ فلاں اور انہوں نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو سینہ سے ناف تک ایک لکیر معلوم ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے کبھی اپنا پیٹ چاک کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ آج پھر صبح سے رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے دیکھو کوئی مانع نہ ہو اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بستر کے نیچے سے ایک تراہ کا چھرا نکالا اور گردن پر رکھ کر چلانا چاہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے ہاتھ سے چھرا لے لیا۔ وہ بہت دیر تک فوں فوں شوں شوں کرتے رہے۔ جب جوش فرو ہوا تو انہوں نے میرے پھوپھا سے کہا کہ اب مجھے چھرا دیدو۔ اَب مجھ پر وہ کیفیت طاری نہیں ہے۔ میرے پھوپھا نے چھرا دیدیا۔ اس کے بعد انہوں نے میرے پھوپھا سے فرمایا کہ اس کا تذکرہ نہ کرنا اور مجھ سے بھی کہا کہ میاں لڑکے دیکھو تم بھی کہیں نہ کہدینا۔ اس روز سے مجھ پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ میں پھر ان کے یہاں نہیں گیا۔ یہ قصہ نواب یوسف علی خاں کے زمانہ کا ہے اس کے بعد ہم تو رام پور سے چلے آئے۔ ہمارے چلے آنے کے بعد جب نواب کلب علی خاں مسند ریاست پر متمکن ہوئے تو ان کے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ ان مجذوب نے اپنے خادم سے کہا کہ رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا آج پھر شوق غالب ہوا ہے اور وہ اپنی گردن کاٹنا چاہتا ہے! اگر سر تن سے جدا نہ ہو تو تو الگ کر دینا یہ کہہ کر سجدہ میں گئے اور سجدہ میں جا کر انہوں نے اپنی گردن کاٹ لی۔ سر تو تن سے جدا ہو گیا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ خود انہی نے جدا کر دیا تھا یا حسب وصیت خادم نے جدا کیا اور ان کا حلقوم زمین پر آ ٹکا اور وہ اسی طرح سجدہ کی ہیئت پر قائم رہے اور سوائے خون کے نہ پاخانہ نکلا نہ پیشاب نہ اور کسی قسم کی رطوبت۔ اور خادم پاس بیٹھا ہوا برابر مور چھل جھلتا رہا لوگ آتے تھے اور دستک دے کر چلے جاتے تھے۔ بھنگن بھی دو وقت کمانے آتی تھی مگر دستک اور

آواز دے کر چلی جاتی تھی۔ اسی طرح تین دن گذر گئے۔ آخر کار بھنگن نے ان کے پڑوس میں اس کا تذکرہ کیا کہ میاں تو کہیں جاتے نہ تھے خدا جانے کہاں چلے گئے میں تین دن سے دووقت کمانے جاتی ہوں مگر دروازہ نہیں کھلتا۔ پڑوس کی عورتوں کو کچھ شبہ ہوا اور انہوں نے اپنے اپنے کوٹھوں سے یا کسی اور طریق سے ان کے مکان میں جھانکا دیکھا تو وہ شہید ہیں اور خادم بیٹھا ہوا ہے انہوں نے اپنے مردوں سے ذکر کیا مردوں نے کوتوالی میں اطلاع کی۔ پولیس آئی دروازہ کھولا گیا دیکھا واقعہ صحیح تھا۔ اب ان کی تجہیز و تکفین ہوئی مگر نماز کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا۔ مفتی سعد اللہ صاحب اور ان کی جماعت کہتی تھی کہ انہوں نے خودکشی کی ہے اسلیے ان کی نماز نہ پڑھنی چاہیے اور مولوی ارشاد حسین صاحب اور رام پور کے قاضی جو بدایون کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ مغلوب[1] اور غیر مکلّف تھے ان کی نماز پڑھنی چاہیے چنانچہ مولوی ارشاد حسین صاحب اور قاضی صاحب کے فتویٰ پر عمل کیا گیا اور نہایت شان و شوکت کے ساتھ ان کی نماز ہوئی اور ان کو دفن کیا گیا۔ ان مجذوب کے انتقال کے بعد اب وہ خادم اپنے کو رب العالمین کہنے لگا۔ مگر علماء کی رائے سے نواب صاحب نے اس کو رام پور سے نکال دیا اور اس کے بعد اس کا پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔

ایک پنجابی مجذوب صاحب کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ دلویالدیہ

حکایت (۴۴۲) ایک روز ارشاد فرمایا قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میانجیو نور محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے اور اتفاقاً اس جگہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی شہید رحمتہ اللہ علیہ بھی تشریف رکھتے تھے وہ مجذوب اکثر حاجی صاحب شہیدؒ کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ "او تمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے" حضرت حاجی

---

[1] ایسے مغلوب ناقص ہوتے ہیں اور اولیاء مستہلکین کہلاتے ہیں گو استہلاک ظاہری نہ ہو:: (اشرف علی)

صاحب شہیدؒ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گذری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ ''تمہارے حاجی کے ہاتھ میں لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا۔ میں نے ان کو لوٹا پکڑا یا'' حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آگئی انہوں نے حضرت سے عرض کیا آپ نے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اس وقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے۔ (از تذکرۃ الرشید)

حافظ عبدالقادر صاحب مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۴۳) ایک دن فرمایا کہ جس زمانہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے میں دہلی رہتا تھا دار البقامیں ایک مجذوب حافظ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن وہ راستہ میں جارہے تھے اور میں چند قدم پیچھے پیچھے تھا۔ دفعتہً مڑ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ہے قدرت اللہ ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت رشید احمد ہے۔ اس کے بعد چند قدم الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور کہا ہٹوہ 'ہٹوہ' ہٹوہ۔ اور سینہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا'' یہ میرے گولی لگی یہ میرے گولی لگی ''۔ یہ چند الفاظ فرما کر بھاگ گئے۔ اس قصہ سے مہینے سوا مہینے بعد ہی غدر کا اثر شروع ہوا اور یہ حضرت گولی سے شہید ہوئے۔ سینہ ہی میں گولی لگی۔ نیز فرمایا ایک دن مولوی محمد قاسم صاحب بخاری شریف لئے جارہے تھے کہ یہی مجذوب حافظ صاحب مل گئے اور بخاری شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں سے چھین کر چل دیئے۔ مولوی صاحب ڈرتے ہوئے پیچھے پیچھے ہو لئے کہ کہیں بخاری شریف ڈال نہ دیں۔ راہ میں ایک بھڑ بونجہ کی دوکان تھی اس کی بھٹی پر بیٹھ گئے اور بخاری شریف کی اوراق گردانی شروع کر دی اور زبان سے لگے من من

من کرنے۔ تھوڑی دیر تک ورقوں کو الٹ پلٹ کرتے رہے۔اس کے بعد کتاب مولوی صاحب کو دیدی۔(منقول از تذکرۃ الرشید)

میر محبوب علی صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۴) خان صاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے انہی میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔جب غدر فرد ہوا تو انگریزوں کی طرف سے ان کو گیارہ گاؤں مسلم انعام میں دیے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ لے کر خود مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپ کی وفاداری کے صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں عطا کئے ہیں اور یہ پروانہ معافی ہے۔ مولوی صاحب یہ سن کر نہایت برہم ہوئے اور پروانہ لے کر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لیے کیا تھا [1] میرے نزدیک مسئلہ یونہی تھا اس لئے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔

مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۵)

فرمایا کہ مولوی احمد حسن کانپوری جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچے ہیں منشی محمد جان مرحوم کہتے تھے کہ میں نے ایک روز مولوی صاحب کو دیکھا کہ حضرت کی جوتی جو کہ مجلس کے باہر رکھی تھی سر پر رکھ کر زاروزار رد رہے ہیں۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

---

[1] مگر اس کے قبل تو کم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوگی جس کا غلط ہونا ثابت ہوا اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگادینا چاہیے جیسا اس زمانہ میں بھی اس کے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا زور ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے : : (اشرف علی)(منقول از امیر الروایات)

مومن خان صاحب مرحوم "مشہور شاعر" کی حکایت

حکایت (۴۴۶) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی سراج احمد صاحب خورجوی فرماتے تھے کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیلا کرتے تھے اور مومن خاں کھیل میں غالب رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا غالب نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ آپ اس قدر تیز طبع اور ذہین ہیں پھر کیا بات ہے کہ مومن خاں سے مات کھا جاتے ہیں۔ مولوی فضل حق صاحب نے فرمایا کہ مومن خاں بھیڑیا ہے اسے اپنی قوت کی خبر نہیں ہے۔ وہ عشق عاشقی کے قصوں میں پھنس گیا۔ اگر علمی مشغلہ میں پڑتا تو اس وقت اس کے ذہن کے حقیقت معلوم ہوتی۔ فی الحقیقت نہایت ذہین آدمی ہے۔[1]

مولوی احمد حسن صاحب مرحوم مراد آبادی کی حکایت

حکایت (۴۴۷) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی نور محمد صاحب مراد آبادی فرماتے تھے کہ جب مولوی احمد حسن صاحب کا انتقال ہونے لگا تو اس وقت میں بھی موجود تھا اور کمرو غیرہ دبا رہا تھا انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں تمام بدعات سے جن میں میں مصروف تھا توبہ کرتا ہوں اور عقائد میرے پہلے بھی برے[2] نہ تھے۔ ہاں افعال نفس کی شرارت سے ضرور خراب تھے۔ سو میں ان سے بھی توبہ کرتا ہوں۔

مولوی عبدالحق صاحب کانپوری مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۸) فرمایا کہ مولوی عبدالحق صاحب کانپوری نسباً سید تھے۔ رسوم کو برا سمجھتے تھے۔ نفیس کھانے پینے نفیس پہننے کے شائق تھے۔ ایک دفعہ اپنے باورچی خانہ میں گئے تو وہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی عورتوں نے کہا یہاں مت آنا یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ آہا بی

---

[1] کیسے منصف مزاج تھے آج مشائخ میں وہ تواضع وصدق نہیں جو اس وقت کے دنیادار کہلانے والوں میں تھا۔

[2] یہی ہے وہ مضمون جس کا حوالہ حکایت (۱۲۰) کے حاشیہ میں دیا گیا ہے (اشرف علی)

نی ہیں کون، ہماری دادی ہی تو ہیں وہ ہوتیں تو ہم کو ہی کھلاتیں۔ اور یہ کہہ کر آپ سب کا صفایا کر گئے اور عورتیں چیختی رہ گئیں　(منقول از اشرف التنبیہ)

ایک متشدد واعظ صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۹) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ ایک واعظ دہلی کی نسبت فرماتے تھے کہ متشدد تھے۔ اس قدر تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے تو حضرت نے ایک طبیب رئیس کی دعوت قبول کر لی تو اس پر واعظ مذکور کا اعتراض تھا کہ فاسقوں کی دعوت قبول کر لی۔ حالانکہ سب سے زیادہ حضرت مولانا کے معتقد تھے۔

حکایت (۴۵۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں دیوبند گیا تھا چونکہ بہلی کے ذریعہ سفر کیا تھا اس وجہ سے گرد و غبار سے کپڑے میلے ہو گئے تھے اسی حالت میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوا وہاں مولانا مسعود احمد صاحب بھی تھے اور ان کے پاس وہ واعظ بھی موجود تھے ان کو میں نے بالکل نہیں پہچانا تو انہوں نے عربی جملہ میں انی کنت مشتاقاً الیک پھر میں نے مولانا مسعود احمد صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ یہ فلاں صاحب ہیں میں نے اردو میں جواب دیا۔ اتفاق سے وہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ملے جو لباس ذرا اچھا پہنتے تھے ان صاحب نے موازنہ شروع کیا کہ ان کا (یعنی حضرت مرشدی مولانا تھانوی مد ظلہم العالی) کا لباس طالب علمانہ ہے اور وہ یعنی مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمتہ اللہ علیہ جاکٹ پہنتے تھے

حکایت (۴۵۱) فرمایا کہ ایک خوش عقیدہ مگر سخت واعظ دہلوی نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ پر بھی اعتراض کیا تھا کہ یہ بدعتیوں کی عیادت کے لئے جاتے ہیں قصہ یہ تھا کہ حضرت مولانا دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی کی جو

نظام الدین کے قریب ایک مسجد میں رہتے تھے' عیادت کیلئے تشریف لے گئے تھے وہ کوئی بدعتی نہ تھے البتہ بعض مجاورین ان کے پاس آبیٹھتے تھے ان مجاورینکی مولوی صاحب کی صحبت سے کچھ اصلاح بھی ہوگئی تھی صرف اختلاط کی وجہ سے ان واعظ صاحب نے ان کو بدعتی کہدیا۔ ہمارے مولانا دیوبندی بہت رحمدل تھے اس وجہ سے بعض لوگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو ترجیح دیتے تھے کہ یہ سنت پر زیادہ عامل ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایابئس اخو العشیرۃ جب وہ آیا تو آپؐ نے اس سے کلام کرنا شروع کیااس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے تو فرمایا تھابئس اخوۃ العشیرۃ تو آپ نے فرمایاوہ شخص ہے جس کی بدمزاجی کے سبب لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ میں نے ایسا ہونا نہیں چاہا۔

مولوی تجمل حسین صاحب مرحوم بہاری کی حکایت

حکایت (۴۵۲) فرمایا کہ مولوی تجمل حسین صاحب بہار کے ایک شخص تھے مثنوی اچھی پڑھتے تھے کانپور میں میری بھی ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بڑا تعلق رکھتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا قوال ہوں مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے مرید تھے۔ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ چونکہ صبح کے وقت شافعی مصلی پر ذرا لطف ہوتا ہے اکثر لوگ صبح کی نماز اسی مصلی پر پڑھتے ہیں وقت بھی اچھا قراۃ بھی طویل۔ اس وقت ایک قسم کا لطف ہوتا ہے اور جس وقت شافعیہ قنوت پڑھتے ہیں حنفیہ چپ کھڑے رہتے ہیں اس وقت ان پر ایک حالت طاری ہوئی۔ شافعیہ تو قنوت پڑھ رہے تھے انہوں نے پندنامہ کی مناجات پڑھنا شروع کی

پادشاہا جرم مارا درگذار :: ماگنہگاریم تو آمرزگار

نہایت ذوق وشوق اور درد کے ساتھ اس کو پڑھتے رہے۔ نماز کے بعد لوگوں میں اس کا چرچا ہوا

عربیوں میں تو اس کا چرچا کم ہوا لیکن ہندیوں میں اس کا چرچا زیادہ ہوا حضرت حاجی صاحب سے بھی اس کی شکایت ہوئی مگر حضرت چونکہ عارف تھے' صاحب حال پر ملامت نہیں کرتے تھے کیونکہ حضرات عارفین کو لغزش کا منشاء معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے حضرت سنتے رہے اور ہنستے رہے کیونکہ نماز تو فاسد ہوئی نہ تھی چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا اگر غیر عربی میں ہو تو حرام ہے مگر مفسد صلوٰۃ نہیں۔ اور حرمت اسلئے نہ تھی کہ مغلوب الحال تھے' معذور تھے اسلئے حضرت تبسم فرماتے رہے۔ باقی زبان سے اس تفصیل کا اسلئے اظہار نہ فرمایا کہ فتنہ ہوگا اس موقعہ پر حضرت کی جامعیت پر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (جامع)　　　(منقول از اشرف التنبیہ)

مولوی محمد صاحب مرحوم وکیل الہ آباد کی حکایت

حکایت (۴۵۳) فرمایا کہ مولوی محمد صاحب وکیل الہ آباد کا قصہ میرے ایک دوست جو ایک مقدمہ کی پیروی میں الہ آباد گئے تھے اور مولوی صاحب کو وکیل مقرر کیا تھا بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ ان کے یہاں مہمان تھا میں نے ایک روز دیکھا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہنستے کھیلتے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آہا جی ہمارے یہاں آج شیخ جی آئے۔ اور اس روز کھانے میں بہت دیر ہوگئی۔ انہوں نے سمجھا کہ شیخ جی کوئی بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں ان کیلئے اچھے کھانے پک رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کھانا آنے میں دیر ہوئی۔ جب بہت دیر ہوگئی اور کھانے کا وقت گذر گیا تو میں نے کسی سے پوچھا کہ بھائی یہ شیخ جی کون ہیں اور وہ اب تک دکھلائی بھی نہیں دئے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آج کے یہاں فاقہ ہے بچے اسی کو شیخ جی کے لقب سے یاد کر کے خوش ہو رہے ہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کی اولاد میں بھی اثر ہوتا ہے گو وہ خود بزرگ نہ ہوں۔ یہ وکیل صاحب بزرگ زادے تھے۔　　　(منقول از اشرف التنبیہ)

مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۵۴) خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپیہ لے کر مدرسہ کی سالانہ کیفیت چھپوانے کے لئے دہلی آئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپیہ لیکر دہلی پہنچے اور کیفیت چھپوا کر لے آئے کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی انہوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اسلیے ان پر ضمان نہیں اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے۔ اور مولانا کا فتویٰ دکھلا دیا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں' اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے جاؤ لیجاؤ اس فتوے کو میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا[1]

ایک نورباف بزرگ رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۴۵۵) ایک دن ارشاد فرمایا ایک بزرگ تھے جلا ہے ایک روز عصر کی نماز میں ان کو دیر ہو گئی۔ دوڑے ہوئے کنویں پر وضو کے لئے پانی لینے گئے کنویں کے اندر لوٹا یا ڈول جو ڈالا تو پانی کی جگہ چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔ اس بزرگ نے پھینک دیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ مذاق نہ کرو مجھے تو نماز میں دیر ہوتی ہے دوبارہ کنویں میں ڈالا تو سونے سے بھرا ہوا نکلا۔ پھر اس کو زمین پر دے پٹکا اور عرض کیا کہ مذاق نہ کرو مجھے تو نماز میں تاخیر ہوئی جاتی ہے اس وقت الہام ہوا کہ

[1] کیا انتہا ہے تقویٰ کی (اشرف علی)

میں نے یہ معاملہ اسلئے کیا کہ لوگ تجھ کو حقیر نہ جانیں۔

جناب مولانا مولوی میاں اصغر حسین صاحب محدث ومدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبندؒ کی حکایات

حکایت (۴۵۶) فرمایا کہ جس وقت دیوبند کے مدرسہ میں شورش ہوئی ہے تو اس زمانہ میں مولوی اصغر حسین صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ موٹر میں سوار آرہے ہیں۔ اور انہوں نے میرے پاس آکر موٹر ٹھہرایا۔ اور وہ بزرگ مشابہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ان سے (یعنی مولانا حبیب الرحمٰن سے) مہتمم دارالعلوم دیوبند سے) کہہ دینا کہ گھبرائیں نہیں سب خیریت رہے گی۔

(از اشرف التنبیہ)

حضرت میاں صاحب

مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کی زندگی کے کچھ نقوش

اضافہ از مولانا محمد زکی کیفی مرحوم ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

جمگھٹ وہ گل رخوں کے الٰہی کدھر گئے ؟ کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا؟

تقریباً تیس بتیس سال پہلے کی بات ہے۔ گرمیوں کی ایک صبح کو لڑکپن کی مست نیند سے بیدار ہوا تو گھر پُر مغموم اور گریاں پایا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا خبر سنتے ہی دل بیٹھ گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ مجھے شاہ صاحب سے عقیدت تھی بلکہ صرف اس تصور سے کہ ہمیں جو مٹھائی ہر دفعہ ان کے پاس جانے سے ملا کرتی تھی وہ بند ہو جائے گی۔

یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیری) کا انتقال ہوا تھا 'میاں صاحب مولانا اصغر حسین کا نہیں۔

شاہ اور میاں کے فرق کو سمجھنے کا اس وقت شعور ہی کہاں تھا بہر حال میاں صاحب مولانا اصغر حسین کی شفقت و محبت کا میرے ذہن پر یہ پہلا نقش تھا۔

اس کے بعد میاں صاحب کی زیارت سفر و حضر میں بار بار ہوتی رہی اور ہر بار ایک گہرا نقش چھوڑتی رہی۔ اس پر میں جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کروں وہ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گنہگار آنکھوں کو بھی اپنے ان مخلصین کی زیارت کا شرف بخشا جو دَورِ اول کے علم و عمل اور اخلاص و محبت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے اگرچہ اپنی بد اعمالیوں اور لغزشوں کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کیسے کیسے رحمتوں کے بادل برسے لیکن میں اپنی بد نصیبی اور شامت اعمال کی وجہ سے اپنے لب بھی تر نہ کر سکا اگر اسی بات پر پکڑ ہوگئی تو خدا کو کیا جواب دے سکوں گا۔

میاں صاحب حضرت مولانا اصغر حسینؒ کے متعلق خود میاں صاحب کے بزرگوں اور اساتذہ کو ان کا احترام کرتے دیکھا اور فرماتے سنا کہ یہ تو مادر زاد دلی ہیں۔ اساتذہ بھی نام لینے کی بجائے میاں صاحب ہی کہتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ جو اس وقت دار العلوم کے سید الطائفہ تھے وہ بھی ان کو ہمارے سید صاحب کہہ کر خطاب فرماتے۔

میاں صاحب کے علم و عمل اور اصلاح و تقویٰ کو تو اہل علم صاحب باطن اور صاحب بصیرت حضرات ہی جانتے ہوں گے اس تباہ حال و گنہگار نے اس مجسمہ شفقت و اخلاص کو جن حالتوں میں دیکھا جو الفاظ زبان فیض ترجمان سے سنے جو نصائح و عبر ان کی صحبت سے حاصل ہوتے رہے ان کے جس رخ پر بھی جتنا زائد سے زائد لکھا جائے کم ہے اور اس کی ضرورت بھی بہت ہے ۔لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عالم اہل دل کے کرنے کا ہے میں نہ تحریر پر قدرت رکھتا ہوں نہ ان علوم و معارف سے آشنا جن کے میاں صاحب شناور تھے تفصیلی حالات زندگی لکھنے کی نہ مجھ میں صلاحیت ہے اور نہ اس کا یہ موقعہ ہے اس وقت صرف وہ چند واقعات جو اس وقت ذہن میں آگئے' پیش کر رہا ہوں ممکن ہے میری اس بے سروپا تحریر کو دیکھ کر ہی کسی صاحب کے دل میں اس عظیم پر جامع مضمون لکھنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔

حکایت (۴۵۷) میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی۔ ایک روز میاں صاحب کی خدمت میں حاضری کا داعیہ پیدا ہوا صبح کے دس بجے ہوں گے کہ میں اس آستانہ ہدایت پر پہنچا۔ میاں صاحب کی زیارت سے دولت سرمدی حاصل کی۔ میاں صاحب تو سراپا شفقت اور پیکر محبوبیت تھے' مختلف نصیحتیں فرماتے رہے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں عربی کی ابتدائی کتب پڑھ رہا ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے۔ میاں صاحب معمول کے مطابق کچھ دیر تسبیح واستغفار میں مشغول رہے پھر فرمانے لگے میاں علم انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے اور انسان خود کو عام لوگوں سے بلند وبالا سمجھنے لگتا ہے اگر علم کے ساتھ تقویٰ اور خشیت نہ ہو تو جہل اس سے بدرجہا بہتر ہے اہل علم کیلئے ان جملوں میں جو درس عبرت ہے اس کی اہمیت وقیمت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کے لئے علمی برتری کا احساس ہی ایساروگ ہے جو ان کی اس فضیلت کو معصیت میں تبدیل کر دیتا ہے اور خدمت خلق اور افادہ عوام کیلئے سد سکندری بن جاتا ہے۔ حضرت میاں صاحب کو حق تعالیٰ نے مرجع خلائق بنایا تھا ہر وقت آنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ادھر طبعی مذاق خلوت پسندی کا تھا اس کے ساتھ علمی خدمات تھیں جن کی وجہ سے اکثر دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے۔ عصر کے بعد عام مجلس ہوتی تھی دوسرے اوقات میں دروازہ بند رہتا تھا۔ اس وقت کوئی حاضر ہوتا تو دروازے پر دستک دے کر اجازت لینے کا معمول تھا۔ کچھ یہ بھی مقصود ہو تو بعید نہیں کہ شریعت کا یہ حکم اور رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت کسی کے مکان پر جاؤ تو بلا اجازت داخل نہ ہو' عام لوگوں میں متروک ہو رہی ہے۔ اس سنت کا احیاء کرنا پیش نظر تھا لیکن مجھ پر چونکہ بےحد شفقت تھی اور میرے لڑکپن کی وجہ سے صرف نظر بھی فرماتے تھے' میں بغیر اطلاع ہی اندر چلا جاتا تھا۔ ایک روز حاضر ہوا تو دروازے پر چند ذی وجاہت لوگوں کو اجازت ملنے کا منتظر پایا۔ فوراً ہی دل میں فخر وغرور کا ایک جذبہ بیدار ہوا کہ ہمیں میاں صاحب نے اس قانون سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔ اسی فخر کے اظہار کے لئے بلا تامل اندر پہنچ گیا میاں صاحب صحن مکان کے

ایک گوشہ میں چارپائی پر تشریف فرما تھے جاکر سلام عرض کیا۔ میاں صاحب کی نظر حقیقت شناس نے فوراً ہی دل کا چور پکڑ لیا۔ غصے کے انداز میں ہلکی سی گوشمالی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ارے مولوی کے لڑکے! تم بڑے بد تمیز ہو کہ بغیر اجازت حاصل کئے مکان میں گھس آئے چلو نکلو یہاں سے اور دروازہ پر جاکر بلند آواز سے کہو 'زکی آیا ہے" اور حاضری کی اجازت چاہتا ہے" بادل ناخواستہ پسپا ہو کر تعمیل ارشاد کی گئی اور تھوڑے سے وقفہ امتحان کے بعد حاضری کی اجازت مل گئی۔ اس وقت نصیحت پر ہی اکتفا کر لیا جاتا تو یہ اثر کہاں ہوتا۔ اس معمولی سے مجاہدے نے وہ کام کیا کہ شاید عرصہ دراز کی محنت سے بھی وہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔ فخر و غرور نفس تکبر وادعا کے امراض ایک مسیحا نفس کی ہلکی تدبیر سے دفعتاً غائب ہو گئے۔

وہ دن اور آج کا دن نہ کبھی پھر اس پر غرور اور تکبر ہوا اور نہ ایسی بے احتیاطی۔ اور اسی کا ثمرہ ہے کہ اب سنت نبوی کے مطابق اپنے گھر میں بھی آواز دے کر جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

کہاں میں اور کہاں وہ نکہت گل :: نسیم صبح تیری مہربانی

شام کو بعد نماز عصر عام مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہر شخص کو حاضری کی اجازت تھی عموماً دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم طلباء اور میاں صاحب کے عقیدتمند اہل شہر اتنی کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے کہ میاں صاحب کے مکان کا خاصا بڑا صحن بھر جایا کرتا تھا۔

حکایت (۴۵۸) ایک روز میں بھی حاضر ہوا۔ مجمع زیادہ تھا میں بھی ایک گوشہ میں جاکر بیٹھ گیا اور ملفوظات سنتا رہا مغرب کی اذان پر علوم و معارف کی مجلس برخاست ہوئی۔ میں بھی اٹھ کر چلا قریب پہنچنے پر سلام عرض کیا۔ دیکھ کر پہچان لیا اور روک کر اشارہ فرمایا کہ جب کسی مجلس میں پہنچو تو صاحب خانہ کے علم میں تمہاری موجودگی ہونی چاہیے خاموشی سے بغیر اطلاع دیے بیٹھ جانا درست نہیں۔ بعض اوقات اس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے میں کوئی بات تم سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری موجودگی کا علم نہ ہونے کی بنا پر وہ بات کہدوں تو؟

یہ تو ارشاد فرمایا اور ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ حضرت میاں صاحب کی عادت تھی کہ کتنا ہی بڑا

مجمع ہو جائے ہر ایک سے کچھ خصوصی خطاب فرما کر اس کی دلجوئی کیا کرتے تھے یہ پسند نہ تھا کہ کوئی شخص مجلس میں آئے اور چلا جائے نہ حضرت کو اس کا علم ہو اور نہ وہ حضرت کے خصوصی خطاب سے مستفید ہو سکے۔

حکایت (۴۵۹) تعلیم کے زمانے میں طلباء کا عملی سیاست میں الجھنا میاں صاحب کو ناپسند تھا اور اس سلسلہ میں ہمیشہ طلباء کو اپنے مخصوص مشفقانہ انداز میں نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ خصوصاً کانگریسی سیاست کو مسلمانوں کے لئے مضر جانتے تھے اور اسی وجہ سے گاندھی ٹوپی سے سخت نفرت تھی۔ بعض طالب علم وہ پہن کر آجاتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اس شیطانی کیپ کا داخلہ میرے اس جھونپڑے میں ممنوع ہے اور کہیں تو میرا اختیار نہیں مگر یہاں کا صاحب اختیار ہوں اگر یہ ٹوپی پہننا ہے تو میرے پاس نہ آئیں۔

حکایت (۴۶۰) ایک روز صاحب مدظلہم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) اور ناکارہ دولت پر حاضر ہوئے فرمانے لگے آم چوسو گے؟ والد صاحب نے عرض کیا آم اور پھر حضرت کے عطا فرمودہ، نورٌ علیٰ نورٍ! ضرور عطا ہوں میاں صاحب اٹھے ایک ٹوکری میں آم لا کر رکھے اور ایک خالی ٹوکری گٹھلی چھلکوں کیلئے سامنے لا کر رکھ دی ہم آم چوس کر فارغ ہوئے تو والد صاحب گٹھلی اور چھلکوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر پھینکنے کے لئے چلے، پوچھا چھلکے کہاں لیکر چلے عرض کیا باہر پھینکنے کیلئے جا رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ، پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا، حضرت یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے۔ جس کو سیکھنا ضروری ہے؟ فرمایا ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں ہو، لاؤ مجھے دو۔ خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے علیحدہ کئے اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے متعین جگہوں پر چھلکے رکھدئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں۔ والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قرب وجوار میں تمام غربا و مساکین رہتے ہیں۔ زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نانِ جویں بھی بمشکل میسر آتی ہے اگر وہ پھلوں کے یکجائی چھلکے دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے

احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذا ہی کا باعث میں بنوں گا اس لئے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گذرتے ہیں یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں بچے ان کو بھون کر کھا لیتے ہیں۔ یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہر حال ایک نعمت ہے ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحب خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں عموماً مہمانوں ہی کے لئے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔ بعض فقہا نے بازار کے کھانے سے اسی لیے پرہیز فرمایا ہے کہ ان پر غریبوں کی نظریں پڑتی ہیں اور ناداری کے سبب وہ ان کی حسرت کا سبب بنتی ہے۔ دیکھئے ان اللہ والوں کی نظر دُنیا کے کاموں میں کیسی دقیق ہوتی ہے اور ہر ہر چیز کا حق کس کس طرح ادا کرتے ہیں۔

حکایت (۴۶۱) میاں صاحب کے لئے جو کھانا گھر سے آتا تھا خود تو بہت کم خوراک تھے باقی کھانا محلے کے بچوں کو بلا کر کھلاتے تھے۔ جو بوٹی بچ جائے اس کو بلی کے لئے دیوار پر رکھ دیتے تھے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لئے۔ اور دستر خوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہے۔ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچاننا ان کو ٹھکانے لگانا انہی صاحب بصیرت بزرگوں کا حصہ تھا۔ آج تو ہر گھر میں بچا ہوا کھانا سڑتا ہے اور نالیوں میں جاتا ہے جس کا اگر اہتمام کیا جاتا تو بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرتا۔

حکایت (۴۶۲) اعزا، اقربا، احباب، اہل محلّہ کے حقوق وجذبات کی جس قدر رعایت کرتے ہوئے اس مرد باخدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحبؒ کا اکثر مکان کچا تھا جس پر ہر سال **کھگل** ہونا ضروری تھی۔ اگر نہ کی جاتی تو مکان منہدم ہونے کا خطرہ تھا۔ ہر سال برسات سے پہلے اس پر کہ کھگل کرانے کا معمول تھا اور اس وقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے

ہی ایک موقع پر والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائے گا کہ اس سے پختہ انیٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کے ساتھ فرمایا ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات کہی میرا اندازہ بھی یہی ہے کہ پانچ سات سال میں جتنا خرچ اٹھ ہو جاتا ہے اتنے خرچ میں پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے۔ہم بڑھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے۔یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اس طرح فرمایا کہ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں ایسی حالت میں میاں صاحب کو کیا اچھا لگتا کہ اپنا پختہ مکان بنا کر بیٹھ جاتا ،پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔اس وقت یہ راز کھلا کر یہ حضرات کس مقام بلند پر ہیں ان کے اعمال وافعال کا اندازہ لگانا دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشدہ ہیں۔پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت اور ان کی خدمت جو حضرت میاں صاحب کی فطرت بنی ہوئی تھی ،دوسروں کا اس کی طرف دھیان جانا بھی آسان نہ تھا۔

در نیا بد حال پختہ ،ہیچ خام :: بس سخن کو تاہ بایدوالسلام

میں نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحب نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔یہ حضرات ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا تو امیر المومنین فاروق اعظم نے گھی کھانا ترک کر دیا اور فرمایا اس وقت گھی کھاؤں گا جب مدینے کے عوام گھی کھانے لگیں۔یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار ،ہمدردی اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحبؒ ہی کی زندگی میں نظر آئی۔ایک مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں

حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ بر ملا فرماتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی سے تنبیہ فرماتے۔ اختلاف بھی اختلاف امتی رحمۃ کی تشریح پر تھا اختلاف کی حدود سے سر مو تجاوز ان کی فطرت ہی نہ تھی۔ انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحب کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہو گی۔ لیکن اس کے باوجود والد صاحب سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں، البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کیلئے چلنا ضرور ہے چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نماز استسقاء ادا کی بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لئے بھی نماز کا اعلان فرمایا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش ہوئے واپس آگئے۔ تیسرے روز کے لئے پھر نماز کا اعلان ہوا تو تیسرے دن بھی میاں صاحبؒ نماز کے لئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھا دوں۔ ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحبؒ تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی۔ بہر کیف نماز استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحبؒ کے عقید تمندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہوئیگی شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہو گی۔ لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام و نشان نہ تھا۔ مجبوراً پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔ والد صاحب نے اس خلاف عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نماز پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر ہی بد گمانی نہ ہو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے اب اگر بد نامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔

سوچئے! ان اہل اللہ اور ہم دنیا داروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اس کو مجروح کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل ورسوا کیا جائے۔ لیکن یہی اختلاف جب اسلامی سانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دل فریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سینکڑوں اتحاد قربان ہو سکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف و سلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے اور جو خود کو دنیا دار کہتے ہیں ان کو اس کے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

<u>حکایت (۴۶۴)</u> حضرت میاں صاحبؒ کو روزمرہ کے واقعات سے عبرت آموزی کا خاص انداز تھا آنے والے ہر واقعہ سے کوئی عبرت و نصیحت حاصل کرتے تھے۔ آپ کا مکان دارالعلوم سے کافی فاصلہ پر محلّہ قلعہ میں ہے۔ شہر سے باہر باہر آنے کا دستور تھا۔ راستہ میں کچھ جنگل بھی پڑتا تھا۔ دارالعلوم میں تشریف لانے کے بعد معمول یہ تھا کہ ایک کمرہ جس میں حضرت مولانا کی تصنیف کی اشاعت کا سلسلہ بھی تھا "دارالتدریس والاشاعت" کے نام سے موسوم تھا' میرے والد ماجد مولانا محمد شفیع صاحب بھی درس سے فارغ اوقات میں یہاں بیٹھتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی سبق پڑھانے سے پہلے اور بعد میں کچھ دیر یہاں تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز مکان سے تشریف لائے تو والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج ہم ایک عجیب تماشا دیکھ آئے ہیں۔ والد صاحب اس تماشے کی حقیقت سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

فرمایا کہ محلّہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں ایک دوسری کو مارتی تھیں۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیر نزاع ہے حصوں میں کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تلی ہوئی ہیں اول نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں ہم ان کی کم عقلی اور بچکانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت

نے دل میں ڈالا کہ ان کی بیوقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و دولت اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں اگر ان کو چشم حقیقت بیں نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ عقلاء زماں اور حکماء وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ فنا ہونے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اس مضمون کے لئے ارشاد فرمایا۔ الدنیا جیفة و طالبها کلاب "دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس پر جھپٹنے والے کتے ہیں"

غور کیجئے اس طرح کے سینکڑوں واقعات سب کی نظروں سے گذرتے ہیں مگر کہاں ہے وہ نظر و فکر جو ان سے عبرت حاصل کرے۔

حکایت (۴۶۵) ایک روز صاحب حسب معمول مغرب کے بعد حاضر خدمت ہوئے۔ عموماً مغرب سے عشاء تک یہ مجلس رہا کرتی تھی۔ آج خلاف عادت فرمایا کہ آج ہماری گفتگو عربی میں ہوگی۔ سبب پوچھنے کی تو جرات نہ ہوئی خود ہی گفتگو کی ابتداء عربی میں فرمادی پھر والد صاحب نے بھی جو کچھ کہا عربی میں کہا لیکن طرفین کو عربی زبان میں مکالمہ کی عادت تو تھی نہیں اس کا نتیجہ ہوا کہ سوچ سوچ کر صرف ضروری باتیں کہی اور سنی گئیں۔ اپنی زبان میں جس بسط و تفصیل سے کلام ہوا کرتا تھا اور ایک منٹ کی بات میں پانچ منٹ خرچ ہو جایا کرتے تھے اس کا انسداد ایسا ہوا کہ وقت سے پہلے ہی مجلس ختم ہو گئی۔ اس وقت فرمایا کہ زندگی کا ایک ایک منٹ بڑا قیمتی بلکہ بیش بہا جواہرات ہیں ان کو فضول کام یا کلام میں صرف کرنا بڑی بے عقلی ہے۔ میں جانتا تھا کہ گفتگو عربی میں کریں گے تو صرف ضروری کلام ہی ہوگا اسلئے یہ کہا تھا۔ اور فرمایا کہ ہماری مثال اس دولت مند انسان کی سی ہے جس کے خزانے میں بے شمار گنیاں بھری ہوئی ہیں اور وہ بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔ مگر اسی طرح ایک ایسا وقت آگیا جب خزانہ خالی ہونے کے قریب آیا اور چند گنی چنی گنیاں رہ گئیں تو وہ اب دیکھ بھال کر کے خرچ کرتا ہے اور ہاتھ کھینچتا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر کے بے شمار جواہرات عطا فرمائے تھے جن کو ہم بے دریغ

خرچ کر چکے اب عمر آخر ہے خزانہ خالی ہونے کو ہے اس لئے ایک ایک منٹ دیکھ کر خرچ کرنا چاہیے۔

میاں صاحبؒ کی زندگی کا ہر گوشہ بلکہ ہر حرکت و سکون ہر بات ہر ادا صحیح اسلامی زندگی کا ایک عظیم درس تھا۔ کاش ہم اس سے سبق حاصل کرتے۔ اس وقت جو واقعات دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے حافظہ میں محفوظ تھے بغیر کسی ترتیب کے حوالہ قرطاس کروئے ہیں اگر پھر واقعات یاد آگئے تو کسی دوسری صحبت میں پیش کر دیے جائیں گے۔

موقوف ہو غم میر کہ شب ہو چکی ہمدم :: بس اور کسی روز یہ افسانہ کہیں گے

چند جملوں کا ایک خط

حضرت میاں صاحبؒ پر یہ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرمایا تو مندرجہ ذیل چند سطریں بطور تتمہ تحریر فرمائیں :۔

برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہ نے حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے کچھ حالات و مقالات مجھ سے ہی سنے ہوئے لکھ لئے۔ اس سے تو خوشی ہوئی کہ انہوں نے ان کلمات کی قدر پہچانی اور یاد رکھا۔

لیکن اس یگانہ روزگار ہستی کے علمی و عملی کمالات اور محض طرز زندگی کی کوئی جھلک بھی ان چند کلمات کے ذریعہ نہیں دیکھی جا سکتی۔ برخوردار نے یہ چند سطور لکھ کر ماضی کی ایک ایک بھولی ہوئی مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کر کے تڑپا ہی دیا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا نورانی چہرہ گویا سامنے آگیا آپ کے کلمات دلنواز کانوں میں گونجنے لگے کبھی کبھی کے واقعات یاد آنے لگے، مگر ان کو ضبط تحریر میں لانے کی طاقت، فرصت کہاں سے لاؤں۔ صرف ایک خط کے الفاظ اس وقت بے ساختہ قلب و زبان پر آگئے جو حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شگفتہ اور معنی خیز تحریر کا ایک نمونہ ہے۔ اس جگہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حکایت (۴۶۴)

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا تجارتی کتب خانہ ؎ آخر میں تھوڑی سی قیمت لگا کر مجھے عطا فرمادیا تھااور اس کی قیمت بھی بہت کم مقدار کی ماہوار قسطوں میں ادا کرنا طے ہوا تھا۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ آپ بطور علاج کوہ کسولی پر گئے ہوئے تھے' یہ مہینہ کی قسط میں نے بذریعہ منی آرڈر وہیں بھیج دی اس کے جواب میں والانامہ صادر ہوا جس کے یہ کچھ الفاظ یاد ہیں۔

"آپ کا مرسلہ عطیہ احب الاشیاء و ابغضها وصول ہوا"

روز روز کے احسانات کا شکریہ کہاں تک "بس دعا کرتا ہوں اور آپ سے بھی حیاًو میتاًدعا کا امیدوار ہوں۔"

دو سطر خط ہے مگر ذرا دیکھئے اس میں سموئے ہوئے مضامین 'ایک قرض کو قسطوں پر وصول کرنے کا جو احسان مجھ پر فرمایا تھا اس کو میرا احسان قرار دیتے ہیں اس کا نام تحفہ رکھتے ہیں اس کے ساتھ مال دنیا کی حقیقت اس عربی جملہ میں کیسی واضح فرمائی کہ شاید اس سے زیادہ مقصود نہیں کی جاسکتی کہ مال ایسی چیز ہے کہ ایک طرف اس کے برابر کوئی چیز محبوب نہیں کیونکہ وہ ساری محبوب چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے دوسری طرف وہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے برابر دنیا کی کوئی چیز مبغوض نہیں ہوسکتی کہ باپ کو بیٹے سے' بیٹے کو باپ سے' شوہر کو بیوی سے بیوی کو شوہر سے لڑا دیتی ہے انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

آخری جملہ میں ہر وقت موت کے استحضار کو واضح کرتے ہوئے دعا کی ترغیب فرمائی۔

فللہ 'درہ وعلیہ اجرہ۔

بندہ محمد شفیع ۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ء

؎ یہ وہی کتب خانہ ہے جو تقسیم ملک کے بعد دارالاشاعت کراچی " کے نام سے موسوم ہے (ناشر)

رسائل ثلاثہ کی تمہیدات سابقہ

تمہید شریف الدرایات یعنی حواشی امیر الروایات فی حبیب الحکایات

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ احقر بخدمت شائقین ومحبین تذکرہ بزرگان سلسلہ ولی اللّٰہیہ عرض رساہے کہ اپنی سب جماعت کو معلوم ہے کہ جناب امیر شاہ خان صاحب متوطن خورجہ مقیم مینڈھو ضلع علی گڈھ مرحوم ومغفور کو اللہ تعالی نے اس موضوع کے متعلق چند نعمتوں کا جامع بنایا تھا۔ (۱) اپنے سلسلہ کے متعدد اکابر کی خدمت وصحبت (۲) ان سب حضرات کی نظر میں مقبولیت ومحبوبیت (۳) ان حضرات کے اقوال وافعال سے استفادہ کا اہتمام (۴) ان فوائد کی تبلیغ کا شوق ورغبت (۵) قوت حافظہ واحتیاط فی الروایت والتزام سند۔ چنانچہ ان مرحوم ومغفور کا کوئی جلسہ اس تذکرہ سے کم خالی ہوتا ہوگا۔ احقر کو ان روایات کا نافع ہونا دیکھ کر بار بار قلب میں تقاضا ہوا کہ اگر یہ جمع ہو جاویں تو اہل دین کو عموماً اور اپنے سلسلہ والوں کو خصوصاً بہت نفع ہو مگر اس کی کوئی صورت نہ بنتی تھی اتفاق سے میرے خالص و مخلص دوست مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو مدرسہ مینڈھو کی مدرسی کے ذریعہ سے خاں صاحب مرحوم کے ساتھ یکجائی کا موقعہ ملا اس موقع کو احقر نے غنیمت سمجھ کر مولوی صاحب موصوف سے اس کے جمع کرنے کی درخواست کی اور خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس کو منظور کیا۔ گو بوجہ زیادہ وقت نہ مل سکنے کے زیادہ ذخیرہ جمع نہیں ہو سکا۔ مگر جتنا بھی ہو سکا بقول رومیؒ ؎

آب جیحوں را اگر نتواں کشید :: ہم زقدر تشنگی نتواں برید

اسی کو مغتنم سمجھا گیا۔ پھر خان صاحب مرحوم کی وفات ہو جانے سے اور اس لئے اضافہ کی امید قطع ہو جانے سے اس رسالہ کو ختم سمجھ کر یہ جی چاہا کہ اگر اس کی اشاعت کی کوئی صورت ہو جائے تو اس کے ضروری مقامات پر کچھ حواشی لکھ دیے جاویں۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ اب اس کا وقت بھی آگیا۔ سووہ رسالہ مع حواشی حاضر ہے۔ میں نے رسالہ کا نام بر عایت اسماء راوی ومروی

عنہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات اور حواشی کا نام بر عایت اپنے نام کے مادہ کے اور ان دونوں ناموں کے وزن کے شریف الدرایات رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع فرمائے۔ والسلام

کتبہ اشرف علی عفی عنہ وسط ۱۳۴۳ھ

تمہید رسالہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات بصورت خط

از مولوی حبیب احمد صاحب مئولف رسالہ بنام احقر اشرف علی

مجدد الملت والدین فاضت انہار فیوضہم۔ جناب خان صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سامی کا خیال تھا کہ جناب خان صاحب کو جو اپنے بزرگوں کے واقعات و ملفوظات وغیرہ یاد ہیں' وہ اگر جمع ہو جائیں تو اچھا ہے۔ بنابریں احقر نے ارادہ کیا ہے کہ جو جو باتیں جناب قبلہ خان صاحب سے سنوں ان کو متفرق طور پر قلم بند کر کے خدمت سامی میں ارسال کرتا رہوں۔ مجتمع ہو جانے کے بعد پھر ترتیب مناسب سے ان کو مرتب کیا جاوے۔ وباللہ التوفیق۔

حاشیہ مُسمّی بہ شریف الدرایات (نوٹ) سہولت کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ بدوں اس کے کہ ترتیب میں کوئی تصرف کیا جاوے۔ ہر حکایت کے بعد اس کے نمبر کا حوالہ دے کر حاشیہ متن ہی میں لکھا جاوے گا اور اس کے شروع میں لفظ حاشیہ (جس سے مراد یہی حاشیہ شریف الدرایات ہوگا) اور اس کے ختم پر لفظ ''شت'' جو رمز ہے حاشیہ کے نام کا لکھا جاوے گا۔

(وباللہ التوفیق)

روایات الطیب [1] مع سقایات الصیب الملقب بہ الکلم الطیب

مع نجم [2] الصیب

تمہید حاشیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ رسالہ اشرف التنبیہ کی (جس میں اپنے اکابر قریبہ کے حالات مذکور ہیں) اشاعت کے زمانہ میں اس کے متعلق میری ایک مجلس میں کچھ ضروری مشورہ ہو رہا تھا جس میں مولوی محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند اور مولوی محمد نبیہ صاحب تاجر ٹانڈہ بھی موجود تھے' سلسلہ گفتگو میں حاجی صاحب اول الذکر کے کلام سے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات کچھ ان کے پاس بھی جمع ہیں۔ اس پر میں نے اور مولوی صاحب آخر الذکر نے خصوصاً اور دیگر شرکا مجلس نے عموماً ان کے بھیج دینے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ درخواست منظوری اور عمل دونوں کے ساتھ مقرون ہوئی۔ چونکہ وہ مجموعہ اپنے طرز میں امیر الروایات کے مشابہ تھا جی چاہا کہ اسی کے طرز پر اس کا ضروری تحشیہ بھی اور اسی کے طرز پر متن اور حاشیہ کا تسمیہ بھی ہو اور ویسی ہی ترتیب ہو اور حاشیہ کا ویسا ہی رمز ہو۔ چنانچہ متن کا نام "روایات الطیب" تجویز ہوا۔ (اور یہ وہی عنوان ہے) جو ماتن نے لوح پر فارسی ترکیب میں لکھا تھا۔ مضاف الیہ پر الف لام داخل کر کے عربی ترکیب بنادی گئی اور حاشیہ کا نام سقایات الصیب تجویز ہوا۔ اول روایت مع عدد لکھی جاوے گی پھر لفظ حاشیہ بڑھا کر اس روایت کا حاشیہ مع عدد روایت متن ہی میں اور اس کے ختم پر خلط سے بچنے کے لئے اس کا رمز لفظ "سب" لکھا جاوے گا۔ فقط

اشرف علی۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۰ ہجری

---

[1] جب تین روایات کا مسودہ آیا' اس پر یہ عنوان لکھا تھا اور جب اس کی تمہید آئی اس پر الکلم الطیب لکھا تھا۔ میں نے دونوں کی رعایت محوظ رکھی ۱۲ منہ [2] فی القاسم منجم الماء المبین ۱۲ منہ

تمہید متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ .امابعد

احقر العباد ننگ خلائق محمد طیب دیوبندی عرض رسا ہے کہ تقریباً ۱۳۲۰ھ میں جناب حاجی امیر شاہ خان صاحب خورجوی نے (جو احقر کے جد امجد حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم قدس سرہ' کے خاص لوگوں میں تھے) احقر سے فرمایا کہ مجھے فضلائے خاندان ولی اللّٰہی کے بہت سے واقعات ایسے محفوظ ہیں کہ غالباً دوسروں سے نہ مل سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو ان کو قلمبند کرے ورنہ یہ ذخیرہ صاف میرے ساتھ قبر میں چلا جائے گا۔ احقر نے لبیک کہہ کر ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ مگر کچھ ہی واقعات تحریر میں جمع کئے گئے تھے کہ اچانک خان صاحب کو دیوبند سے واپس ہونا پڑ گیا۔ اور یہ غالباً ان کا آخری سفر تھا اسلئے باقیماندہ واقعات رہ گئے مگر جتنے بھی واقعات انہوں نے بیان فرمائے ان سے ایک خاص ذوق اس نوع کے حالات کے ساتھ علاوہ خاندانی مناسبت کے پیدا ہو گیا تھا۔ اور جب کبھی حضرات اکابر دار العلوم دیوبند مثل حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ و حضرت والد ماجد مولانا محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ و حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مجالس میں ان مقدسین ولی اللّٰہی کا ذکر چھڑتا تھا تو میں اسی مذکورہ ذوق کے ساتھ اس کو قلمبند کر لیتا تھا۔ اور اس طرح تقریباً سوا سو حکایتوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا جس سے ان اکابر کی مختلف شؤن حیات پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ذخیرہ رکھا ہوا تھا اور کبھی کبھی ادھر دھیان جاتا ہے کہ اس ذخیرہ کی شائع کر کے اس کا افادہ عام کیا جائے کہ اس قریبی مدت میں اسی موضوع پر امیر الروایات فی حبیب الحکایات شائع ہوئی اور اس میں خان صاحب مرحوم کی وہ روایات فرمودہ واقعات جو احقر نے لکھے تھے بنقل جناب مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی دام مجدہ' اکثر آگئے تھے اسلئے اشاعت کا خیال سست پڑ گیا۔ لیکن اس کے بعد اسی موضوع

پر رسالہ اشرف التنبیہ شائع ہوا جس میں حضرت قبلہ سیدی وسندی حکیم الامتہ مولانا الحاج محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی روایات سے ان اکابر کے کچھ اور حالات وملفوظات شائع ہوئے۔اس کو دیکھ کر دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ جو کچھ غیر مطبوع ذخیرہ میرے پاس ہے اس کو اسی سلسلہ میں شائع کرادینا مناسب ہے تاکہ اس کا وجود ہو جائے۔احقر نے یہ خیال حضرت ممدوح مدظلہ' کے سامنے عرض کیا جس کو حضرت نے بہت خوشی سے قبول فرمایا۔وللہ الحمد۔پس ذیل کا مجموعہ جو ۶۹ حکایات پر مشتمل ہے وہی مجموعہ ہے جو امیر الروایات اور اشرف التنبیہ کے علاوہ ہے جس کا کچھ حصہ احقر کو خان صاحب مرحوم سے پہنچا اور کچھ والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اور کچھ عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ سے اور کچھ حضرت مرشدی ومولائی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے 'ہر حکایت کے شروع پر مروی عنہ کا اسم گرامی درج کر دیا ہے۔اب اگر اس کے بعد کوئی ملفوظ یا واقعہ یاد آیا تو امید ہے کہ اسی سلسلہ کے کسی جزو میں پھر پیش کر سکوں۔ حق تعالیٰ اس ذخیرہ کو میرے لیے اور تمام اخوان کے لیے دنیا اور آخرت میں نافع فرمائے اور اسے قبول فرمائے آمین۔

محمد طیب غفرلہ'(از دار العلوم دیوبند)

۲۵۔ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ چہار شنبہ

تمہید ملفوظات یعنی حصہ اول جدید[1] ملفوظات لقب بہ

اشرف التنبیہ فی کمالات بعض ورثۃ الشفیع والنبیہ

بعد الحمد والصلواۃ عجالہ ہذا کی وجہ تالیف میں عرض ہے کہ رسالہ امیر الروایات کے زمانہ اشاعت میں (جو اپنے اکابر قریبہ کے مقامات ومقالات میں مدون کی گئی ہے) بعض احباب[2] نے تحریک کی کہ ان حضرات کی اس قسم کی اور روایات بھی جو یاد آجاویں اگر منضبط ہو جاویں تو موجب نفع ہیں۔ مگر اس وقت تک اس تحریک پر عمل نہ ہو سکا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ مجھ کو تحریر کا وقت نہ ملتا تھا اور تقریر کوئی ضبط کرنے والا میسر نہ ہوا۔ مگر خیال اس کا برابر رہا چنانچہ میرے رسالہ تحسین دارالعلوم کے (جو کہ القاسم محرم ۱۳۴۷ھ میں چھپا ہے) ایک حاشیہ میں اس خیال کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے بقول اشارة الیٰ احتمال ضبط مایتفق احیانا من سرد بعض حکایات ہولا الا کا برفی غنیر ھم الخ اتفاق سے اس زمانہ میں کہ ۱۳۴۸ھ کا آغاز ہے بعض احباب نے اس کی پھر تحریک کی اور خوش قسمتی سے بعض احباب[3] اس کیلئے بھی آمادہ ہو گئے۔ وہ لکھ کر مجھے دکھلا دیتے تھے اور میں اس میں مناسب ترمیم کر دیتا تھا جس سے وہ صورت حاصل ہوئی جو آپ کے سامنے ہے۔ گویا اس کو امیر الروایات کا ضمیمہ کہنا چاہیے اتنا فرق ہے کہ اس میں متون کے ساتھ اکثر اسایند بھی ہیں اور مجھ کو رجال یاد نہیں رہے لیکن کسی حکم شرعی کا مدار نہ ہونے کے سبب یہ مضر بھی نہیں

کتبہ اشرف علی

---

[1] یہی اس کا لقب ہے اس کی پوری حالت اس کے خطبہ سے معلوم ہو گی ۱۲

[2] المرادبہ المولوی محمد زکریا الکاندھلوی سلمہ ۱۲۔ المرادبہ المولوی محمد شفیع الدیوبندی

[3] المرادبہ المولوی محمد نبیہ التاندوی سلمہ ۱۲

ازدواجی زندگی سے تنگ گھریلو حالات سے پریشان لوگوں کے لئے ایک رہنما تحریر
خوشگوار ازدواجی زندگی کے رہنما اصول
تالیف: محمد روح اللہ نقشبندی غفوری
پسند فرمودہ
فضیلۃ الشیخ زینت المشائخ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم
جانشین:
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ
ناظم مدرسہ مظاہر العلوم جدید سہارنپور انڈیا
مکتبہ عمر فاروق
شادی بیاہ کے لیے انمول تحفہ
مثالی خاوند مثالی بیوی
ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ ہر مسلمان مرد و عورت کی اولین ضرورت ہے
معاشرے میں مثالی کردار اپنانے کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کی گئی
تالیف
حضرت مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
ترتیب تخریج و تحقیق
مولانا اختر علی
سابق استاذ جامعہ فاروقیہ
تقریظ
مولانا ولی خان المظفر
استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ
مکتبہ عمر فاروق

بزرگانِ چشتیہ کو خواب میں
زیارتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے مشرف ہونے والے مشائخ چشتیہ کے خوابوں کا ایمان افروز مجموعہ
تالیف: مولانا روح اللہ نقشبندی غفوری
پسند فرمودہ: حضرت اقدس سید حشمت علی مدنی نوراللہ مرقدہ
مجازِ صحبت
حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ
مکتبہ عمر فاروق
فضیلت دعوت تبلیغ
دعوت وتبلیغ کے فضائل اور اہمیت، شان وشوکت اور درس مبارک کام کا مقام ومرتبہ
کو آیات شریفہ احادیث اور کتب معتبرہ کے حوالہ جات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے
متعلق خواتین کی ذمہ داری تبلیغ کے لیے عورتوں کے نکلنے پر اشکال کا تفصیلی جواب
مستند علماء کرام اور مفتیان عظام کے فتاویٰ کی روشنی میں دیا گیا ہے
تالیف: مولانا روح اللہ نقشبندی غفوری
پسند فرمودہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم
جانشین:
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ
مکتبہ عمر فاروق